سراج النحو

شرح اردو

ہدایۃ النحو

تالیف

مفتی کفیل الرحمن نشاط عثمانی
مفتی دارالعلوم دیوبند

ناشر:
ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل، پاکستان چوک کراچی

سراج النحو

شرح اردو

هداية النحو

تالیف

حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی

مفتی دارالعلوم دیوبند

ناشر:

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل، پاکستان چوک کراچی

سراج النحو کے بارے میں تاثرات

از

مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہ صدر المدرسین دار العلوم (وقف)، جامع مسجد دیوبند
خلف الرشید محدث کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

مخزن علم و ہنر، معدن نظم و نثر خانوادۂ عثمانی کے چشم و چراغ مولانا مفتی کفیل الرحمن نشاط جو عرصہ دراز سے دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء میں ممتاز رکن ہیں اور اپنی ذاتی زندگی میں یکسوئی، علم دوستی، ورع و احتیاط کے لئے دیوبند میں خاص شہرت کے مالک ہیں ان کے علم ریز قلم سے " ہدایۃ النحو " کی اردو شرح، ان کے برادرِ خورد عزیز قلبی مولوی اسامہ عزیز القاسمی کی سعی و کاوش سے منظر عام پر آرہی ہے جسے احقر نے جستہ جستہ دیکھا اور بحمدہ تعالیٰ نہ صرف طلباء کے لئے کارآمد بلکہ اساتذہ کے لئے جامع شرح، مفید راہ نما پایا۔ اردو معیاری، تحریر دلکش، تشریح جاندار، مضامین سیر حاصل غرضیکہ ہر طرح ایک بارآور شرح ہے۔ خدا تعالیٰ قبول عام کے ساتھ مستفیدین کے لئے مخلص راہ نما فرمائے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

سراج النحو شرح اردو ہدایۃ النحو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

تشریح:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ صاحب کتاب نے کتاب کی ابتدا بسم اللہ سے اس لئے کی کہ اس سے ایک طرف تو کتاب اللہ کی پیروی کی سعادت حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث شریف پر بھی عمل پیرا ہونے کی سعادت میسر ہو جائے کہ ہر وہ کام جس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے نہ ہو وہ ادھورا ناقص ہوتا ہے۔

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ حدیث شریف سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام سے ابتداء کی جائے۔ اس سے یہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ آغاز انھیں مخصوص الفاظ سے ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نام سے آغاز کافی تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف "باسم اللہ" نہیں بلکہ "بسم اللہ" ہے یعنی بسم اللہ کے ساتھ آغاز ہو۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ حدیث شریف کے الفاظ کا مقصود بسم اللہ کے ساتھ آغاز ہے۔

بسم اللہ میں ب حرف جار اور یہ جس پر آرہی ہے وہ مجرور ہے اور ہر جار مجرور کے واسطے یہ ناگزیر ہے کہ ایک متعلق بھی ہو اور کیونکہ حرف جار جس پر آتا ہے وہ کسی دوسری چیز سے مربوط ہوتا ہے تو متعلق کے ظاہر ہونے پر اس کو ظرف لغو کا نام دیتے ہیں اور ظاہر نہ ہونے کی صورت میں اسے مستقر سے موسوم کرتے ہیں۔

اس جگہ متعلق ظاہر نہ ہونے کی بناء پر یقیناً متعلق پوشیدہ ہوگا۔ اس پوشیدہ متعلق کے سلسلہ میں نحویانِ کوفہ و بصرہ کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا۔ وہ یہ کہ پوشیدہ متعلق اسم ہو یا فعل۔

نحویانِ بصرہ کے نزدیک فعل پوشیدہ ہونا چاہئے اور وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ پوشیدہ متعلق جار مجرور میں عمل کرے گا اور عمل کے اعتبار سے فعل کو اصل قرار دیا گیا اسلئے کہ فعل کی تخلیق ہی برائے عمل ہوئی ہے اس کے برعکس اسم کا جہاں تک تعلق ہے اس کی تخلیق عمل کے لئے نہیں ہوئی بلکہ اس کا عمل کرنا فعل سے اس کی مشابہت کی وجہ سے ہے۔

نحویانِ کوفہ کے نزدیک پوشیدہ متعلق اسم ہونا چاہئے کیونکہ پوشیدہ متعلق میں اصل کا مرتبہ مفرد کو حاصل ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ فعل مقدر و پوشیدہ ماننے کی صورت میں یہ مقدر فعل افعال خاصہ میں سے ہو یا افعال عامہ میں سے۔ تو اس سلسلے میں بصری نحوی کہتے ہیں کہ فعل عام مقدر و پوشیدہ مانا جائے اس لئے کہ اس میں سارے افعال شامل ہو جائینگے۔ ہاں اگر افعالِ خاصہ میں سے کسی فعل کے مقدر و پوشیدہ ماننے کا کوئی قرینہ پایا جا رہا ہو تو وہاں فعل خاص مقدر مانیں گے۔ جیسے یہاں کتاب کی ابتداء میں آنا اس کا قرینہ ہے تو یہاں نحویان بصرہ کے قول کے مطابق اَشْرَعُ فعل خاصہ مقدر تسلیم کریں گے۔ اس کے علاوہ بہتر یہ ہوگا کہ اس کے مقدم کو محذوف ماننے کے بجائے اس کے موخر کو محذوف مانا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ متعلق کے مقدم ہونے پر آغاز اسم اللہ کے بجائے فعل سے ہوگا۔ جبکہ صاحب کتاب کا منشاء اسم اللہ سے آغاز ہے۔

اگر کسی نے یہاں یہ اشکال کیا کہ متعلق بعد میں لانے کے باوجود ابتداء اسم اللہ سے نہیں ہوگی کیونکہ لفظ اسم کو اسم اللہ نہیں کہا جاتا بلکہ دراصل اللہ اسم اللہ کہا جاتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ لفظ اسم چھوڑ کر اگر باللہ

کہتے تو اس کا التباس قسم کی باء سے ہو جاتا۔ اس مصلحت سے صاحب کتاب نے یہاں لفظ اسم کا اضافہ کیا علاوہ ازیں اس سے اس طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی نشاندہی ہوتی ہو وہ سبب برکت و استعانت ہوتے ہیں چاہے اللہ کا لفظ ہو یا الرحمٰن وغیرہ دوسرے الفاظ۔ نیز اس لفظ کے اضافہ سے یہ ظاہر کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ کے تمام ناموں سے حصول برکت و استعانت جائز ہے۔ نیز بہت زیادہ استعمال کے باعث بسم اللہ میں ہمزہ حذف عن الکتاب کر دیا گیا۔ اس کے برعکس "اقرأ باسم ربک" میں قلیل الاستعمال ہونے کی بنا پر کتابت میں ہمزہ برقرار رکھا گیا۔

الرحمٰن الرحیم۔ مہربانی و نرمی قلب جس کا نتیجہ مغفرت و احسان ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ جسم سے منزہ اور قلب جسمیت کے لوازم میں سے ہے اس لئے یہاں قلب کی نرمی سے مراد اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت و احسان ہے۔ الرحیم سے قبل الرحمٰن لانے کی وجہ یہ ہے کہ الرحمٰن علَم کی طرح ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علاوہ کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اس کے برعکس الرحیم کہ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

ترجمہ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالَم کے اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے رحمت کاملہ ہو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام اولاد و اصحاب پر۔

تشریح الحمد۔ صاحب کتاب نے اللہ تعالیٰ کی حمد سے کتاب کا آغاز کیا تاکہ کتاب اللہ کی تقلید کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر بھی اس طرح عمل ہو۔ علاوہ ازیں متقدمین کا جو دستور رہا ہے اس پر بھی عمل پیرا ہونے کی توفیق ہو جائے۔

صاحب کتاب کے حمد سے آغاز پر ایک اشکال تو وہی ہے جو بسم اللہ پر ہوا تھا مگر اس کا جواب وہی ہے جو بسم اللہ کے سلسلے میں عرض کیا گیا۔ ایک اور اشکال یہ کیا گیا کہ آغاز سے متعلق دو حدیثیں موجود ہیں۔ ان میں ایک حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا آغاز بسم اللہ سے ہونا چاہئے اور حمد سے متعلق حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ آغاز بجائے بسم اللہ کے حمد سے ہو۔ کیونکہ آغاز کسی شے سے شروع کرنے ہی کا نام ہے اور یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ ابتدا کسی سے تو ممکن نہیں محض ایک سے ہو سکتی ہے تو اس طرح یہ بات لازم آتی ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں سے کسی پر بھی عمل نہ ہو سکے وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ سے آغاز کی صورت میں ابتداء حمد سے نہ ہو سکے گی اور یہی صورت حمد سے ابتداء کی شکل میں ہے۔ اس طرح دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض ہو گیا اور تعارض کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں پر عمل نہ ہو۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا کہ ابتدا کی دراصل تین قسمیں ہیں (۱) اضافی (۲) عرفی (۳) حقیقی۔ اضافی ابتدا اسے کہا جاتا ہے جو مقدم ہو چاہے یہ تمام سے مقدم ہو یا بعض سے پہلے ہو۔ عرفی ابتداء وہ کہلاتی ہے جو خواہ اوروں سے مقدم نہ ہو مگر مقصود اصلی سے مقدم ہو۔ اور حقیقی ابتداء اسے کہتے ہیں کہ اس سے پہلے کوئی نہ ہو بلکہ وہی تمام سے پہلے ہو۔ اس تفصیل کے بعد یہ دیکھئے کہ بسم اللہ کے سلسلہ میں جو حدیث شریف آئی ہے اس

سے مقصود ابتدائے حقیقی کو بتاتا ہے، اور حمد سے متعلق حدیث شریف ابتدا سے دراصل مقصود یا تو ابتدائے عرفی ہے یا ابتدائے اضافی۔ ابتدائے حقیقی بہرحال اس میں مراد نہیں۔

اور اس کے بجائے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بسم اللہ اور حمد کی حدیثوں میں ابتداء سے مقصود یا تو ابتدائے اضافی ہے یا اس سے مقصود ابتدائے عرفی ہے۔ اور ابتدائے اضافی یا عرفی مراد لینے کی صورت میں سرے سے وہ اشکال تعارض ہی نہ رہا۔

رہی یہ بات کہ حمد والی حدیث میں ابتدائے حقیقی مراد نہ لینے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تسمیہ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے تین اسمائے گرامی ہیں اور تحمید کی حدیث میں ایک ہے۔ اس لئے تسمیہ کے سلسلہ کی حدیث میں ابتدا حقیقی مراد لیجائیگی اور تحمید کی حدیث میں ابتدا حقیقی مراد نہ لینگے۔

اگر اس پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جس طرح تسمیہ میں تین اسمائے گرامی اللہ تعالیٰ کے ذکر کئے گئے ہیں ٹھیک اسی طرح تحمید میں بھی تین ہوتے اور تحمید ابتدائے حقیقی پر محمول ہو کر تسمیہ سے مقدم کر دیجاتی۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس طرح اسلوب ہی بدل جاتا اور یہ تبدیلی اسلوب پسندیدہ نہیں۔ بعض حضرات اس کا جواب اس طرح بھی دیتے ہیں کہ تسمیہ سے منشاء اسم ذات کا ذکر ہے اور تحمید کا منشاء اظہار صفات، اور ذات کا وجود صفات سے پہلے ہوتا ہے اسی بناء پر ذات کا بیان پہلے کیا گیا اور صفات کا ذکر اس کے بعد۔

حمد اور مدح میں عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ حمد تو مخصوص ہے اور مدح میں تعمیم ہے۔ کسی اختیاری عمل پر کی جانے والی تعریف کا نام حمد ہے۔ اور جہاں تک مدح کا تعلق ہے اس میں اس کی قید نہیں کہ فعل اختیاری ہی ہو۔ اختیاری اور غیر اختیاری دونوں پر بذریعہ زبان کی جانے والی تعریف کا نام مدح ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مدح میں بمقابلہ حمد تعمیم ہے۔ بعض حضرات مثلاً علامہ زمخشری وغیرہ حمد اور مدح کے مرادف ہونے کے قائل ہیں اگر انھیں مرادف مانا جائے تو پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے لفظ مدح کو چھوڑ کر لفظ حمد اختیار کرنے کی وجہ کیا ہے۔

تو اس کا سبب یہ ہے کہ حمد کے خاص ہونے کی بناء پر حمد کے بیان سے مدح عام ہونے کے باعث اس کے ذیل میں خود بخود آجائے گی۔ اب رہا یہ سوال کہ لفظ حمد کی جگہ لفظ شکر بھی لا سکتے تھے پھر لفظ حمد ہی کیوں لائے حالانکہ تصنیف منجملہ دیگر نعمتوں کے ایک نعمت الٰہی ہے اور نعمت ربانی کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اس واسطے اس مقام کا تقاضہ یہ تھا کہ بجائے لفظ حمد کے لفظ شکر ہوتا۔

اس کے دراصل دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ حمد بمقابلہ نعمت آنے کی صورت میں بمعنی شکر ہوا کرتا ہے۔ دوم یہ کہ شکر بمقابلہ نعمت آنا خاص اور لفظ حمد میں اس کے مقابلہ میں تعمیم ہے تو خواہ تصنیف کے ایک نعمت ہونے کی بناء پر یہ مقام شکر ہی کیوں نہ ہو مگر ذات ربانی کے لئے حمد ہی موزوں ہے کیونکہ باری تعالیٰ کی تعریف بہرحال ضروری ہے عطائے نعمت ہی پر موقوف و منحصر نہیں تیسرا سبب یہ ہے کہ انعامات ربانی بندوں پر اس قدر ہیں کہ انھیں شمار کرنا ممکن ہی نہیں اور ادائیگی شکر بندہ کے بس سے باہر ہے اس لئے صاحب کتاب نے شکر نعمت سے احتراز کرتے ہوئے لفظ حمد استعمال کیا۔

اس بارے میں نحویوں کی مختلف رائیں ہیں کہ الحمد للہ میں لام استغراق ہے یا لام جنس یا لام عہد خارجی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ لام استغراق کا ہے۔ لام استغراق کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ دراصل سب محامد ذات ربانی ہی کے واسطے ہیں۔ بہرصورت یہ لام کیسا بھی مانا جائے اس کے لام تعریف ہونے پر سب متفق ہیں اور اس کی رُو سے الحمد للہ کے یہ معنی ہونگے کہ ازل تا ابد ہر حمد کرنے والے کی حمد ذات باری تعالیٰ کے لئے خاص ہوگی

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ صاحب کتاب کے " للہ الحمد" یعنی اللہ کو الحمد سے پہلے نہ لانے کی وجہ کیا ہے جبکہ الحمد کی تخلیق وصف کے واسطے ہے اور " اللہ" ذات باری کے واسطے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ وصف سے ذات پہلے ہوا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بجائے خود اس لائق ہے کہ وہ مقدم ہو۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ موقعہ کیونکہ حمد کا ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ حمد اوروں سے مقدم ہو اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ مقتضائے حال کی خلاف ورزی ہوگی جو کہ ضرورت کلام کے زمرہ میں داخل ہے اور اس کی عدم رعایت سے کلام میں بلاغت باقی نہ رہے گی۔

بعض اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جگہ دراصل مقصود ذکر وصف ہے اور اس جگہ ذات کا بیان وصف سے تعلق کے باعث ہوا ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ مقصود کا مقدم کرنا غیر مقصود پر ناگزیر ہوتا ہے اسی بنار پر اس جگہ لفظ اللہ سے قبل لفظ حمد لانا ضروری ہے۔

ایک اور اشکال اور اسکا جواب۔ صاحب کتاب کے " الحمد للہ" میں اسم ذات لانے اور اسم صفت نہ لانے کا سبب کیا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اس طرح کہدیا جاتا " الحمد للرحمن "۔ الحمد للہ ہی کہنے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل اسم ذات کو اسم صفت پر افضلیت حاصل ہے اور افضل کا ذکر غیر افضل کے مقابلہ میں افضل ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں صاحب کتاب نے اسم صفت کو چھوڑ کر اسم ذات بیان کیا رہی یہ بات کہ اسم ذات کے اسم صفت سے افضل و اعلیٰ ہونے کا سبب کیا ہے تو اس کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اسم ذات کا جہاں تک تعلق ہے وہ مفرد کے درجہ میں ہے اور اسم صفت مرکب کے درجہ میں۔ کیونکہ اسم صفت سے ذات کے ساتھ ساتھ وصف کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اسم ذات سے فقط ذات کی نشاندہی ہوتی ہے اور مفرد کو بہرحال مرکب پر فضیلت حاصل ہے۔

علاوہ ازیں بجائے دوسرے اسماء کے اسی اسم کو بیان کرنے اور دوسروں پر ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سارے اسمار کو سمیٹ لینے اور جامعیت کی شان ہے۔ سارے ذاتی اور صفاتی اسماد اس کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ اس اسم کے ذریعہ ایسی ذات کی نشاندہی ہوتی ہے جس میں سارے محامد اور کمال کی صفت یکجا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ اللہ تعالیٰ کے سارے اسمار میں اعظم شمار کیا گیا ہے اور یہ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔

رب العلمین الرب۔ مالک، سردار، درست کرنے والا، پرورش کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے اسمار حسنیٰ میں سے ہے اگر اس کی اضافت کسی طرف نہ ہو تو اس سے محض ذات باری مراد ہوگی اور بلا اضافت کسی دوسرے کے لئے اسے استعمال نہیں کیا جاتا۔

العالمین۔ عالم کی جمع جس میں دنیا کی تمام اجناس، آسمان، چاند، سورج اور تمام ستارے اور ہوا

وفضا، برق و باران، فرشتے، جنات، زمین اور اس کی تمام مخلوقات، حیوانات، انسان، نباتات، جمادات
سب ہی داخل ہیں۔ اس لئے رب العلمین کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تمام اجناسِ کائنات کی تربیت کرنے والے
ہیں اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ جیسا یہ ایک عالم ہے اور اس جیسے ہزاروں لاکھوں دوسرے عالم ہوں جو اس عالم
سے باہر کی خلا میں موجود ہوں۔ امام رازی رہ اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس عالم سے باہر ایک لامتناہی خلا کا وجود
دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ اس
نے اس لامتناہی خلا میں ہمارے پیشِ نظر عالم کی طرح اور بھی ہزاروں لاکھوں عالم بنا رکھے ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری رضہ سے منقول ہے کہ عالم چالیس ہزار ہیں۔ یہ دنیا مشرق سے مغرب تک ایک عالم ہے
باقی اس کے سوا ہیں۔ اسی طرح حضرت مقاتل امام تفسیر سے منقول ہے کہ عالم اسّی ہزار ہیں۔ اس تقریر مذکور سے
معلوم ہوا کہ رب العلمین ایک حیثیت سے پہلے جملے "الحمد للہ" کی دلیل ہے کہ جب تمام کائنات کی تربیت و پرورش
کی ذمہ دار صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو حمد و ثنا کی حقیقی مستحق بھی وہی ذات ہو سکتی ہے۔

رب کی عالمین کی جانب اضافت

ایک اشکال یہ کیا گیا کہ باعتبار لفظ العالمین کی جانب اضافتِ رب
پائی جا رہی ہے اور محض لفظی اضافت کے ذریعہ نکرہ معرفہ نہیں بنتا
اور رب العالمین کے نکرہ ہونے کی بنا پر اسے معرفہ (اللہ) کی صفت قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ لفظی اضافت کے اندر یہ ناگزیر ہے کہ یا تو مستقبل کے معنی
میں ہو یا حال کے اور اس جگہ رب میں استمرارِ زمانہ موجود ہے اور ضابطہ کے مطابق شرط کے فوت ہونے پر مشروط
بھی باقی نہیں رہتا تو اس بنا پر یہاں اضافتِ رب، العلمین کی جانب لفظی نہیں معنوی قرار دی جائے گی اور
معنوی اضافت سے فائدۂ تعریف حاصل ہوتا ہے پس اس کے معرفہ بننے کی صورت میں اسے اس کی صفت قرار
دینا بھی صحیح ہوا۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

یہاں "حسن" یا "خیر" مضاف پوشیدہ ہے۔ اس میں مضاف پوشیدہ ماننے
کی ضرورت اس واسطے ہے کہ اسے بلا محذوف رکھنے کی صورت میں "العاقبۃ" کے
معنی ہونگے "انجام" اور انجام میں خیر کا بھی پہلو ہے اور شر کا بھی۔ تو اس صورت میں معنی یہ ہو جائیں گے کہ انجام
پرہیزگاروں کے واسطے ہے چاہے یہ خیر ہو یا شر۔ اور پرہیزگاروں کا انجام "شر" یہ صحیح نہیں اس واسطے یہاں
"حسن" یا "خیر" مضاف محذوف ماننا ہوگا۔

متقین۔ اللہ سے ڈرنے والے۔ شرعاً متقی ایسا شخص کہلاتا ہے جو عذاب و سزا کے کاموں سے اپنے آپکو بچائے۔
حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جب تک آدمی اپنے اوپر دس
چیزوں کو فرض نہ کرے اس کی پرہیزگاری پوری نہیں ہوتی۔ پہلی یہ کہ اپنی زبان کو غیبت سے بچائے، دوسرے
یہ کہ برے گمان سے پرہیز کرے۔ تیسری یہ کہ ٹھٹھے اور مذاق سے بچے۔ چوتھی یہ کہ حرام چیزوں سے اپنی نگاہ بند

رکھے، پانچویں یہ کہ سچ بولے۔ چھٹی یہ کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات سمجھے تاکہ وہ مغرور نہ ہو جائے۔ ساتویں یہ کہ اپنے مال کو حق میں خرچ کرے باطل میں خرچ نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ اپنے لئے بڑائی اور بلندی طلب نہ کرے نویں یہ کہ نمازوں کی حفاظت کرے، دسویں یہ کہ سنت اور جماعت پر استقامت رکھے۔

یہاں ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ صاحب کتاب کو یہاں یہ جملہ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس سے مقصود یا تو اس بات کی جانب اشارہ کرنا ہے کہ سارے اعمال میں پرہیزگاری بہترین عمل ہے۔ یا اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ہلاک وبرباد کرنے والی چیزوں سے نجات کی صورت یہی ہے کہ پرہیزگاری اختیار کی جائے۔

نیز اس کے ذریعہ صاحب کتاب "الحمد للہ رب العلمین" سے پیدا شدہ اس خیال کو بھی ذہنوں سے نکالنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیونکہ سارے جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے تو سب کے لئے عاقبت بخیر ہی اس سے مفہوم ہوتی ہے۔ متقین کی قید سے صاحب کتاب نے واضح فرمادیا کہ عاقبت بخیر متقین کے لئے ہے سب کیلئے یہ حکم نہیں۔

درود شریف کی فضیلت

لفظ "صلوٰۃ" عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے رحمت، دعا مدح وثناء۔ آیت مبارکہ "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (احزاب پ۲۲) اللہ تعالیٰ کی طرف جو صلوٰۃ کی نسبت ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ، ان کا آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ اور عامۂ مومنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا اور مدح وثنا کا مجموعہ ہے۔ عامۂ مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں اور امام بخاری رح نے ابو العالیہ رح سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد آپ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے آپ کی مدح وثنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ کو بلند مرتبہ عطا فرمایا کہ اکثر مواقع اذان واقامت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر شامل کر دیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا اور غالب کیا اور آپ کی شریعت پر عمل تا قیامت جاری رکھا۔ اس کے ساتھ آپ کی شریعت کو محفوظ رکھنے کا ذمہ حق تعالیٰ نے لے لیا۔ اور آخرت میں آپ کی تعظیم یہ ہے کہ آپؐ کا مقام تمام خلائق سے بلند وبالا کیا اور جس وقت کسی فرشتے اور پیغمبر کو شفاعت کی مجال نہ تھی اس حال میں آپؐ کو مقامِ شفاعت عطا فرمایا جسے مقامِ محمود کہا جاتا ہے۔

اس معنی پر جو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام میں تو روایاتِ حدیث کے مطابق آپؐ کے ساتھ آپؐ کے آل واصحاب کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مدح وثنا میں آپؐ کے سوا کسی کو کیسے شریک کیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب روح المعانی وغیرہ میں یہ دیا گیا ہے کہ تعظیم اور مدح وثنا وغیرہ کے درجات بہت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور ایک درجہ میں آل واصحاب اور عام مومنین بھی شامل ہیں۔

ایک شبہ واشکال کا جواب

ایک لفظ "صلوٰۃ" سے بیک وقت متعدد معنی رحمت، دعا، تعظیم وثناء مراد لینا جو اصطلاح میں عموم مشترک کہلاتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک وہ

جائز نہیں اس لئے اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ لفظ صلوٰۃ کے اس جگہ ایک ہی معنی لئے جائیں یعنی آپکی تعظیم اور مدح وثنا وخیر خواہی۔ پھر یہ معنیٰ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں تو اس کا حاصل رحمت ہوگا اور فرشتوں کی طرف منسوب ہوں تو دعا واستغفار ہوگا۔ عام مومنین کی طرف منسوب کیا جائے تو دعا، اور مدح وثنا وتعظیم کا مجموعہ ہوگا۔

اور لفظ سلام مصدر بمعنی السلامۃ ہے جیسے ملام بمعنی ملامت مستعمل ہوتا ہے اور مراد اس سے نقائص وعیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے اور بعض حضرات نے اس آیت میں سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

رسول بھیجا ہوا۔ پیغامبر۔ اصطلاحی اعتبار سے وہ شخص کہلاتا ہے جس کی بعثت اللہ تعالیٰ نے مخلوق تک احکام ربانی پہنچانے کے لئے کی ہو اور وہ نئی شریعت کا حامل ہو۔ رسول کے مقابلہ میں لفظ نبی میں عمومیت ہے اس کے ساتھ اس کی قید وشرط نہیں کہ وہ نئی کتاب اور نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوا ہو۔

محمد اسے مجرور پڑھنے کی صورت میں عطف بیان یا اسے بدل قرار دینگے اور مرفوع پڑھنے کی شکل میں پوشیدہ و محذوف مبتدا کی خبر قرار دینگے۔

وآلہ۔ آل، قوم، گھر کے لوگ، متبعین، دوست۔ آل کی اصل کیا ہے اس کے متعلق اہل لغت میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ دراصل "اَہْلٌ"، تھا۔ اسی بناء پر جب اس کی تصغیر کی جاتی ہے تو اصل کی طرف لوٹا کر اُہَیْل" کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک اس میں جو دوسرا لفظ ہے وہ ھ کے بدلہ میں آیا ہے۔

صاحب قاموس کہتے ہیں کہ ھ ہمزہ سے بدل گئی اَءْل" ہوا۔ اب دو ہمزہ ایک ساتھ جمع ہوئے لہذا دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل لیا آل ہوگیا۔ دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل اَوْلٌ" تھا جس کے معنی لوٹنے کے ہیں واؤ کو الف سے بدلا گیا، آل ہوگیا۔ اور جو شخص کہ کسی کی طرف قرابت اور دوستی میں لوٹے وہ آل سے موسوم ہوا۔ ابوالحسن بن الباذش نے اسی کو اختیار کیا ہے اسی بناء پر یونس اس کی تصغیر "اُوَیْل" بیان کرتے ہیں اور کسائیؒ نے تو اہل عرب سے صراحتاً "اُوَیْل" ہی نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں سیبویہ جو عربیت اور نحو کے امام ہیں حروف کی باہمی تبدیلی کے باب میں کہیں یہ ذکر نہیں کرتے کہ ہا ہمزہ سے بدل جاتی ہے حالانکہ انھوں نے ہرقت، ہیا، ہرحت ہیاک کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں ہمزہ کو ہا سے بدل لیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ دوسرے خیال کی تقویت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آل کی اضافت کسی قابل تعظیم شخص ہی کی طرف ہوتی ہے چنانچہ آل القاضی بولتے ہیں اور آل الحجام نہیں بولتے اس کے برخلاف لفظ اہل کے استعمال میں یہ چیز ملحوظ نہیں۔

اسی طرح بیشتر آل کی اضافت غیر ذوی العقول کی طرف بھی نہیں ہوتی۔ نیز اکثر علماء کے نزدیک ضمیر کی طرف بھی وہ مضاف نہیں ہوتا، گو بعض علماء کسی کے ساتھ اس کے استعمال کو روا رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے اصحاب فیل کے قصہ میں جو چند ابیات کہی تھیں ان میں سے ایک شعر میں یہ اضافت ثابت بھی کی ہے۔

وانصر علیٰ آل الصلیب ∴ وعابدیہ الیوم آلک

(آج تو صلیب والوں اور اس کے پرستاروں پر اپنے لوگوں کو فتح مند کر)

آلُ فلان کا اطلاق کبھی تو صرف آل پر ہوتا ہے اور کبھی آل اور مضاف الیہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جب صرف آلُ فلان کہا جائے گا تو اس صورت میں مضاف الیہ بھی اس کے معنی میں داخل ہوگا مگر یہ کہ کوئی قرینہ وہاں ایسا موجود ہو جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مضاف الیہ مراد نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "انا آل محمد لا تحل لنا الصدقہ" (ہم آل محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں) یہ اسی کے شواہد میں ہے کیونکہ یہاں آل محمد کے مفہوم میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی داخل ہے۔ اور جب دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جائے تو پھر مضاف الیہ اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہوگا جیسے "اللہم صلّ علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد" کہ یہاں آل محمد کے لفظ میں ذات گرامی داخل نہیں ہوگی۔ غرض آل فلاں کا لفظ فقیر اور مسکین ایمان اور اسلام، فسوق اور عصیان کی طرح ہے کہ جب ان میں سے ایک بولا جائیگا تو دوسرا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہوگا اور جب دونوں ایک ساتھ آئیں گے تو ایک دوسرے کے مفہوم میں داخل نہیں ہوں گے (فتح الباری جلد ۱۱) یاد رہے کہ باعتبار لغت آل کے معنی میں قرابت دار، احباب اور پوری قوم داخل ہے۔ چنانچہ درود شریف والی حدیث میں آلِ محمد سے تمام علمائے امت مراد ہیں (لغات القرآن ص۲۰۵ ج ۱)

واصحابہ۔ اصحاب، ساتھی، رفیق۔ صاحبٌ کی جمع۔ اصحاب یا صحابہ لوگوں کی وہ مبارک جماعت کہلاتی ہے جو بحالت ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئی ہو اور ایمان ہی پر وہ دنیا سے رخصت ہو۔

أَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَضْبُوطٌ فِي النَّحْوِ جَمَعْتُ فِيهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ عَلٰى تَرْتِيْبِ الْكَافِيَةِ مُبَوَّبًا وَّمُفَصَّلًا بِعِبَارَةٍ وَّاضِحَةٍ مَعَ إِيْرَادِ الْأَمْثِلَةِ فِي جَمِيْعِ مَسَائِلِهَا مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلْأَدِلَّةِ وَالْعِلَلِ لِئَلَّا يُشَوِّشَ ذِهْنَ الْمُبْتَدِيْ عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ۔

ترجمہ: بعد حمد و صلوٰۃ کے۔ یہ علم نحو میں مرتب کردہ مختصر کتاب ہے جس میں ترتیب کافیہ کے اعتبار سے باب دار مقاصد علم نحو یکجا کر دئے ہیں اور بلحاظ فصل مثالوں کے اہتمام اور واضح عبارت کے ساتھ سارے مسائل نحو پیش کئے ہیں اور ان میں دلائل و علل کے بیان سے اس لئے احتراز کیا گیا ہے کہ مبتدی کا ذہن ادھر الجھ کر اسے مسائل نحو کے سمجھنے میں پریشانی نہ ہو۔

تشریح | امابعد۔ اما حرفِ شرط ہے۔ اکثر حالات میں تفصیل کے لئے آتا ہے اور کبھی تاکید کے لئے بھی مستعمل

ہوتاہے۔ بعد ظروف میں سے ہے اور ضمہ پر مبنی ہے۔

ہذا۔ محسوس مشار الیہ کی جانب اشارہ کرنے کی خاطر بنایا گیا ہے۔ مختصر، یہ دراصل خبر "ہذا" ہے۔ مختصروہ کلام کہلاتا ہے کہ عبارت کم اور اس میں معانی زیادہ پائے جائیں۔ مضبوط، صفت مختصر قرار دیگئی۔ یعنی ان معانی میں اختصار بھی ہے اور جامعیت بھی کہ ان میں بیجا طوالت نہیں۔

جمعت فیہ۔ یہاں یہ اشکال کیا گیا کہ فی النحو۔ دراصل "فیہ النحو" نہونے کی صورت میں یہ معلوم ہوگیا کہ اس مختصر کتاب میں اختصار کے ساتھ مسائل نحو اکٹھے کردئے گئے اور "جمعت فیہ" سے بھی اس کی نشان دہی ہوتی ہے کہ صاحب کتاب نے اس میں مسائل نحو یکجا کردئے تو مطلب کے اعتبار سے دونوں ایک ہوئے۔ صاحب کتاب کے عبارت اس طرح لانے کی آخر کیا وجہ ہے اور اس میں کیا مصلحت ہے۔ بظاہر اتنی عبارت زائد معلوم ہوتی ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دراصل اس سے مقصود ایک وہم کا ازالہ ہے۔ وہم یہ ہوتا ہے کہ "فیہ النحو" میں سارے مسائل نحو آگئے اس اعتبار سے کتاب کو مختصر کہنے کے بجائے مطول کہنا چاہیئے۔ صاحب کتاب نے "جمعت فیہ" کی قید سے اس وہم کا ازالہ کردیا اور بتادیا کہ اس میں فی الحقیقت مقصودات نحو کا ذکر ہے اور یہ زوائد سے خالی ہے۔

ایک اور اشکال یہ کیا گیا کہ صاحب کتاب کو ضمیر لاتے ہوئے "مہماتہ" کہنا موزوں تھا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ایک بار جس چیز کا بیان ہوچکا ہو دوبارہ اس کا ذکر ہو تو اسم ظاہر کے بجائے ضمیر لایا کرتے ہیں۔

اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مہماتہ" میں اختصار کا پہلو ضرور ہے مگر اس طریقہ سے ذکر زیادہ ذہن نشین نہیں ہوتا اسلئے صاحب کتاب اسم ظاہر لائے تاکہ خوب ذہن نشین ہوجائے۔

علی ترتیب الکافیۃ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے اپنی کتاب میں کافیہ ہی کی ترتیب کیوں برقرار رکھی اور صاحب کافیہ کی تقلید سے بچتے ہوئے کتاب کی ترتیب میں فرق کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ ترتیب کافیہ نہایت عمدہ اور طبائع سلیمہ کے مطابق ہے اور عنداللہ بھی اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی لئے صاحب کتاب نے وہی ترتیب باقی رکھی تاکہ اس کتاب کو بھی عنداللہ کافیہ کی طرح مقبولیت حاصل ہوجائے۔ صاحب کتاب کے یہ بتانے کا منشا کہ اس کی ترتیب کافیہ جیسی ہے دراصل ذہنوں میں اس کی اہمیت کو بٹھانا ہے کہ کسی بڑی چیز کی طرف انتساب بھی نسبت کردہ کی عظمت کا سبب بنتا ہے۔ بیت اللہ شریف کو کعبہ کہنے کا سبب بھی یہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جیسے کافیہ میں ترتیب یہ ہے کہ پہلے بحث اسم، اس کے بعد بحث فعل اور اس کے بعد بحث حرف ہے اسی طرح اس کتاب میں ہے اور جس طریقے سے کافیہ میں اسم کی بحث میں یہ ترتیب رکھی گئی کہ اول مرفوعات دوم منصوبات، سوم مجرورات سے بحث کی گئی اور ان کی تفصیل ہے اسی طریقہ سے اس کتاب میں اسی ترتیب کی رعایت کی گئی۔

ترتیب پر ایک اشکال

اس پر ایک اشکال یہ کیا گیا کہ جہاں تک کافیہ کا تعلق ہے اس میں بہت سے مسئلے ایسے ذکر کئے گئے جن کا ذکر سرے سے اس کتاب میں ہے ہی نہیں تو پھر ترتیب کافیہ

کی رعایت کہاں برقرار رہی۔؟

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صاحب کتاب کا مقصد یہ ہے کہ جس قدر اس مختصر کتاب میں ذکر کیا گیا اس میں ترتیب کافیہ کی رعایت کی گئی اگر کافیہ کی طرح تمام مسائل اس میں بھی اسی تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جاتے تو اس صورت میں یہ کتاب مختصر نہ رہتی۔

پھر اگر یہ اشکال کیا جائے کہ اس کتاب میں بعض مسئلے ایسے ہیں جو کافیہ کی ترتیب کے اعتبار سے مؤخر کئے گئے ہیں اور بعض مقدم ہیں تو کافیہ کی ترتیب کی رعایت کہاں باقی رہی؟

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ رعایت ترتیب سے مقصود کلی بحثوں اور اس کی اقسام میں کافیہ کی ترتیب کی رعایت ہے جزئی بحثیں اس سے مقصود نہیں۔

مبوبًا و مفصلاً۔ اصطلاحی طور پر باب کتاب کے ایسے حصے کو کہتے ہیں جس میں قواعد کلی یکجا کر دئے گئے ہوں اور فصل، کتاب کے ایک مستقل ٹکڑے کو کہا جاتا ہے۔

بعبارۃ واضحۃ۔ العبارۃ۔ یہ عبّر کا اسم ہے۔ معنی پر دلالت کرنے والے الفاظ۔ کہا جاتا ہے "فلانٌ حَسَنُ العبارۃِ" (فلاں اچھا بیان کرنے والا ہے۔)

واضحۃ۔ واضح کا مؤنث۔ ظاہر، نمایاں۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کتاب ایسی عبارت کے ساتھ مرتب کی جس میں کسی جگہ کوئی گنجلک نہیں۔ ہر بات صاف، روشن اور واضح ہے۔

صاحب کتاب نے یہ قید لگا کر یہ وہم ذہنوں سے نکال دیا کہ اس کتاب کی عبارت میں بھی عبارت کافیہ کیطرح اغلاق ہوگا۔ مگر اس سے معلوم ہوگیا کہ اس کی عبارت واضح ہے اور کہیں اغلاق نہیں۔

مع ایراد الامثلۃ۔ یعنی مثالوں کے ذریعہ مسائل اس طرح ذہن نشین کرادئے کہ کسی طرح دشواری کا سامنا نہیں۔

فی جمیع مسائلہا۔ اس جگہ حرف "فی" بمعنی لام اختصاص آیا ہے۔ جس امر کا انتساب اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا ائمہ مجتہدین کی رائے کی جانب ہو وہ شرعی اصطلاح میں مسئلہ کہلاتا ہے "مسائلہا" میں آنے والی مجرور ضمیر کے اندر متعدد احتمالات ہیں۔ ایک احتمال ان میں سے یہ ہے کہ یہ "مہمات النحو" کی جانب لوٹ رہی ہو اس صورت میں اس پر کسی طرح کا اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرا احتمال یہ کہ مختصر کی جانب لوٹ رہی ہو۔ اس صورت میں اشکال یہ پیدا ہوگا کہ مؤنث کی ضمیر مذکر کی جانب کس طرح لوٹے گی جبکہ ضابطہ یہ ہے کہ ضمیر اور جس کی جانب ضمیر لوٹ رہی ہو دونوں کے درمیان مطابقت ناگزیر ہے۔

یہ اشکال دو صورتوں میں دور ہوسکتا ہے ایک تو اس طرح کہ مختصر کی نسبت کافیہ کی جانب ہے اور اس لحاظ سے یہ مؤنث ہے۔ دوسرے اس طرح کہ ضمیر بجائے مختصر کے کافیہ کی جانب لوٹائی جائے۔

من غیر تعرض للادلۃ والعلل۔ تعرض۔ طلب کرنا۔ ایک ایک کرکے پیش کرنا۔ اصطلاحًا ادلہ اسے کہا جاتا ہے کہ

جس کی واقفیت سے دوسری چیز کی واقفیت لازم آتی ہو۔ واضح رہے کہ ادلہ جمع قلت ہونے کے باوجود یہاں برائے کثرت استعمال کی گئی ہے۔

لئلا یشوش۔ اختلاف اضطراب اسی سے ہے شَوَّشَ الامر، مخلوط کرنا، بے ترتیب کرنا یا تشوش علیہ الامر، مخلوط ہونا، گڑبڑ ہونا۔ یعنی مبتدی کا ذہن پراگندہ و پریشان ہو جائے اور وہ مسائل ہی سرے سے کما حقہٗ نہ سمجھ سکے۔ اس مصلحت کی بنار پر یہاں دلائل اور علتوں کے بیان سے پہلوتہی کی گئی ہے اور سادہ طریقہ سے مسائل ذہن نشین کرانے پر اکتفا کیا گیا۔

وَسَمَّيْتُهُ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ رَجَاءَ اَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِ الطَّالِبِيْنَ وَرَتَّبْتُهُ عَلٰى مُقَدَّمَةٍ وَّثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ وَّخَاتِمَةٍ بِتَوْفِيْقِ الْمَلِكِ الْعَزِيْزِ الْعَلَّامِ اَمَّا الْمُقَدَّمَةُ فَفِيْ مَبَادِيْ الَّتِيْ يَجِبُ تَقْدِيْمُهَا لِتَوَقُّفِ الْمَسَائِلِ عَلَيْهَا وَفِيْهَا فُصُوْلٌ ثَلٰثَةٌ

ترجمہ:۔ اور میں نے اس توقع کے ساتھ اسے ہدایۃ النحو سے موسوم کیا ہے کہ یہ طالبین کی صحیح رہنمائی کرے گا۔ اور میں نے اس کی ترتیب اس طرح رکھی کہ اس میں مقدمہ ہے اور تین قسمیں اور خاتمہ۔ اس میں اللہ عزوجل کی عطا فرمودہ توفیق شامل حال ہے۔ مقدمہ میں ایسے ابتدائی مسائل ہیں کہ جن کے جاننے پر دوسرے مسائل کا جاننا موقوف ہوتا ہے۔ اور یہ تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

تشریح: سمیتہ۔ اسم سے۔ اسم۔ نام۔ جس سے کسی شے کی ذات معلوم ہو سکے۔ جمع اسمار۔ سمیت صیغہ واحد متکلم۔ لغوی اعتبار سے النحو کے معنی ارادہ کے آتے ہیں۔ ہدایت منزل مقصود تک پہونچانیوالا راستہ۔

ورتبتہ۔ رُتبہٗ۔ ثابت کرنا۔ مرتبہ کے لحاظ سے رکھنا۔ ترتّب ترتیب وار ہونا۔ اصطلاحًا ترتیب اسے کہا جاتا ہے کہ بہت سی چیزیں اس طریقہ سے رکھی جائیں کہ سب کا نام ایک رکھا جا سکے۔

علٰی۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس جگہ علٰی بمعنی مِن ہے جو تبعیض کے لئے آتا ہے اور یہاں ذاتی واصلی معنیٰ (یعنی استعلار) مراد نہیں۔

مقدمۃ۔ اس کے ذریعہ صاحب کتاب کتاب کے پانچ اجزار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس بارے میں علمار کی مختلف رائیں ہیں کہ اجزائے کتاب کی جانب اشارہ ناگزیر ہے یا نہیں۔ بعض اسے ناگزیر قرار دیتے ہیں اور بعض صرف دائرۂ استحباب میں رکھتے ہیں۔

بتوفیق الملک العزیز العلام۔ توفق۔ کوشش کامیاب ہونا۔ توفیق پانا۔ کہتے ہیں "توافق القوم فی الامر" قوم کا

ایک دوسرے کے موافق ہونا، ایک دوسرے کے قریب ہونا، ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ استوفق۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنا۔ رتبتہ کے بعد "توفیق" صاحب کتاب کیوں لائے۔ دراصل اس کے دو سبب ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ تصنیف کا جہاں تک تعلق ہے یہ بلاشبہ بڑے امور میں سے ہے اور اس میں اغلاط کا بے حد خطرہ ہوتا ہے تو اس عظیم کام کی تکمیل اور صحیح صحیح تصنیف، نصرت خداوندی کے بغیر ممکن نہیں ۔۔۔ اسی بنا پر صاحب کتاب نے "بتوفیق الملک العزیز العلام" لانا ضروری سمجھا

دوسرا سبب یہ ہے کہ "رتبتہ" میں فعل کا انتساب اپنی طرف ہے اور فعل کا انتساب اپنی جانب کرنا انکسار و عجز و تواضع کے مطابق نہیں۔ یہ موقعہ اپنے عجز و انکسار کے اظہار کا ہے۔ اس بنا پر صاحب کتاب نے "بتوفیق الملک" کا اضافہ کیا کہ اس طرح بلاشبہ اپنے عجز کا اظہار ہو جاتا ہے۔

اما المقدمۃ۔ المقدمۃ من الجیش۔ فوج کا اگلا دستہ، ہراول۔ المقدمۃ من الکتاب۔ دیباچہ، ہر چیز کا شروع مقدمۃ الجیش اور مقدمۃ الکتاب کے درمیان مناسبت اس طرح واضح ہوتی ہے کہ مقاصد کتاب کی حیثیت لشکر کی سی ہوئی۔ لشکر کا ہراول جس طرح لشکر کے لئے مددگار و معاون ہوتا ہے اسی طرح مقدمہ کے عنوان سے ذکر کئے جانے والے امور مقاصد کتاب میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور مقدمہ میں دستور کے مطابق وہی مبادیات بیان کئے جاتے ہیں جن سے واقفیت مسائل سے واقفیت اور آئندہ کتاب میں ذکر کئے جانے والے مقاصد کے لئے ضروری ہے۔ متاخرین نے مقدمہ کی تقسیم دو قسموں پر کی ہے ایک مقدمۃ الکتاب، دوسرے مقدمۃ العلم۔ مقدمۃ العلم تو وہی کہلاتا ہے جسکی تعریف ابھی اوپر ذکر کی گئی اور مقدمۃ الکتاب اسے کہتے ہیں جو اصل مقصد سے پہلے بیان کیا جائے کیونکہ اصل مقصد اور اس کے درمیان ربط کی بنا پر اس کا بیان کرنا مقصد اصلی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

ایسے امور جن کے جاننے پر مسائل سے واقفیت کا مدار ہے اور ان کی حیثیت بنیاد کی سی ہے وہ تین ہیں۔
(۱) علم کی تعریف۔ کہ جب تک اس کی صحیح تعریف معلوم نہ ہو۔ ایک مجہول اور غیر معلوم کی طلب عیاں ہوتی ہے جو ایک عبث و ناجائز فعل ہے۔ (۲) غرض و مقصد۔ اس لئے کہ اگر ابتداء سے غرض و مقصد کا صحیح پتہ نہ چلے تب بھی ایک غیر معلوم و عبث چیز کی جستجو کا لزوم ہوگا جو بجائے خود درست نہیں۔ (۳) علم کا موضوع جب تک اصل موضوع کا علم نہ ہو تو دوسرے علوم سے اسے امتیاز حاصل نہ ہو سکے گا۔

فصل اَلنَّحْوُ عِلْمٌ بِاُصُوْلٍ یُعْرَفُ بِهَا اَحْوَالُ اَوَاخِرِ الْکَلِمِ الثَّلٰثِ مِنْ حَیْثُ الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ وَکَیْفِیَّةُ تَرْکِیْبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ وَالْغَرَضُ مِنْهُ صِیَانَةُ الذِّهْنِ عَنِ الْخَطَاِ اللَّفْظِیِّ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ وَمَوْضُوْعُهٗ اَلْکَلِمَةُ وَالْکَلَامُ

ترجمہ:۔ نحو ایسے قواعد سے واقف ہونے کا نام ہے جن کے ذریعہ اسم و فعل و حرف کے اواخر کا معرب و مبنی

ہونے کے اعتبار سے علم ہوسکے۔ اور بعض کو بعض کے ساتھ ترکیب دینے کی کیفیت معلوم ہوسکے۔ اور علم نحو کی غرض یہ ہے کہ کلام عرب میں لفظی غلطی سے محفوظ رہے اور کلمہ و کلام علم نحو کے موضوع ہیں۔

تشریح النحو۔ جانب، جہت، راستہ، مثل، مقدار، قصد و ارادہ۔ اور بطور ظرف و اسم مستعمل ہوتا ہے۔ جمع انحاء۔ علم النحو وہ علم جس میں کلمات عرب کے احوال مثل اعراب و بناء و ترکیب و افراد سے بحث کیجائے۔ اور اس علم کا نام علم نحو اس وجہ سے ہے کہ متکلم عرب کے طریقہ پر چلتا ہے۔ یعنی اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ زبان ہر قسم کی غلطیوں سے پاک صاف ہو کر اہل زبان کے ہم پلہ ہو جائے۔

وجہ تسمیہ " حیوۃ الحیوان " میں ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو الاسود دئلی سے جو کبار تابعین میں سے ہیں فرمایا کہ ہماری زبان کے قواعد مدون کر دو۔ ابو الاسودؒ نے عرض کیا کہ کس طرح ؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہر کلام یا اسم ہوتا ہے یا فعل یا حرف۔ ابو الاسود نے عرض کیا جو طریقہ زبان مبارک سے ارشاد ہوا میں اسے مدون کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ علم جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کے مطابق ہوا یہی علم نحو سے موسوم ہوا۔

علم باصول یعرف الخ صاحب کتاب کی عبارت سے اس کی نشاندہی ہو رہی ہے کہ علم النحو سے مقصود سارے مسائل کا ادراک و علم ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب کتاب نے علم کی وضاحت کرتے ہوئے " باصول " فرمایا۔

اصل کے معنی جڑ اور بنیاد کے ہیں۔ یعنی ایسی چیز جس پر کسی چیز کا قیام ہو۔ اصطلاحی اعتبار سے " اصل " ایسا قضیہ کلیہ کہلاتا ہے جس کے تحت اس موضوع سے متعلق ساری جزئیات آجائیں اور ہر جزئی پر وہ صادق آسکے۔ صاحب کتاب کا " علم باصول " سے مقصد دراصل یہ بیان کرنا ہے کہ نحو کسے کہتے ہیں اور اس کی صحیح تعریف کیا ہے " علم باصول " نحو کے لئے جنس کے درجہ و مرتبہ میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علم سے چاہے کوئی سے بھی معنی مراد لئے جائیں اس کے زمرہ میں ہر علم آجائے گا۔

یعرف بہا احوال اواخر الکلم الثلث۔ یہ قید لگانے سے علم نحو دوسرے سارے علوم سے ممتاز ہوگیا۔ یعرف بہا احوال، کی قید سے مثلاً علم حدیث و فقہ وغیرہ نکل گئے کہ ان میں کلمہ کے احوال سے بحث نہیں ہوتی۔ اور اواخر کی قید سے علم بیان و بدیع و علم المعانی وغیرہ نکل گئے۔ علاوہ ازیں جو علوم " اواخر " کی تعریف میں کلمہ کے ساتھ تھے اور اسی زمرہ میں آتے تھے وہ " من حیث الاعراب والبناء " کی قید سے نکل گئے کہ ان سے اگرچہ تینوں کلموں کے آخر کی حالت کا علم ہوتا ہے مگر یہ بلحاظ معرب و مبنی شناخت نہیں ہوتی۔ اور علم النحو کا جہاں تک تعلق ہے اس میں معرب و مبنی ہونے کی حیثیت سے واقفیت کی شرط و قید موجود ہے۔ پھر صاحب کتاب کے " کیفیۃ ترکیب " کی قید لگانے سے علم الہندسہ، علم الہیئت جو علم نحو کی تعریف میں شریک نظر آتے تھے نکل گئے۔

یُعَرِّفُ کا دو طرح استعمال یعرف کو دو طرح سے پڑھنا درست ہے۔ معروف بھی پڑھ سکتے ہیں اور مجہول بھی۔ معروف پڑھنے کی صورت میں کہا جائے گا کہ اس میں ضمیر ہے جو "المبتدی" کی جانب لوٹ رہی ہے۔ اور مجہول پڑھنے کی شکل میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یعرف" میں ضمیر پوشیدہ ہے اور "احوال" پر اس کے مفعول مالم یسم فاعلہ ہونے کے باعث رفع آئے گا۔ اور "کیفیۃ" کا عطف احوال پر ہوگا۔ احوال پر نصب پڑھا گیا تو اس پر بھی نصب آئے گا اور احوال پر رفع آئے گا تو اس پر بھی رفع آجائے گا۔

علم نحو کی تعریف پر اشکال علم نحو کی ذکر کردہ تعریف پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ ایسے بہت سے مبتدیوں کا مشاہدہ کیا گیا جن میں علم نحو پڑھنے کے باوجود یہ استعداد پیدا نہیں ہوتی کہ وہ تینوں کلموں کے اواخر کے احوال سے کما حقہ واقف ہوسکیں اور صحیح صحیح شناخت کرسکیں۔ اس اعتبار سے علم نحو کی مذکورہ تعریف درست نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں لفظ "استحضار" پوشیدہ ہے۔ یعنی وہ مبتدی جو اصول نحو محفوظ کئے ہوئے ہو اس کے لئے کلمہ ثلثہ کے اواخر کا حال دریافت کرلینا قطعاً دشوار نہیں ہے۔ اس قید سے وہ اشکال جاتا رہا جو نحو کی ذکر کردہ تعریف پر کیا جارہا تھا۔

ایک اور اشکال یہ کیا گیا کہ اس تعریف کے زمرے میں سارے افراد نہیں آتے اور یہ تعریف حقیقتاً کل افراد پر حاوی نہیں۔ اسلئے کہ احوال سے مقصود یا سارے احوال ہوں جیسے کہ اضافت سے اس کی نشاندہی ہورہی ہے یا بعض معین افراد مقصود ہونگے یا کچھ غیر معین اور احوال کے غیر محدود ہونے کے باعث ان میں سے کوئی سی بھی تعریف درست نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ فی الحقیقت مقصود سارے احوال ہیں اور معرفت سے مقصود اخذ کا ملکہ اور قوت استخراج ہے یعنی علم النحو اُن قواعد وضوابط کے ادراک کو کہا جاتا ہے جن کے مسلسل استعمال ومداومت سے ایسی استعداد پیدا ہو کہ ہر حال کے استخراج واستنباط پر کامل طریقہ سے قادر ہوجائے اور اس استعداد پیدا شدہ کے ذریعہ ہر حالت کو بآسانی پہچان سکے۔

والغرض منہ۔ الغرض۔ مطلوب، حاجت، قصد۔ کہا جاتا ہے "فہمت غرضک" (میں نے تیرا قصد سمجھ لیا) اصطلاح میں غرض اسے کہتے ہیں جس کے باعث فاعل سے ظہور فعل ہوتا ہے۔

صیانتہ۔ حفاظت کرنا۔ کہتے ہیں "صان الثوب او العرض" (کپڑے یا آبرو کو عیب لگانے والی چیزوں سے محفوظ رکھا) یہاں صیانتہ مصدر اور اللفظی صفتِ اول اور "فی کلام العرب" صفت ثانی ہے۔

اللفظی، کی قید کے ساتھ وہ سارے علوم جو صیانتِ ذہن میں علم النحو کے شریک تھے مگر وہ لفظی غلطی سے نہیں بچاسکتے، خود بخود نکل گئے۔

واضح رہے کہ "صیانت" بجانب فاعل مضاف ہونے پر "الذہن" کا الف لام مضاف الیہ کا بدل شمار ہوگا

اور صیانت کی اضافت بجانب مفعول ماننے کی صورت میں فاعل "مبتدی" قرار پائے گا۔

وموضوعہ۔ ہر علم کا موضوع وہ کہلاتا ہے جس میں اس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے جیسے علم طب میں جسم انسانی من حیث الصحۃ والمرض۔ موضوع الکلام۔ گفتگو کا مرکزی نقطہ جس پر کلام جاری ہو۔

فَصْلٌ اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ لِاَنَّهَا اِمَّا اَنْ لَا تَدُلَّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وَهُوَ الْحَرْفُ اَوْتَدُلَّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وَيَقْتَرِنَ مَعْنَاهَا بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ وَهُوَ الْفِعْلُ اَوْتَدُلَّ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهَا وَلَمْ يَقْتَرِنْ مَعْنَاهَا بِهٖ وَهُوَ الْاِسْمُ۔

ترجمہ :۔ کلمہ وہ لفظ کہلاتا ہے جو معنی مفرد کے لئے بنایا گیا ہو۔ اس کی تین ہی قسمیں ہیں (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف۔ اسواسطے کہ کلمہ یا تو ایسا ہوگا کہ اس سے اس کے معنی کی نشاندہی بذات خود نہ ہوتی ہو۔ ایسا کلمہ حرف کہلاتا ہے۔ یا ایسا کلمہ ہوگا کہ اس سے اس کے ذاتی معنی کا پتہ چلتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی سا زمانہ بھی اس سے معلوم ہوتا ہو۔ یہ کلمہ فعل کہا جاتا ہے۔ یا ایسا کلمہ ہوگا کہ اس سے اس کے ذاتی معنی کی نشاندہی تو ہوتی ہو مگر اس کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کوئی سا زمانہ نہ ہو۔ یہ کلمہ اسم کہلاتا ہے۔

تشریح الکلمۃ۔ وہ مفرد یا مرکب لفظ جو انسان بولے۔ جمع کلمات۔ اسی سے ہے کلمۃ التوحید یعنی "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ کلمۃ التقویٰ۔ یعنی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ الکلمۃ وکلمۃ اللہ۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب۔ کلمہ کا اطلاق خطبہ اور قصیدہ پر بھی ہوتا ہے۔

اللفظ۔ یہ دراصل مصدر ہے اس کے معنی ہیں ڈالنا۔ اور نحویوں کی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں ملفوظ پھینکا ہوا۔ بولے گئے الفاظ۔ یعنی وہ جس کا انسان تلفظ کرے خواہ حقیقتاً جیسے "زید" یا حکماً تلفظ ہو جیسے مقدر و پوشیدہ لفظ مثلاً "اِضْرِبْ" اسلئے کہ ضابطہ یہ ہے کہ یہ پوشیدہ لفظ اگر محکوم علیہ اور مؤکد اور معطوف علیہ ہو تو وہ ملفوظ حقیقی کے حکم میں ہوتا ہے۔

وضع۔ کے معنی ہیں تخصیص۔ یعنی وہ چیز جس سے کسی چیز یا معنی کا ارادہ کیا جائے اور مفرد یا تو اس بنا پر مجرور ہے کہ یہ صفت کے معنی میں آرہا ہے یا یہ مرفوع صفت ہونے کے باعث ہے۔

ایک اشکال ترکیب کے اعتبار سے الکلمۃ مبتدا واقع ہو رہا ہے اور لفظ "الکلمۃ" کی خبر۔ مگر یہاں یہ اشکال کیا گیا کہ مبتدا و خبر میں باہم مذکر و مؤنث ہونے کے اعتبار سے موافقت ناگزیر ہے جو اس

جگہ موجود نہیں۔

اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذکر و مؤنث ہونے کے لحاظ سے موافقت خبر کے مشتق ہونے کی صورت میں ناگزیر ہے۔ نیز یہ کہ اس میں اس طرح کی ضمیر موجود ہو جو بجانبِ مبتدا لوٹ رہی ہو۔

وضع کے اصطلاحی معنیٰ ازروئے اصطلاح وضع کہتے ہیں ایک چیز کو دوسری کے ساتھ اس طرح مخصوص کرنا کہ پہلی چیز کے اطلاق یا محسوس کرنے کے ساتھ خود بخود دوسری چیز سمجھ میں آئے اور محسوس ہو۔ وضع و تخصیص کی قید لگانے سے تعریفِ کلمہ سے مہملات خود بخود نکل گئے کیونکہ وہ ذکر کردہ تعریف سے خالی ہیں۔ پھر معنیٰ کی قید سامنے آئی تو اس قید کے باعث الف، با، وغیرہ حروف ہجار کلمہ کی تعریف کے زمرہ سے نکل گئے کیونکہ ان کی وضع محض ترکیب کی خاطر ہوئی ہے، برائے معنی نہیں۔

دہی منحصرۃ ۔ یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ضمیر "ہی" کلمہ کے مفہوم کی طرف لوٹ رہی ہے یا لفظ کلمہ کی جانب اور دونوں شکلیں نادرست ہیں۔ ایک تو اس بنا پر کہ لفظ کلمہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ خود اسم ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ کلمہ یعنی اسم کی تقسیم اسم فعل و حرف کی جانب کی گئی یعنی ایک چیز کی تقسیم اپنی جانب اور دوسری جانب ہوئی جس کا باطل و کالعدم ہونا ظاہر ہے۔ دوسری صورت کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مفہوم کلمہ دیکھا جائے تو وہ مذکر اور اس کے مقابلہ میں ضمیر مونث۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ ضمیرِ مذکر، مؤنث کی جانب نہیں لوٹا کرتی اس لئے کہ ضمیر اور اس کے مرجع میں توافق ناگزیر ہے اور اس جگہ توافق فوت ہو رہا ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا کہ "ہی" کا مرجع لفظ کلمہ قرار دینا یہ محض مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ اور ذکر کردہ قباحت کا لزوم اس وقت ہوتا ہے جبکہ مرجع ضمیر محض لفظ ہو یا معنی۔ اور کلمہ کا مفہوم مرجع قرار دینے کی صورت میں مذکورہ بالا اشکال لازم نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ ضمیر مؤنث لانا تو لفظ کلمہ کی رعایت کے باعث ہے اور تقسیم کا جہاں تک معاملہ ہے اسمیں کلمہ کے معنی ملحوظ رکھے گئے۔

اسم ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے اسم کو فعل اور حرف پر مقدم کرنے اور ان دونوں سے پہلے لانے کا کیا سبب ہے۔ تو اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ اسم فائدہ رسانی میں اپنی جگہ مستقل اور مکمل ہے اسے فائدہ رسانی کی خاطر فعل یا حرف کی ضرورت نہیں اور زیادہ صحیح قول کے مطابق فعل سے اس کا اشتقاق بھی نہیں۔ اس کے برعکس فعل بذات خود افادہ میں مکمل نہیں بلکہ اسے اس کے لئے اسم کی ضرورت پڑتی ہے اس بنیاد پر اسم کو اصل قرار دینا اور فعل کو اس کی فرع کہنا درست ہوگا۔ قاعدہ کے مطابق اصل کی تقدیم فرع پر بہر حال ہوتی ہے پس صاحب کتاب کے اسم کو فعل سے پہلے لانے پر کوئی اشکال نہیں۔ پھر اسم کے بعد بجائے حرف کے فعل کو لانے کا سبب یہ ہے کہ فعل کو فائدہ پہونچانے میں حرف کی احتیاج نہیں اس کے بغیر بھی اس کا افادہ ثابت ہے۔ اور جہاں تک حرف کا تعلق ہے اسے اسم کی بھی احتیاج ہوتی ہے اور فعل کی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حرف آخر میں لایا گیا اور اسم و فعل کو اس سے مقدم کر دیا گیا۔

تین قسموں میں منحصر ہونے کی دلیل لانہا اما ان لا تدل الخ۔ صاحب کتاب کیونکہ یہ دعوی کر چکے کہ مفہوم

کلمہ کی تین ہی قسمیں ہوسکتی ہیں اور دعوے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل پیش کی جائے تو صاحب کتاب یہاں سے دلیل انحصار پیش کرتے ہیں کہ کلمہ کی ایک قسم تو وہ ہے جس سے اس کے معنی کی بالاستقلال نشاندہی نہ ہوتی ہو اور اسے دوسرے کے تعاون کی احتیاج ہو تو ایسا کلمہ حرف کہلاتا ہے۔

صاحب کتاب نے کلمہ کی اقسام بیان کرتے ہوئے حرف کا ذکر سب سے آخر میں کیا تھا اور حد کی تفصیل کرتے ہوئے اس کا ذکر سب سے پہلے کیا۔ اس کے کئی سبب ہیں۔ ایک تو یہ باعتبار لغت معنی حرف کے کنارہ وجانب کے آتے ہیں تو صاحب کتاب نے ایک بار حرف کا ذکر شروع میں اور ایک بار آخر میں کیا۔ اقسام بیان کرتے وقت اخیر میں ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مرتبہ کے اسم وفعل سے مؤخر ہونے کا پتہ چل جائے۔ اور حصر کے وقت اسے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ نفس معنیٰ پر اس کے ذریعہ نشاندہی نہ ہونے کے باعث اس کی حیثیت عدمی کی ہے اور عدم وجود سے پہلے ہوتا ہے۔ یا اسے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ کلمہ کی اس قسم کی تقسیم نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اسم وفعل کہ ان کی تقسیم بجانب اقتران وعدم اقتران ہوتی ہے

اوتدل علی معنیً۔ یہاں صاحب کتاب نے فعل کی تعریف کی۔ اس جگہ صاحب کتاب اسم سے پہلے فعل لائے اور بوقت تقسیم فعل کا ذکر اسم کے بعد کیا تھا۔ اس کا سبب دراصل یہ بتانا ہے کہ فعل اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اس لائق ہے کہ اسے اسم کے بعد ہی لایا جائے اور اسے اسم پر مقدم نہ کیا جائے۔

فَحَدُّ الْاِسْمِ كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِىْ نَفْسِهَا غَيْرُ مُقْتَرِنٍ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ اَعْنِى الْمَاضِىَ وَالْحَالَ وَالْاِسْتِقْبَالَ كَرَجُلٍ وَعِلْمٍ وَعَلَامَتُهٗ صِحَّةُ الْاِخْبَارِ عَنْهُ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَالْاِضَافَةُ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ وَدُخُوْلُ لَامِ التَّعْرِيْفِ كَالرَّجُلِ وَالْجَرِّ وَالتَّنْوِيْنِ نَحْوُ بِزَيْدٍ وَالتَّثْنِيَةُ وَالْجَمْعُ وَالنَّعْتُ وَالتَّصْغِيْرُ وَالنِّدَاءُ فَاِنَّ كُلَّ هٰذِهٖ خَوَاصُّ الْاِسْمِ وَمَعْنَى الْاِخْبَارِ عَنْهُ اَنْ يَكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهِ لِكَوْنِهٖ فَاعِلًا اَوْ مَفْعُوْلًا اَوْ مُبْتَدَاً وَيُسَمّٰى اِسْمًا لِسُمُوِّهٖ عَلٰى قَسِيْمَيْهِ لَا لِكَوْنِهٖ وَسْمًا عَلَى الْمَعْنٰى۔

ترجمہ:۔ تو اسم وہ کلمہ کہلاتا ہے جس سے اس کے ذاتی معنیٰ کی نشاندہی ہوتی ہو اور معنیٰ کے ساتھ تینوں زمانوں یعنی ماضی حال واستقبال میں سے کوئی سا بھی زمانہ نہ پایا جائے۔ مثلاً رجل، اور علم۔ اور علامتِ اسم یہ ہے کہ اس کے ذریعہ خبر دینا درست ہو مثلاً "زید قائم"۔ اور اضافت اسم کی علامت ہے مثلاً "غلام زید" اور اس پر لام تعریف کا آنا مثلاً "الرجل" اور کسرہ و تنوین کا آنا مثلاً "بزیدٍ"، اور اس کا تثنیہ اور جمع ہونا اور صفت اور تصغیر اور ندا یہ سب اسم کے ساتھ خاص ہیں اور

معنی اخبار عنہ یہ ہیں کہ اسے محکوم علیہ قرار دیا جائے کیونکہ وہ یا فاعل ہوگا یا مفعول یا مبتدا ہوگا اور اسم کا نام اسم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فعل و حرف سے (بلحاظ مرتبہ) بلند ہے اس کے معنی پر علامت ہونے کی وجہ سے یہ نام نہیں رکھا گیا۔

تشریح

فحد الاسم کلمۃ۔ دلیل حصر سے فارغ ہو کر اب صاحب کتاب تعریف اسم و فعل و حرف میں سے ہر ایک کی تعریف کر رہے ہیں۔ اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ تعریف تو دلیل حصر سے پہلے ہونی چاہیئے تھی اور دلیل حصر اس سے موخر ہوتی۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دلیل حصر پر تعریف کو مقدم کرنا اس صورت میں ناگزیر ہوتا ہے جبکہ دلیل حصر کے ذیل میں ان میں سے ہر ایک کی حدِ تعریف نہ آتی ہو اور یہاں دلیل حصر کے ضمن میں ان تینوں یعنی اسم و فعل و حرف کی تعریف بھی آگئی اس بنا پر یہ درست ہے، باعتبار لغت کے حَد کے معنی روکنے کے آتے ہیں اہل عرب کی اصطلاح میں جامع مانع معرف کا نام حد ہے۔

تدل علیٰ معنیً۔ یہاں صاحب کتاب اسم کی تعریف کر رہے ہیں اس میں " فی نفسہا " پر یہ اشکال کیا گیا کہ اس جگہ " فی " لانا موزوں نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کلمہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ برائے معنیٰ ظرف نہیں اور " فی " ظرفیت کو مقتضی ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں پر " فی " با کے معنی میں ہے اور با رکے معنی میں ہونے کے باوجود " فی " لانے کا سبب یہ ہے کہ کلمہ سے جب ایسے معنی کی نشاندہی ہو رہی ہو جو کلمہ کی ذات میں موجود ہوں اور اس کے لئے اسے دوسرے کلمہ کو لانے کی ضرورت نہ ہو تو ایک اعتبار سے کلمہ معنی کو محیط شمار ہوگا۔ ٹھیک اس طرح جس طرح ظرف مظروف پر محیط ہوتا ہے البتہ اس معنی کے ساتھ کوئی سا زمانہ ماضی، حال یا استقبال لگا ہوا نہ ہو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے اسم کی تعریف میں جو " تدل علیٰ معنیً فی نفسہا " کہا ہے اس قید سے جس طرح حرف اس کی تعریف سے نکل جاتا ہے اسی طرح فعل بھی اس قید کے ذریعہ نکل جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس جگہ مطلقاً دلالت پائی جارہی ہے اور مطلق سے قاعدہ کے مطابق فرد کامل مقصود ہوا کرتا ہے تو یہاں دلالت مطابق مقصود ہوتے ہوئے یہ معنیٰ اسم مراد لئے جائیں گے کہ اسم ایسا کلمہ کہلاتا ہے جس سے مستقل معنیٰ کی مطابقتاً نشاندہی کرے اور فعل سے کیونکہ مستقل معنی کی مطابقتاً نشاندہی نہیں ہوتی تو اس کے متعلق کہا جائیگا کہ " تدل علیٰ معنیً فی نفسہا " کی قید کے باعث نکل گیا تو اب اسم کی تعریف کرتے ہوئے کسی اور قید کا اضافہ بے سود ہوگا۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں یہ صحیح ہے کہ اسم کی تعریف میں جو پہلی قید ہے اس سے فعل التزاماً نکل جاتا ہے مگر اندرین تعریفات دلالت تضمنی و التزامی معتبر نہ ہونے کے باعث یہ دوسری قید بڑھانے کی ضرورت پڑی تاکہ فعل اس تعریف

سے صریح اور واضح طور پر نکل جائے۔

غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ۔ یعنی کلمہ کے تلفظ کے وقت جب اس کے معنی مفہوم ہوں تو اس سے کوئی سا بھی زمانہ سمجھ میں نہ آئے۔ اس تفصیل سے اسم کی تعریف کا جامع و مانع ہونا وضاحت کے ساتھ واضح ہو گیا۔

ہاں کوئی "فوق، تحت" وغیرہ پر یہ اشکال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کہ انھیں اگرچہ اسماء کہا جاتا ہے مگر حقیقتاً یہ اسم کی تعریف پر پورے نہیں اترتے اسلئے کہ جس وقت تک ان کے مضاف الیہ کا ذکر نہ ہو اس وقت تک ان کے معنی کی نشاندہی نہیں ہوتی تو گویا انھیں اس میں دوسرے کے ملانے کی احتیاج پیش آئی تو اس طرح تعریف میں جامعیت برقرار نہ رہی۔

اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان اسماء کا اپنی وضع کے لحاظ سے مستقل مفہوم ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ استعمال کا جہاں تک تعلق ہے اس میں انھیں اضافت کی احتیاج ہوتی ہے۔ مگر کیونکہ اسی طریقہ کا استعمال عادتاً ہو گیا لہٰذا درست ہے اور کہا جائے گا کہ ان کا غیر مستقل ہونا وضع کے اعتبار سے نہیں بلکہ صرف بلحاظ استعمال ہے۔

وعلامتہ الخ یعنی جو کلمہ اس طرح کا ہو کہ اس میں مسند الیہ بننے کی بھی صلاحیت ہو اور مسند بننے کی بھی تو اسے اسم کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "زید قائم" کہ یہاں زیدٌ اور قائمٌ دونوں اسم ہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک میں مسند و مسند الیہ ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس طرح کا کلمہ اسم نہیں ہو سکتا جس میں مسند اور مسند الیہ ہونے کی صلاحیت موجود نہ ہو اگر صرف مسند ہو سکتا ہو اور مسند الیہ نہ ہو سکتا ہو تو اسے اسم نہیں کہا جائیگا۔ رہی یہ بات کہ اسم کے لئے مسند اور مسند الیہ ہونے کی صلاحیت کی قید کیوں ہے اور اسے خاصۂ اسم کیوں قرار دیا گیا تو دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ بذریعہ اسم مستقل معنی کو بتاتا ہے اور اسے کسی دوسرے کی مدد کی احتیاج نہیں ہوتی اور فعل و حرف کا جہاں تک معاملہ ہے ان میں یہ بات نہیں۔

والاضافۃ۔ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ اضافت یہ اسم کی خصوصیت ہے کیونکہ برائے اضافت تخصیص تخفیف و تعریف ناگزیر ہے اور یہ تینوں خصوصیاتِ اسم میں سے ہیں۔ اس بارے میں مختلف رائیں ہیں کہ اسم کی خصوصیات میں مضاف الیہ ہونا بھی شمار ہوتا ہے یا محض مضاف ہونا اس کی خصوصیت ہے۔ بعض کے نزدیک محض مضاف ہونا ہی حرف جر کی تقدیر کے ساتھ خصوصیاتِ اسم میں سے ہے اور اس تعریف پر فعل کے بھی مضاف ہونے سے کوئی اشکال وارد نہ ہوگا۔ کیونکہ اسم کے مضاف ہونے میں حرف جر کی تقدیر کی شرط ہے اور فعل میں یہ شرط نہیں۔ بعض بتقدیر حرف جر مضاف اور مضاف الیہ ہونے کو خاصۂ اسم قرار دیتے ہیں۔

ودخول لام التعریف۔ علاماتِ اسم میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس پر لام تعریف آتا ہے کیونکہ اس سے مستقل کے معنی مطابقی کے معین ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس معنی کا وجود اسم کے علاوہ اور کسی میں نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ معنی حرف تو مستقل ہی نہیں ہوتے کہ اسے دوسرے کی اعانت کی احتیاج نہ ہو۔ اور رہا فعل تو اگرچہ مستقل معنیٰ اس سے ضرور سمجھ میں آتے ہیں مگر اس میں مطابقی معنیٰ کے بجائے تضمنی ہوتے ہیں

"دخول لام التعریف" کہنے کا سبب

اس جگہ یہ بات قابل غور ہے کہ صاحب کتاب کے "دخول لام التعریف" کہنے اور "دخول الف التعریف" نہ کہنے کا کیا سبب ہے ؟

اس سے اس بات کی جانب اشارہ کا ارادہ کیا گیا کہ ان کے نزدیک علامہ سیبویہ کا مسلک راجح وپسندیدہ ہے ان کا مسلک یہ ہے کہ حرفِ تعریف دراصل بنیادی طور پر لام ہے ہمزہ اسواسطے لائے کہ ابتدا بالسکون دشوار تھی ۔

والجر ۔ یہ لام تعریف پر معطوف ہے ۔ حرف جر کا داخل ہونا یہ بھی اسم کی خصوصیات میں سے ہے ۔ اس کے خاصۂ اسم ہونے کا سبب یہ ہے کہ حرف جر کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ اس کے ذریعہ فعل کے معنی اسم تک پہنچ جائیں پس اس کا اسم پر آنا ہی موزوں ہے ۔

والتنوین ۔ اسم کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس پر تنوین آتی ہے ۔ تنوین پانچ قسموں پر مشتمل ہے :۔
(۱) تنوینِ ترنم (۲) تنوینِ عوض (۳) تنوینِ تمکن (۴) تنوینِ تنکیر (۵) تنوین مقابلہ ۔ ان پانچ قسموں میں سے محض تنوین ترنم ایسی ہے جو فعل پر بھی آتی ہے اور اس کے علاوہ باقی چار قسمیں اسم ہی کے ساتھ خاص ہیں ۔

صاحب کتاب نے اس سے قطع نظر کہ تنوین ترنم فعل پر بھی آتی ہے 'للاکثر حکم الکل' کے مطابق تنوین کی ساری قسموں کو اسم کے خواص میں شمار کیا ۔

والتثنیۃ والجمع ۔ ان دونوں کو بھی اسم کے خواص میں شمار کیا گیا ۔ تثنیہ اور جمع میں تغائر ہوا کرتا ہے جس کا حاصل تعدد کا لزوم ہے اور فعل وحرف میں اس طرح کا تغایر نہیں ہوتا ۔ اور تثنیہ وجمع ہونا اسم کے خواص میں سے قرار دیا گیا ۔ جہاں تک فعل کے تثنیہ اور جمع ہونے کا تعلق ہے وہ دراصل اسم ہی کی جانب لوٹتا ہے یعنی بجانب فاعل ۔

والنعت ۔ اسم کی علامات وخصوصیات میں سے صفت ہونا بھی ہے ۔ اس لئے کہ کسی چیز کے صفت ہونے سے اس کے ذریعہ زائد معنی کی نشاندہی ہوتی ہے اور فعل اضافہ قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کی بنا پر صفت نہیں ہو سکتا ۔

والتصغیر ۔ تصغیر سے بھی کسی چیز کی تحقیر کی نشاندہی ہوتی ہے اور فعل وحرف میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی تو تصغیر بھی اسم کی علامت قرار پائی ۔

والنداء ۔ کسی چیز کا منادیٰ ہونا حرفِ ندا کے اثر کے باعث ہوتا ہے اور جہاں تک حرفِ ندا کا تعلق ہے وہ خاصۂ اسم ہے تو یہ ناگزیر ہوا کہ اس کے اثر کو بھی خاصۂ اسم شمار کیا جائے ۔

فان کل ہٰذہ ۔ ان مذکورہ چیزوں کا جب علاماتِ اسم ہونا واضح ہو گیا تو ان چیزوں کے اسم کے خواص میں ہونے کا بھی علم ہوا ۔

صاحب کتاب کے اس قول پر یہ اشکال کیا گیا کہ صاحب کتاب کے اس قول میں تکرار ہے ۔ جب علامت کہہ کر اسم کے خواص میں سے ہونے کا علم ہو گیا تھا تو دوبارہ اس قول کی کیا ضرورت تھی ۔

اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ سابق علم ضمنی طور پر ہوا تھا ۔ صاحب کتاب کو یہ خیال ہوا کہ جو بات ضمنی طور پر معلوم

ہوئی وہ وضاحت کے ساتھ بھی بیان ہو جائے تو یہ ان طلبار کے لئے مفید ہوگی جو بات کی وضاحت کے بغیر اس کی تہ تک نہیں پہنچتے۔ تو یہ دوبارہ لانا بے فائدہ نہ ہوا۔

ایک اشکال کا جواب | ومعنی الاخبار عنہ۔ اس جگہ اشکال یہ کیا گیا کہ اسم کے متعدد خواص کے ہوتے ہوئے ان سب کو چھوڑ کر محض "اخبار عنہ" کے معنیٰ بیان کرنے کا کیا سبب ہے۔؟

بعض نے اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ دوسرے خواص کا جہاں تک معاملہ ہے ان کے معنی بالکل عیاں تھے اس لئے ان کے معنی بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور اس کے معنی مبہم ہونے کی بنار پر ذکر کر دیئے گئے۔

ویسمی اسمًا لسموہ علیٰ قسیمیہ۔ صاحب کتاب کے نزدیک بصری نحویوں کا قول راجح ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اسم کا یہ نام رکھے جانے کا سبب یہ ہے کہ اس کا مقام فعل وحرف سے اونچا ہے۔ اس کا یہ نام رکھے جانے کا سبب یہ نہیں کہ وہ اپنے معنی کی علامت ہوا کرتا ہے اور اس کی نشاندہی کیا کرتا ہے۔

وحدُّ الفِعلِ كلمةٌ تدلُّ علىٰ معنًى في نفسِها دلالةً مقترنةً بزمانٍ ذٰلكَ المعنىٰ كضَرَبَ يَضْرِبُ اِضْرِبْ. وعلامتُهُ ان يصِحَّ الاخبارُ بهٖ لا عنهُ ودخولُ قد والسّين وسوفَ والجزمِ والتصريفُ الى الماضى والمضارِعِ وكونُهٗ امرًا او نهيًا واتِّصالُ الضمائِرِ البارِزَةِ المَرفوعَةِ نحوضربتُ وتاءِ التانيثِ السَّاكنةِ نحوضَربَتْ ونونَي التاكيدِ فانَّ كُلَّ هٰذهٖ خواصُّ الفِعْلِ وَمعنى الاخبارِ بهٖ ان يكون محكومًا به ويُسمّٰى فعلًا باسمِ اصْلِهٖ وَهُو المَصْدرُ لانَّ المَصْدَرَ هو فعلُ الفاعلِ حقيقةً۔

ترجمہ:۔ فعل کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا کلمہ کہلاتا ہے جو اپنی ذات میں موجود معنیٰ کی نشاندہی کرے اور معنی فعل کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی سا زمانہ بھی لگا ہوا ہو۔ مثلاً ضرب، یضربُ۔ اِضرِبْ۔ علامت فعل یہ قرار دی گئی کہ اس کے ساتھ اطلاع دینا صحیح ہو اور اس سے صحیح نہ ہو۔ اسی طرح اس کی علامت قَد، اور سین اور سوف اور جزم کا اس پر داخل ہونا اور بجانب ماضی ومضارع اس کی گردان اور اسی طرح اس کا امر ہونا یا نہی ہونا اور ضمائر بارزہ مرفوعہ کا اس کے ساتھ لاحق ہونا مثلاً ضربتُ، اور اسی طرح تائے تانیث ساکنہ کا اس کے ساتھ الحاق مثلاً ضربتْ اور نونِ ثقیلہ اور خفیفہ کا اس کے ساتھ آنا یہ تمام فعل کے خواص شمار ہوتے ہیں اور معنی اخبار بہ دراصل محکوم بہ ہیں اور فعل کا یہ نام اس کی اصل یعنی مصدر کے اعتبار سے رکھا جاتا ہے کیونکہ مصدر دراصل فاعل کا فعل ہوا کرتا ہے۔

تشریح دلالۃ مقترنۃ بزمان ۔ یعنی فعل وہ کلمہ کہلائے گا جو اپنے معنی کو بتائے اور اس کے ساتھ ماضی یا حال، استقبال لگا ہوا ہو ۔ زمانہ کی قید کے باعث فعل کی تعریف اسم سے ممتاز ہو گئی اسلئے کہ اسم سے مستقل معنی کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ کوئی سا زمانہ نہیں ہوتا ۔

فعل کی اس تعریف پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس تعریف کی رُو سے مضارع فعل ہونے سے نکل گیا اسلئے کہ فی نفسہ اپنے معنی بتلانے کے باوجود اس میں صرف ایک زمانہ نہیں پایا جاتا بلکہ دو زمانے پائے جاتے ہیں ۔

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا کہ جب اس میں دو زمانے پائے جائیں گے تو ضمناً ایک زمانہ ضرور پایا جائے گا ۔ پس فعل کی یہ تعریف اس کے سارے افراد کو جامع ہے اور اس تعریف کے زمرہ سے مضارع نہیں نکلتا ۔

ان یصح الاخبار بہ ۔ یعنی ایسا کلمہ جس میں صرف مسند بننے کی صلاحیت ہو اور وہ مسند الیہ نہ بن سکتا ہو تو اسے فعل قرار دینگے اور اس طرح کا کلمہ جس میں مسند بننے کی بھی اہلیت ہو اور وہ مسند الیہ بھی بن سکتا ہو وہ اسم قرار دیا جائے گا ۔

و دخول قد ۔ فعل کی علامات میں سے ایک علامت اس پر " قد " کا آنا ہے ۔ اس کے ذریعہ ماضی حال سے نزدیک ہو جاتا ہے اور یہ مضارع پر آتا ہے تو تحقیق اور تقلیل کے معنی پیدا کرتا ہے ۔

والسین وسوف ۔ سین اور سوف فعل پر ہی آتے ہیں اور اس کی علامات میں سے شمار ہوتے ہیں کیونکہ یہ دونوں استقبال وضعی کی نشاندہی کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور اس استقبال وضعی کا وجود فعل میں ہی ہوا کرتا ہے اس بنار پر فعل ہی پر آنا ان کی خصوصیت ہو گئی ۔

یہاں ایک سوال یہ کیا گیا کہ صاحب کتاب کے " السین " کو معرف باللام ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے ۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس پر آنے والا لام عہد کا ہے اور استقبال کا سین ہی اس کا معہود شمار ہوتا ہے ۔ اگر لام کے بغیر محض سین کہا جاتا تو اس میں تعمیم ہوتی اور یہ سمجھا جاتا کہ چاہے یہ سین سکتہ کا ، چاہے استفعال کا ہو اور چاہے یہ سین استقبال کا ہی ہو جبکہ یہ دوسرے سین علامت فعل قرار نہیں دئے جاتے اور علامت فعل ہونا استقبال کے سین کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اس بنا پر یہ لازم ہوا کہ سین پر لام عہد لا کر اس سے یہ مخصوص سین مراد لیں تاکہ تعمیم کا اشکال پیدا نہ ہو اور سکتہ و استفعال کے سین اس کے زمرہ میں نہ آئیں ۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوا کہ سین کو پہلے اور سوف کو بعد میں لانے کا کیا سبب ہے ، جبکہ دونوں ہی کا شمار علامت فعل میں ہوتا ہے اس کے برعکس لانے میں کیا قباحت تھی ۔ ؟

اس کا سبب یہ ہے کہ سین مستقبل قریب کی نشاندہی کرتا ہے اور سوف سے مستقبل بعید کی نشان دہی ہوتی ہے اور قریب کی نشاندہی کرنے والے کو پہلے بیان کرنا بہتر ہے اسوجہ سے سین کو سوف سے پہلے لائے ۔

والجزم ۔ فعل کی علامات میں سے جزم کا آنا بھی ہے ۔ رہی یہ بات کہ حروف جزم صرف فعل ہی پر کیوں آتے ہیں اور اس کے ساتھ ان کے خاص ہونے کی کیا وجہ ہے ۔

تو اس کا سبب یہ ہے کہ حروفِ جزم یا برائے نفی فعل وضع کئے جاتے ہیں مثلاً لم ولما یا برائے طلب فعل مثلاً لائے نہی اور لام امر یا کوئی چیز معلق علی الفعل کرنے کی خاطر مثلاً حروف شرط۔

والتصریف الی الماضی والمضارع۔ بجانب ماضی ومضارع تصریف یہ بھی فعل کی علامات میں سے ہے۔ اس لئے کہ بجانب ماضی ومضارع اس کی تقسیم بلحاظِ زمانہ ہوتی ہے اور تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کا وجود فعل میں ہوا کرتا ہے اس کے علاوہ میں نہیں تو بجانب ماضی ومضارع منقسم ہونے کو بھی فعل کے خواص میں سے قرار دیا جائیگا۔

ایک اشکال اس تعریف پر یہ اشکال کیا گیا کہ صاحب کتاب کو اس طرح کہنا موزوں تھا "التصرف من الماضی الی المضارع" یعنی فعل کے خواص میں سے یہ ہے کہ بجانب مضارع ماضی سے متصرف ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ماضی کی جانب متصرف ہونے والا کوئی کلمہ نہیں پایا جاتا۔ مذکورہ تعریف کی صورت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

بعض اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ماضی" کے شروع میں مضاف پوشیدہ ہے۔ اور اصل عبارت — "صیغۃ الماضی" ہے۔

وکونہ امراً او نہیاً۔ اس کا عطف دو احتمالوں پر مشتمل ہے۔ ایک احتمال تو یہ کہ الماضی پر معطوف ہو۔ مگر اس شکل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے "الامر والنہی" نہ کہنے اور اس میں "کون" کے اضافہ کا سبب کیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نحویوں کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب کتاب نے یہ لفظ بڑھا تمام کی رعایت ملحوظ رکھی۔ اسلئے کہ "التصریف الی الماضی والمضارع والامر والنہی کہنے کی صورت میں تمام کی رعایت ملحوظ نہ رہتی بلکہ اس کے ذریعہ محض یہ پتہ چلتا کہ تصرف فعل امر ونہی کی جانب کسی واسطہ کے بغیر ہوگا جبکہ بعض نحاۃ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک فعل کی دو ہی قسمیں ہیں یعنی ماضی، مضارع۔ بعض کے نزدیک ماضی مضارع، امر فعل کی تین قسمیں ہیں۔ صاحب کتاب کے اس طرح کہنے میں ان تمام کی رعایت ملحوظ ہے۔

واتصال الضمائر البارزۃ المرفوعۃ، فعل کی علامتوں میں سے ایک علامت کلمات کے ساتھ ضمائر مرفوع بارز کا آنا بھی۔ جن کلموں کے ساتھ یہ ضمیریں آئیں تو انھیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ فعل ہیں۔

وتاء التانیث الساکنۃ۔ کسی کلمہ پر تائے تانیث کا آنا بھی اس کے فعل ہونے کی علامات میں سے ہے

ونون التاکید۔ فعل کی علامات میں سے نون ثقیلہ اور خفیفہ ہیں۔ یہ دونوں فعل کے خواص میں اس لئے شمار ہوتے ہیں کہ دونوں سے تاکید طلب مقصود ہوتی ہے اور ظہور طلب محض فعل میں ہوتا ہے۔

ویسمّی فعلاً باسم اصلہ۔ نحاۃ بصرہ وکوفہ کا اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ اصل مصدر کو قرار دیا جائے یا فعل کو۔ بصری نحوی مصدر ہی کو اصل قرار دیتے ہیں اور فعل ان کے نزدیک مصدر کی فرع ہے۔ اور نحویان کوفہ فعل کو اصل قرار دیتے ہیں اور مصدر کو اس کی فرع کہتے ہیں۔ صاحب کتاب کے نزدیک بصری نحویوں کا قول راجح ہے جس کا اظہار وہ اس عبارت کے ذریعہ کر رہے ہیں۔

وحدُّ الحرفِ کلمۃٌ لا تدلُّ علی معنیً فی نفسِھا بل تدلُّ علی معنیً فی غیرِھا نحو مِن فانّ معناھا الابتداءُ وھی لا تدل علیہ الا بعدَ ذکرِ ما منہُ الابتداءُ کالبصرۃِ والکوفۃِ مثلاً نقولُ سِرتُ من البصرۃِ الی الکوفۃِ وعلامتُہٗ ان لا یصحَّ الاخبارُ عنہُ ولا بہٖ وان لا یقبلَ علاماتِ الاسماءِ ولا علاماتِ الافعالِ۔

ترجمہ۔ حرف اس کلمہ کو کہتے ہیں جو اپنے ذاتی معنی کی نشاندہی نہ کرے بلکہ ان معنی کو بتلائے جو اس کے علاوہ میں ہوں مثلاً "منْ"۔ منْ کے معنی دراصل ابتدار کے ہیں مگر تا وقتیکہ وہ چیز بیان نہ کر دی جائے جس سے کلام کا آغاز ہو رہا ہے اس کے ذاتی معنی کی نشاندہی نہیں ہوتی۔ مثلاً بصرہ اور کوفہ۔ جیسے کہے "میں بصرہ سے کوفہ تک گیا"۔ علامت حرف یہ قرار دی گئی کہ نہ اس کے ذریعہ خبر دینا صحیح ہو اور نہ اس کے ساتھ صحیح ہو۔ علاوہ ازیں وہ اسمار اور افعال کی علامات میں سے کسی علامت کو قبول نہ کرے

تشریح کلمۃ تدل علی معنیً فی نفسہا۔ حرف کے اس ترجمہ پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ جب حرف میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اپنے ذاتی معنی کو خود بتلائے تو دوسرے میں پائے جانے والے معنی کس طرح بتا سکتا ہے۔ یہ اشکال اس صورت میں ضرور ہوتا ہے جبکہ گہرائی سے اس کی تعریف کا جائزہ نہ لیا جائے۔ اور گہرائی سے دیکھنے کی شکل ہیں واضح ہوگا کہ اس جگہ "فی" "بمعنیٰ" اعتبار ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ حرف وہ کلمہ کہلاتا ہے جس کے معنی دوسرے کو ملا کر سمجھ میں آئیں۔

حرف کی تعریف پر اشکال اور اس کا جواب حرف کی ذکر کردہ تعریف پر یہ اشکال کیا گیا کہ اس تعریف کو مانع نہیں کہا جا سکتا بلکہ دوسرے بھی اس تعریف کے زمرہ میں آتے ہیں مثلاً بہت سے کلمے۔ اَبٌ اِبنٌ وغیرہ جو اصطلاحی طور پر اسم کہلاتے ہیں مگر ان کو بھی معنی کی نشاندہی کے لئے دوسرے کلمہ کے ملانے کی احتیاج ہوتی ہے۔ پس یا تو انھیں سرے سے اسمار ہی نہ کہیں اور رہتے ہیں تو یہ حرف کی تعریف کے ذیل میں آتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ہمارا مقصود دلالت وضعی ہے۔ رہے یہ اسماء، اب 'ابن وغیرہ تو انھیں دوسرے کلمہ کے ملانے کی احتیاج برائے استعمال عارضی طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا نھیں حرف کی تعریف کے زمرہ میں داخل کر کے اشکال کرنا درست نہیں۔ باعتبار وضع اصلی ابن، اب وغیرہ تمام مستقل مفہوم کے حامل ہیں۔

نحو من فان معناہا الابتدار۔ ابتدا دراصل دو قسموں پر مشتمل ہے ایک ابتدائے مقید اور دوسری ابتدائے مطلق۔ ابتداء مطلق تو کلی ہوتی ہے اور یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مستقل ہوا کرتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کو ملا کر

اس کا مفہوم سمجھنے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ اور ابتدائے مقید در حقیقت جزئی ہوتی ہے اور اس میں دوسرے کے انضمام کی احتیاج ہوتی ہے تاوقتیکہ دوسرے کو اس کے ساتھ نہ ملائیں اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔

وان لایقبل الخ اس جگہ ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ ان لایصح کے زمرہ میں " ان لایقبل " بھی آتا ہے تو پھر صاحب کتاب کے دونوں کو الگ الگ ذکر کرنے کا کیا سبب ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہاں بعد تخصیص، تعمیم کی گئی اور اس کا سبب یہ ہے کہ سننے والے کا ذہن اس سلسلہ میں مختلف اقوال اور مسلکوں کی جانب منتقل ہو سکے۔

وللحرف فی کلامِ العرب فوائدُ کالرّبط بینَ الاسمین نحو زیدٌ فی الدّار أو الفعلَین نحو أُریدُ ان تضربَ او اسمٍ وفعلٍ کضربتُ بالخشبۃِ او الجملتَین نحو ان جاءَ نِی زیدٌ اکرمتُہ وغیرِ ذلک مِنَ الفوائِدِ التی تعرفُھا فی القِسمِ الثالث ان شاء اللہُ تعالیٰ ویسمّی حَرفًا لوقوعِہٖ فی الکلامِ حَرفًا ای طرفًا اذ لیس مَقصودًا بالذاتِ مِثلَ المُسند والمسند الیہِ۔

ترجمہ : اور کلام عرب میں حرف بہت سے فائدوں پر مشتمل ہے مثلاً دو اسموں کے درمیان ربط کے لئے آتا ہے مثلاً زیدٌ فی الدار " یا دو فعلوں کے درمیان ربط پیدا کرنے کے واسطے آتا ہے مثلاً "ارید ان تضرب " یا ایک اسم اور فعل میں ربط کے لئے آتا ہے مثلاً " ضربت بالخشبۃ " یا دو جملوں میں ربط کے لئے آتا ہے۔ مثلاً " ان جاء زید اکرمتہ " علاوہ ازیں یہ دوسرے بہت سے فوائد پر مشتمل ہے جن سے انشاء اللہ قسم سوم میں واقف ہوں گے۔ اور حرف کو حرف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام کے کنارے میں واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسند اور مسند الیہ کی طرح مقصود بالذات نہیں ہوتا۔

تشریح وللحرف فی کلام العرب فوائد۔ ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حرف مفہوم مستقل کے لئے وضع ہی نہیں کیا گیا تو پھر اس کی طرف توجہ کرنا اور اس میں وقت لگانا بے سود معلوم ہوتا ہے اور اس کے مفید نہ ہونے کے باعث اس سے اجتناب لازم ہے۔

مذکورہ بالا جملہ کے ذریعہ دراصل یہی اشکال دور کرنا مقصود ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ حرف کو بے فائدہ قرار دینا سرے سے درست نہیں۔ حرف کے بہت سے فائدے ہیں جن میں سے نمونۃً بعض اس عبارت میں ذکر کر دئے گئے۔ حرف کے فوائد کی تفصیل حرف کی بحث میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک اشکال کا جواب اذ لیس مقصوداً بالذات۔ اس عبارت کے ذریعہ بھی ایک اشکال رفع کرنا مقصود

ہے۔ اشکال یہ کیا گیا کہ اس جگہ حرف کی ذکر کردہ تعریف سے معلوم ہوا کہ حرف کلام کے ایک کنارہ پر آتا ہے اور اسی واسطے اس کا یہ نام رکھا گیا حالانکہ یہ کہنا درست نہیں کیونکہ یہ کلام کے درمیان میں بھی آتا ہے مثلاً " زید فی الدار " کہ یہاں پر فی درمیان میں ہے۔ اسی طریقہ سے " اریدان تضرب " میں ان کلام کے بیچ میں آرہا ہے۔ اس تفصیل کے مطابق حرف کا یہ نام رکھنا درست نہ ہوگا۔

صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح اسم اور فعل مسند و مسند الیہ ہونے کے باعث اپنے مفہوم میں مستقل ہوا کرتے ہیں اس طرح یہ حرف مستقل بالمفہوم نہیں ہوتا۔

فصل الكلامُ لفظٌ تضمّن كلمتين بالاسناد والاسنادُ نسبةُ احدى الكلمتين الى الأخرٰى بحيثُ تُفيدُ المخاطبَ فائدةً تامّةً يَصِحُّ السّكوتُ عليها نحو زيدٌ قائمٌ وقام زيدٌ ويُسمّٰى جُملةً فعُلِمَ انّ الكلامَ لا يحصُلُ إلّا مِن اسمَين نحو زيدٌ قائمٌ ويُسمّٰى جُملةً اسميّةً اومِن فعلٍ واسمٍ نحو قام زيدٌ ويُسمّٰى جملةً فعليّةً إذ لا يُوجدُ المُسنَدُ والمُسندُ اليهِ مَعًا في غيرِهما ولابدّ للكلامِ منهما **فان قيل** قد نوقِضَ بالنّداء نحو يا زيدُ **قُلنا** حرفُ النداءِ قائمٌ مقامَ اَدعُو واَطلُبُ وهوالفعلُ فلا نقضَ عليهِ واذا فرغنا مِن المقدّمةِ فلنشرعْ في الاقسامِ الثلثةِ واللهُ المُوفِّقُ والمعِينُ

ترجمہ:۔ کلام وہ لفظ کہلاتا ہے جو اسناد کے باعث دو کلموں پر مشتمل ہو۔ اور اسناد دو کلموں کی باہم اس طرح نسبت کا نام ہے کہ مخاطب کو اس کے ذریعے مکمل فائدہ حاصل ہو اور اس پر سکوت صحیح ہو۔ مثلاً زید قائم " اور " قام زیدٌ " اور اسے جملہ اسمیہ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کلام دو اسموں کے، یا ایک اسم اور ایک فعل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً " قام زیدٌ " تو اسے جملہ فعلیہ کہتے ہیں کیونکہ مسند اور مسند الیہ کا بیک وقت پایا جانا ان دونوں کے علاوہ میں نہیں ہوتا اور کلام میں ان دونوں کا ہونا لازم ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ تعریف نداء میں ٹوٹ جاتی ہے مثلاً " یا زید " تو ہم کہتے ہیں کہ حرفِ ندا اَدعوا اور اَطلب کے قائم مقام اور اس کی جگہ میں ہے اور ادعو اور اطلب کا فعل ہونا ظاہر ہے۔ لہٰذا حرف ندا سے یہ تعریف نہیں ٹوٹتی۔ اور مقدمہ سے فراغت کے بعد اب ہمیں تینوں قسموں کی ابتداء کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا اور مددگار ہے۔

تشریح الکلام لفظ الخ کلام میں دو کلموں کے تضمن کی قید کے ذریعہ مہمل کلمے مثلاً جحق وغیرہ اور اسی طرح مفرد کلمے خالد وغیرہ نکل گئے اور بالاسناد کی قید جو لگائی گئی اس کے ذریعہ غیر کلامیہ مرکبات مثلاً غلام زید وغیرہ نکل گئے اور اب محض اس تعریف کے تحت مرکباتِ کلامیہ رہ گئے اس سے قطع نظر کردہ انشائیہ ہوں یا وہ خبریہ ہوں۔

اگر یہاں کوئی یہ اشکال کرے کہ صاحبِ کتاب نے بجائے لفظ "ترکب" کے "تضمن" کس لئے کہا جبکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ تعریف کلام میں لفظ ترکب زیادہ معروف ہے۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ترکب کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ "من" صلہ نہ ہو۔ صاحب کتاب اگر یہاں بجائے لفظ تضمن کے ترکب لاتے تو اختصارِ مقصود کے خلاف لازم آتا اس واسطے صاحبِ کتاب لفظ تضمن لائے۔

بالاسناد۔ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ صاحب کتاب "بالاسناد" کے بجائے "بالاخبار" کیوں نہیں لائے تو اس کا دراصل سبب یہ ہے کہ اخبار جملہ خبریہ میں واقع نسبت کے لئے بولتے ہیں اور جملہ انشائیہ کی نسبت کے لئے نہیں بولتے۔ بالاخبار کہنے کی صورت میں جملہ انشائیہ پر یہ تعریف چسپاں نہ ہوتی۔

کلام کے بعد اسناد کا ذکر کلام کی تعریف سے فراغت کے فوراً بعد صاحب کتاب نے اسناد کی تعریف اس واسطے کی کہ دراصل اسناد کے پہچاننے پر کلام کے پہچاننے کا انحصار ہے اور صاحب کتاب نے بتایا کہ اسناد دو کلموں کے اس طرح تعلق و ربط کا نام ہے کہ مخاطب اس کے ذریعہ مکمل فائدہ حاصل کرے اور اس پر خاموش رہنا صحیح ہو جائے اور سننے والے کو متکلم سے مزید سننے اور مقصود اصلی سمجھنے کی خاطر اس کے مزید بولنے کی احتیاج نہ رہے۔ مثال کے طور پر "قام زید" کہ اس سے مخاطب کو پورا فائدہ حاصل ہو گیا اور متکلم کا اس پر سکوت کرنا درست ہوا۔

فعلم الخ یعنی اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ کلام صحیح معنی میں یا تو اس صورت میں حاصل ہو گا جبکہ دو اسم ہوں یا اس شکل میں کہ ان میں سے ایک تو اسم ہو اور ایک فعل۔

ویسمی جملۃ اسمیۃ۔ ایسا کلام جو دو اسموں سے مرکب ہو اسے جملہ اسمیہ کہتے ہیں۔

اذ لا یوجد المسند الخ صاحب کتاب یہاں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ کلام کے حصول کی صرف یہی دو صورتیں ہیں جو ذکر کی گئیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہر کلام کے لئے مسند اور مسند الیہ کو ناگزیر قرار دینا یہ تعریف ندا مثلاً یا زید پر صادق نہیں آتی۔ تو اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کلام میں حرف ندا ادعوا اور اطلب کی جگہ ہے اس لئے اس تعریف پر مذکورہ اشکال درست نہیں۔

فلنشرع فی الاقسام الخ صاحب کتاب کا یہاں مقصود تینوں قسموں کا بیک وقت آغاز نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ تینوں اقسام اب الگ الگ یکے بعد دیگرے بیان کریں گے۔

القسم الاول فی الاسم وقد مرّ تعریفهٗ وهو ینقسم الی المُعرب و المبنی فلنذکر احکامهٗ فی بابین وخاتمۃٍ **الباب الاول فی الاسم** المُعرب وفیه مُقدّمۃٌ وثلٰثۃُ مقاصدَ وخاتمۃٌ اما المقدّمۃ ففیها فصولٌ **فصل** فی تعریفِ الاسمِ المعرب وھو کلّ اسمٍ رُکّبَ مَعَ غیرہٖ ولا یشبہُ مبنیَّ الاصلِ اعنی الحرفَ والامرَ الحاضرَ والماضیَ نحو زیدٌ فی قامَ زیدٌ لازیدٌ وحدہٗ لعدم الترکیب ولا ھٰؤُلاۤءِ فی قامَ ھٰؤلاۤءِ لوجودِ الشبہِ ویُسمّٰی مُتمکّنًا۔

ترجمہ:۔ قسم اول اسم کے ذکر میں۔ اسم کی تعریف گذر چکی۔ اسم کی دو قسمیں ہیں (۱) معرب (۲) مبنی۔ ہم اس کے احکام دو بابوں اور خاتمہ میں ذکر کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) باب اول میں اسم معرب کا بیان ہے۔ یہ ایک مقدمہ اور تین مقاصد اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کئی فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں اسم معرب کی تعریف بیان کی گئی۔ معرب ہر وہ اسم کہلاتا ہے جسے کسی اور کے ساتھ ملایا گیا ہو اور یہ مبنی الاصل یعنی حرف اور امر حاضر اور ماضی کے مشابہ نہ ہو۔ مثلاً قامَ زیدٌ میں زید۔ تنہا زید مراد نہیں کیونکہ وہ مرکب نہیں۔ اور "قامَ ہولآء" میں ہولآء۔ مشابہ حروف ہونے کی بناء پر معرب نہیں اور اسے اسم متمکن کہا جاتا ہے۔

تشریح:۔ فی اسم المعرب۔ یہاں اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ معرب کو مبنی سے پہلے لانے کا کیا سبب ہے۔ اس اشکال کے کئی جواب دئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ مبنی کے مقابلہ میں معرب کے افراد کی تعداد بڑھی ہوئی ہے۔ اسی طرح مسائل معرب کی تعداد بھی مسائل مبنی سے زیادہ ہے۔ صاحب کتاب نے اس بنیاد پر معرب کا ذکر مبنی سے پہلے کیا۔

ایک جواب یہ دیا گیا کہ معرب کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ خواہ لفظی اعراب ہو یا تقدیری دونوں ہی کا محل ہوا کرتا ہے اور اصل کے محل کا حکم بھی اصل کا سا ہوتا ہے اور طبعی طور پر اصل غیر اصل سے پہلے ہوتا ہے۔ صاحب کتاب اسی کی رعایت کے پیش نظر باعتبار وضع بھی اسے پہلے لائے۔

ایک اور جواب یہ دیا گیا کہ الفاظ کے وضع کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ ما فی الضمیر کو ظاہر کیا جائے اور اس مقصود کی تکمیل بلا اعراب ممکن نہیں اسلئے کہ اعراب ہی کے ذریعہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ مفعول ہے یا فاعل اور اعراب کا آنا اسم معرب کے ساتھ خاص ہے پس یہ مقصود معرب سے تو پورا ہوتا ہے اور مبنی سے پورا نہیں ہوتا۔ اس بناء پر معرب کو مقدم کیا۔

وہو کل اسم۔ اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ صاحب کتاب نے معرب کی تعریف میں لفظ کل کیوں لگایا۔ جبکہ اصطلاح اہل منطق کی رو سے تعریف میں اس لفظ کا استعمال اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اسلئے کہ لفظ "کل" سے مقصود افراد کا احاطہ ہوا کرتا ہے اور جہاں تک تعریف کا تعلق ہے وہ چیز کی حقیقت کی ہوا کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ صاحب کتاب اہل منطق کی اس اصطلاح کو نظر انداز کرتے ہوئے لفظ کل لائے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ مقصود کا پوری طرح علم ہو جائے اسلئے کہ تعریف کے ذریعہ مقصود علم افراد ہے۔

مرکب مع غیرہ۔ مع الغیر کی قید کے ذریعہ تعریف معرب سے وہ اسماء خارج ہو گئے جو کہ بالفعل غیر کے ساتھ مرکب نہ ہوں مثلاً اسمائے اعداد وغیرہ۔

ولا یشبہ مبنی الاصل۔ یہ قید لگانے سے تعریف معرب سے وہ اسماء خود بخود نکل گئے جو کسی عامل سے مرکب ہونے کے ساتھ ساتھ مبنی الاصل کے مشابہ بھی ہوں مثلاً "ہؤلاء" کہ قام کے ساتھ اگرچہ یہ مرکب ہے لیکن اس کی مبنی الاصل (حرف) کے ساتھ مشابہت موجود ہے تو اسے دراصل معرب نہیں مبنی قرار دیا جائے گا۔

تعریف کے حاصل پر اشکال

خلاصہ وحاصل تعریف پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس تعریف کا اطلاق بہت سے غیر معرب افراد پر بھی ہوتا ہے مثلاً اس تعریف کا اطلاق مبنی الاصل کو شامل ہونے والے اسم پر بھی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "این خالد" میں این۔ یا اس پر بھی ہوتا ہے جو بحکم مبنی الاصل ہو۔ مثال کے طور پر "نزال" اور اس پر بھی ہوتا ہے جس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہو۔ اس تفصیل کی بنیاد پر یہ ذکر کردہ اسماء اسمائے معربہ کے زمرہ میں آتے ہیں جبکہ انھیں کوئی معرب تسلیم نہیں کرتا اور انھیں مبنی کے زمرے میں شامل کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ مشابہت سے مراد دراصل مناسبت ہے اور مناسبت میں بمقابلہ مشابہت زیادہ عمومیت ہے۔ اور یہ مناسبت مبنی الاصل اور ان کی طرف اضافت شدہ تمام کو شامل ہو گی۔

مبنی الاصل۔ اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ مبنی الاصل میں تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱) امر حاضر معروف (۲) فعل ماضی (۳) جملہ حروف۔ تو اضافت مضاف اسم مفعول کی بجانب فاعل ہونے کی صورت میں یہ لازم آئے گا کہ ان تینوں مبنیوں میں سے مبنی الاصل ایک بھی نہ ہو بلکہ حقیقتاً ان کی اصل کو مبنی قرار دیا جائے جبکہ برائے حروف اصول ہی نہیں۔ رہے فعل ماضی اور امر حاضر تو ان کے اصول ضرور ہیں مگر وہ معرب ہیں اس سے اضافت کے قول کا درست نہ ہونا معلوم ہوا۔

بعض کے نزدیک جواب یہ ہے کہ اس جگہ لفظ "اصل" بمعنی "وضع" ہے اور اس بنیاد پر یہ صحیح ہے کہ اضافت مبنی بجانب اصل ظرفیہ تسلیم کی جائے اور اس صورت میں ذکر کردہ اشکال واقع ہی نہ ہوگا۔

اعنی الحرف والامر الحاضر۔ اس بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ بعض کے نزدیک جملہ بھی زمرۂ مبنیات میں داخل ہے اس لئے کہ جملہ بلحاظ جملہ ہونے مفرد کی جگہ میں نہیں۔ اور جو مفرد کی جگہ میں نہ ہو اس کا بلحاظ اعراب محل بھی نہیں۔

صاحب کتاب نے یہاں امر حاضر کی قید اسواسطے لگائی کہ امر غائب متفقہ طور پر سب کے نزدیک معرب کے زمرہ میں داخل ہے اور رہا امر حاضر تو اس کے معرب یا مبنی ہونے کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ زیادہ صحیح قول کے مطابق

یہ مبنی ہے اور صاحب کتاب کے نزدیک بھی راجح یہی ہے۔

ویسمّٰی متمکّنًا۔ یہاں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ معرب کا دوسرا نام اسم متمکن ہے۔ باعتبار لغت اس کے معنی ہیں جگہ دینے والا۔ معرب کیونکہ اعراب کو جگہ عطا کرتا ہے اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

فصل حکمُہٗ اَنْ یختلفَ اٰخرہٗ باختلافِ العوامِل اختلافًا لفظیًّا نحو جاءنی زیدٌ ورأیتُ زیدًا ومَرَرْتُ بزیدٍ او تقدیریًّا نحو جاءنی مُوسٰی ورایتُ موسٰی ومررتُ بموسٰی **الاعرابُ** مابہ یختلفُ اٰخِرُ المُعْرب کالضّمّۃ والفتحۃِ والکسرۃِ والواوِ والالفِ والیاءِ واعرابُ الاسم علٰی ثلٰثۃِ انواعٍ رفعٍ و نصبٍ وجرٍ والعامِلُ مابہٖ رفعٌ اونصبٌ اوجرٌّ ومحل الاعرابِ مِنَ الاسم ھُوالحرف الاخیرُ مثال الکُلّ نحو قَامَ زَیْدٌ فقام عامِلٌ وزیدٌ معربٌ وَالضمۃ اِعرابٌ والدّال محلُ الاعراب۔ **واعلم** انّہٗ لَایُعربُ فی کلامِ العرب الّا الاسم المتمکّنُ والفعلُ المُضَارِعُ وسیجیءُ حکمُہٗ فِی القسم الثانی ان شاء اللہ تعالٰی

ترجمہ:۔ معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدلتا رہے خواہ یہ بدلنا لفظًا ہو۔ جیسے جاءنی زیدٌ۔ اور رأیت زیدًا۔ اور مررت بزیدٍ۔ یا تقدیرًا ہو مثلاً جاءنی موسٰی اور رأیت موسٰی اور مررت بموسٰی۔

اعراب اسے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ مثلاً ضمہ، فتحہ، کسرہ اور واؤ اور الف اور یاء۔ اور اعراب اسم کی تین قسمیں ہیں۔ رفع، نصب، جر۔ اور عامل وہ ہے کہ اس کے باعث رفع نصب، جر آیا کرتا ہے۔ اعراب کا مقام اسم کا آخری حرف ہے۔ ان تمام کی مثال مثلاً "قام زیدٌ"، تو اس میں قام عامل اور زیدٌ معرب اور ضمہ اعراب اور دال اعراب کا مقام ہے۔

اور واضح رہے کہ کلام عرب میں صرف اسم متمکن اور فعل مضارع پر اعراب آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کا حکم قسم دوم میں آئے گا

تشریح: حکمہ ان یختلف آخرہٗ۔ اس جگہ حکم کے معنی کسی چیز پر اثر کا ظاہر ہونا ہیں۔ اس جگہ ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اضافتِ حکم بجانب معرب کرنا کیسے صحیح ہے۔ اسلئے کہ معرب کے آخر میں جو حرکتیں بدلتی ہیں وہ تو عامل کے بدلنے کے باعث بدلتی ہیں یہ معرب ہونے کا اثر نہیں ہوتا۔

اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ اس جگہ اضافت "فی" کے معنی میں ہے۔ مثال کے طور پر صلوٰۃ اللیل۔
آخرہٗ۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ معرب ہونے کے اعتبار سے اس کا حکم اور اس کا اثر یہ ہے کہ اس کے آخری حرف میں تبدیلی ہو جائے اس سے قطع نظر کہ یہ تبدیلی ذات میں ہوتی ہو یا ذات میں نہیں، صفات میں ہوتی ہو۔ ذات میں تبدیلی سے مقصود یہ ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف آجائے مثلاً، جاءنی اخوک، رأیت اخاک، مررت باخیک، کہ یہاں اخ کا واؤ ایک بار الف سے بدلا اور دوسری مرتبہ یاء سے تبدیل ہوا۔
باختلاف العوامل۔ یعنی معرب کے آخر میں جو تبدیلی نظر آتی ہے وہ عوامل کے بدلنے کے باعث ہوتی ہے۔ اختلافِ عوامل کی قید کی بنا پر اسم کے آخر کی وہ تبدیلی اس سے نکل گئی جس کا سبب عوامل کا بدلنا نہ ہو بلکہ تبدیلی کسی اور وجہ سے آئی ہو۔ صاحب کتاب نے بتادیا کہ معرب کے آخر میں اختلاف اور تبدیلی کا اصل سبب عوامل کا اختلاف اور بدلنا ہے اور دوسرے اختلاف سے مقصود اختلاف کا پایا جانا ہے۔
اختلافاً لفظیاً۔ اختلافاً پر نصب اس کے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے آیا ہے اور رہا "لفظیاً" تو وہ صفت "اختلافاً" قرار دی گئی۔
صاحب کتاب معرب کے آخر میں جو تبدیلی ہوتی ہے اس کی لفظیاً اور تقدیریاً کہکر تقسیم کررہے ہیں۔ لفظی کا مطلب یہ ہے کہ اس اختلاف و تبدیلی کی ادائیگی زبان سے ہوتی ہو۔ مثال کے طور پر جاءنی زید، رأیت زیداً، مررت بزید۔ اسی طرح جاءنی اخوک، رأیت اخاک، مررت باخیک۔ کہ یہاں لفظی اختلاف و تبدیلی کی ادائیگی زبان سے ہو رہی ہے۔
تقدیراً کا مقصد یہ ہے کہ اس تبدیلی کی ادائیگی زبان سے نہ ہو مثلاً تبدیلی محض حرکت کے اندر ہو جیسے کہا جاتا ہے جاءنی موسیٰ، رأیت موسیٰ، مررت بموسیٰ۔

تعریف معرب میں ابن حاجبؒ کی تقلید

یہاں اگر دیکھا جائے تو صاحب کتاب نے معرب کی اس تعریف سے احتراز کیا جو جمہور اور عام طور پر نحاۃ کرتے ہیں اور علامہ ابن حاجب نے معرب کی جو تعریف کی ہے اس کی پیروی کررہے ہیں۔ تو حقیقتاً اس کا اصل سبب یہ ہے کہ تعریفِ جمہور کی بنا پر دَور کا لزوم ہوتا ہے اسلئے کہ معرب کے آخر کے اختلاف کا پہچاننا معرب کے جاننے پر منحصر ہے پس تعریفِ معرب اختلاف سے کرنے کی صورت میں دَور کا لزوم ہوگا اور وہ باطل ہے۔
الاعراب یختلف الخ اعراب کی تعریف کے سلسلہ میں نحاۃ کی رائیں الگ الگ ہیں۔ بعض کے نزدیک اعراب وہ کہلاتا ہے جو اختلاف و تغیر کا سبب بنے یعنی حروف اور حرکات۔ علامہ ابن حاجبؒ کا قول یہی ہے۔ ان کا مستدل یہی ہے کہ نحویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ رفع، نصب، جر ہی اختلاف و تغیر کا سبب ہیں اور انھیں کو اعراب کہا جاتا ہے۔ بعض اس اختلاف ہی کو اعراب قرار دیتے ہیں۔ صاحب کتاب ابن حاجبؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہیں اور ابن حاجبؒ نے جو تعریف کی ہے اس کو اختیار فرماتے ہیں۔

والعامل مابہ۔ مابہ میں جو ما آیا ہے اس میں دو طرح کے احتمال موجود ہیں (۱) اس ما موصولہ سے مقصود خصوصیت کے ساتھ حرکات اور حروف ہوں (۲) اس سے عموم مقصود ہو۔ حروف و حرکات مقصود ہونے کی صورت میں معنی یہ ہونگے کہ وہ حروف و حرکات اعراب کہلاتے ہیں جن کے باعث آخر معرب بدلتا رہتا ہے۔

ایک اشکال اس تعریف پر یہ اشکال کیا گیا کہ اس شکل میں ما کی دو حالتیں ہونا ناگزیر ہے (۱) یا تو بیک وقت حرکات و حروف دونوں مقصود ہوں (۲) یا ان میں سے ایک مقصود ہو۔ بیک وقت حروف و حرکات دونوں مراد ہونا تو درست نہیں اس لئے کہ اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ بذریعہ لفظ عام وہ افراد مقصود ہوں جن میں ماہیت کے اعتبار سے اختلاف ہو اور یہ درست نہیں اب رہی دوسری صورت تو وہ بھی درست نہیں اسلئے کہ حرکات مقصود ہونے کی صورت میں حروف اس سے نکل جائیں گے اور حرکات میں سے کوئی حرکت مراد ہونے کی شکل میں حروف نکل جائینگے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا کہ درحقیقت ما سے مقصود وہ چیز ہے جس میں اہلیت اعراب موجود ہو تو اس صورت میں مذکورہ بالا اشکال باقی نہیں رہتا۔

آخر المعرب۔ المعرب کی قید کے باعث مثال کے طور پر "غلامی" کے میم پر جو حرکت ہے وہ نکل گئی اس لئے کہ اس حرکت کے باعث معرب کا آخر نہیں بدلا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی اضافت بجانب اسم مبنی ہے اور اعراب مضاف پر داخل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس پر یہ حرکت عامل کے تقاضہ کے باعث نہیں آئی بلکہ اس کا سبب یا کا اقتضاء ہے۔

رہی یہ بات کہ معرب کے آخر کو ہی اس تبدیلی و تغیر کے لئے متعین کرنے کا کیا سبب ہے۔ شروع اور وسط کی بھی تعیین ہو سکتی تھی۔ تو دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ اعراب کا جہاں تک تعلق ہے وہ کلمہ کی صفت شمار ہوتا ہے اور کلمہ ذات و صفت کے بعد آتا ہے اسوجہ سے معرب کا آخر اس تبدیلی و تغیر کے لئے متعین قرار دیا گیا۔

تعریف اعراب پر دو اشکال تعریف اعراب پر دو وجہوں سے اشکال کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ معرب اور اعراب کو اگر دیکھا جائے تو معرفت اور عدم معرفت میں ان کا درجہ برابر ہے تو اس صورت میں یہ صحیح نہیں کہ تعریف اعراب معرب سے کیجائے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ شے جو معرفت اور عدم معرفت میں معرف کے برابر ہو اس کے ذریعہ تعریف کرنا درست نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دونوں معرفت اور عدم معرفت میں برابر ہیں اسلئے کہ معرب کی شناخت عامل وغیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ بذریعہ اعراب بھی اس کی شناخت ہوتی ہے۔ رہا اعراب کا معاملہ تو معرفتِ اعراب بلا معرب کے ممکن نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں برابر نہیں۔

دوسرا اشکال یہ کیا گیا کہ تعریف اعراب پر دور لازم آتا ہے اسلئے کہ اعراب کی شناخت کا انحصار معرب کی شناخت پر ہے اور معرب کی شناخت مقتضٰی کی شناخت پر، اور اس کی شناخت عامل پر، اور عامل کی شناخت اعراب کی شناخت پر منحصر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ منحصر کا منحصر، منحصر ہوا کرتا ہے۔ تو اعراب کی شناخت خود اعراب پر منحصر ہوئی اور اس کا دور ہونا ظاہر ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس جگہ جہت توقف و انحصار یکساں نہیں اسلئے کہ اعراب کی شناخت کا

انحصار تو معرب کی شناخت پر باعتبار ذات ہے اور معرب کی شناخت کا انحصار اعراب کی شناخت پر باعتبار وصف ہے اور یہ درست ہے کہ ایک ہی شے دو اعتبار سے موقوف اور موقوف علیہ ہو۔ تو اس تعریف پر دَور کا لزوم نہ ہوگا۔

کالضمۃ والفتحۃ۔ یہ بلحاظِ حرکت اعراب کی مثال ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ضمہ، فتحہ اور کسرہ اگر تا کے ساتھ استعمال ہوں تو چاہے حرکت اعرابیہ ہو یا حرکت بنائیہ ہر طرح کی حرکات کے لئے بولے جائینگے۔ اور یہ بغیر تا کے استعمال ہوں تو ان سے صرف حرکات بنائیہ مراد ہوتی ہیں۔

واعراب الاسم علیٰ ثلثۃ انواع۔ اگر یہ اشکال کیا جائے کہ صاحبِ کتاب کے "ثلثۃ انواع" کہنے اور "ثلثۃ اقسام" نہ کہنے کا کیا سبب ہے۔

تو جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ لفظ لانے میں اس کی جانب اشارہ ہے کہ خواہ رفع ہو یا نصب یا جر ان میں سے ہر ایک کے ذیل میں تعدد افراد ہے۔ مثلاً رفع کے ذیل میں الف اور واؤ آتے ہیں۔ اسی طرح اوروں کو قیاس کر لیا جائے۔

اور صاحب کتاب بجائے "انواع" کے دوسرا لفظ استعمال کرتے تو اس سے یہ ذکر کردہ فائدہ حاصل نہ ہو سکتا۔ اس لئے کہ نوع وہ کلی کہلاتی ہے جس کا اطلاق ایسے افراد پر ہوتا ہے جن میں حقائق کے اعتبار سے اتفاق ہو۔ اور سبب ثانی یہ کہ خواہ رفع ہو یا نصب اور جر۔ یہ سب انواع معانی میں سے ایک ایک نوع کی نشاندہی کرتے ہیں۔ رہیں حرکات مبنی تو ان کے اس طرح کی نہ ہونے کے باعث ان کا نام بجائے "انواع" کے "القاب" آتا ہے اسلئے کہ خواہ ضمہ ہو یا فتحہ یا کسرہ ان میں سے ہر ایک اس کے مبنی ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

ہو الحرف الاخیر۔ یہاں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ اسم کے اعراب کی جگہ اس کا آخری حرف ہے اول اور درمیانی نہیں۔ اس کا سبب درحقیقت یہ ہے کہ اعراب معرب کی صفت کے درجہ میں ہے تو جس طرح قاعدہ یہ ہے کہ صفت موصوف کے بعد آیا کرتی ہے ٹھیک اسی طرح معرب اعراب کے بعد آیا کرتا ہے۔ دوسری وجہ معرب کے آخری حرف کے مقامِ اعراب ہونے کی یہ ہے کہ شبہ دور ہو جائے اور غلطی کا امکان نہ رہے اور یہ آخری حرف کے اعراب کے بدلنے ہی کی صورت میں ممکن ہے۔ اول، اوسط کے تغیر کی صورت میں نہیں۔ یہاں لفظ "ہو" جو خبر میں آیا ہے وہ اس واسطے آیا تاکہ اس سے حصر کا فائدہ ہو اور یہ وہم بھی دور ہو جائے جس کا اظہار بعض حضرات اس مقام پر کرتے ہیں۔ وہ وہم و شبہ یہ ہے کہ جمع اور تثنیہ میں کہنا کہ اعراب کا مقام اخیر حرف ہے درست نہیں بلکہ تثنیہ اور جمع میں محل اعراب آخری سے پہلا حرف ہے۔ لیکن ان بعض حضرات کا یہ خیال سرے سے درست ہی نہیں وجہ یہ کہ یہاں نون بعوض تنوین آرہا ہے جو کہ بالکل ایک الگ کلمہ ہے اور فی الحقیقت یہاں آخری حرف نون سے پہلا شمار ہوگا۔

لفظ "اخیر" کا جہاں تک تعلق ہے وہ مذکر بھی استعمال ہوا کرتا ہے اور مؤنث بھی اس واسطے صاحب کتاب نے یہاں "اخیرۃ" کے بجائے "اخیر" ہی استعمال کیا۔

مثال الکل۔ صاحب کتاب بجائے اس کے کہ عامل، معرب، اعراب اور مقام اعراب کی مثالیں الگ الگ بیان کرتے ان تمام کے لئے صرف ایک جامع مثال بیان کر دی۔

فاعلم ۔ اس سے مقصد سننے والے کے دل میں جذبۂ شوق ابھارنا اور کلام کی طرف مائل وراغب کرنا ہوتا ہے تاکہ رغبت کے ساتھ کلام سن کر اچھی طرح ذہن نشین کر سکے۔ نیز یہ کہ "اعلم" کا استعمال اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں کلیات کا ذکر ہو۔ اس جگہ کا تعلق بھی چونکہ امر کلی سے ہے اس واسطے مقام کی مناسبت سے لفظ اعلم ہی استعمال کیا اور لفظ "اقراؤ" اور "افہم" سے گریز کیا۔

الاسم المتمکن والفعل المضارع ۔ اس جگہ "متمکن" کی قید سے یہ بات واضح ہوئی کہ اسم متمکن نہ ہونے کی صورت میں وہ معرب کے زمرہ سے خارج ہوگا۔ اس طریقہ سے فعل کے معرب ہونے میں بھی اس کے مضارع ہونے کی قید ہے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کلام عرب میں معرب کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ان میں سے ایک اسم متمکن ہے اور دوسرا فعل مضارع مضارع کے معرب ہونے میں مضارع کے مستعمل بنون جمع مؤنث نہ ہونے کی قید بھی ہے لیکن یہاں صاحب کتاب نے اسے اس واسطے بیان نہیں کیا کہ فعل کی بحث میں اس کا ذکر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ آجائے گا۔

فصل فی اَصْنَافِ اِعرابِ الاسمِ وھی تسعةُ اَصْنافٍ. الاولُ ان یکونَ الرفعُ بالضَّمَّةِ والنصبُ بالفتحةِ والجرُّ بالکسرةِ ویُختصُّ بالمفردِ المُنصرِفِ الصَّحیحِ وھو عِندَ النُّحاةِ مَا لا یکونُ فی اٰخرِہٖ حَرفُ علةٍ کزیدٍ وبالجاری مَجری الصَّحیحِ وھو ما یکونُ فی اٰخِرِہٖ واوٌ اویاءٌ ماقبلَھما ساکنٌ کدَلوٍ وظَبیٍ وبالجمعِ المکسَّرِ المنصرفِ کرِجالٍ تقولُ جاءَنی زیدٌ ودلوٌ وظبیٌ ورجالٌ ورأیت زیداً ودلواً وظبیاً ورجالاً ومررتُ بزیدٍ ودلوٍ وظبیٍ ورجالٍ الثانی ان یکونَ الرفعُ بالضمّةِ والنصبُ والجرُّ بالکسرةِ ویُختصُّ بجمعِ المؤنثِ السالمِ تقولُ ھُنَّ مُسلِماتٌ ورایتُ مُسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ الثالثُ ان یکونَ الرفعُ بالضمةِ والنصبُ والجرُّ بالفتحةِ ویُختصُّ بغیرِ المنصرفِ کعُمَرَ تقولُ جاءَنی عُمَرُ ورأیت عُمَرَ ومَرَرْتُ بعُمَرَ. الرابعُ ان یکونَ الرفعُ بالواوِ والنصبُ بالالفِ والجرُّ بالیاءِ ویُختصُّ بالاَسْمَاءِ الستةِ مکبَّرَةً موحَّدَةً مضافةً الی غیرِ یاءِ المتکلمِ وھی اخوکَ وابوکَ وھَنُوکَ وحمُوکِ وفوکَ وذُو مالٍ تقولُ جاءَنی اخوکَ ورأیتُ اخاکَ ومررتُ باخیکَ وکذا البواقی. الخامسُ اَنْ یکونَ الرَّفعُ بالالفِ والنصبُ والجرُّ بالیاءِ المفتوحِ ماقبلَھا ویُختصُّ بالمثنّٰی وکِلا مضافًا الی مضمرٍ واثنانِ واثنتانِ تقولُ جاءَنی الرَّجلانِ کلاھما واثنانِ واثنتانِ ورأیتُ الرَّجُلَیْنِ کلَیْھما واثنَیْنِ واثنتَیْنِ ومررتُ بالرَّجُلَیْنِ کلَیْھما واثنین واثنتین. السادسُ

ان يكونَ الرفعُ بالواو المضمومِ ما قبلَهَا والنصبُ والجرُّ بالياءِ المكسورِ ما قبلَهَا
ويُختَصُّ بجمع المذكر السّالمِ نحو مُسلمُونَ واُولُو وعِشرُونَ مَعَ اخوَاتِهَا
تقولُ جاءَنی مُسلِمُونَ وعِشرُونَ واولو مَالٍ ورأیتُ مُسلمِینَ وعِشرِینَ واولی
مالٍ ومرَرتُ بمُسلِمِینَ وعِشرِینَ واولی مالٍ

ترجمہ :- تیسری فصل اعراب کی اقسام کے بیان میں۔ یہ نو قسموں پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ رفع تو ضمہ کے ساتھ۔ نصب مع الفتحہ اور جر مع الکسرہ ہو۔ یہ اعراب مفرد منصرف صحیح کے ساتھ مخصوص ہے اور مفرد منصرف صحیح نحاۃ کی اصطلاح میں وہ کہلاتا ہے کہ جس کے اخیر میں حرف علت نہ آتا ہو مثلاً زید۔ اور مفرد منصرف صحیح کا قائم مقام وہ اسم کہلاتا ہے جس کے اخیر میں واؤ ہو یا ی ہو اور ان دونوں سے پہلا حرف ساکن ہو مثلاً دلو، ظبی۔ اور (یہ قسم اعراب) جمع مکسر منصرف کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً رجال۔ تم کہو گے:۔
جاءنی زیدٌ ودلوٌ وظبیٌ ورجالٌ۔ ورأیت زیداً ودلواً وظبیاً ورجالاً۔ ومررتُ بزیدٍ ودلوٍ وظبیٍ ورجالٍ

قسم دوم یہ کہ رفع ضمہ کے ساتھ، نصب و جر کسرہ کے ساتھ ہو۔ اور یہ اعراب جمع مونث سالم کیساتھ مخصوص ہے۔ کہوگے "ہُنَّ مسلماتٌ ورأیتُ مسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ۔

قسم سوم یہ کہ رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب و جر فتحہ کے ساتھ ہو اور یہ اعراب غیر منصرف کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً "عمرُ" کہوگے "جاءنی عمرُ، ورأیتُ عمرَ، ومررتُ بعمرَ۔

قسم چہارم یہ ہے کہ رفع تو واؤ کے ساتھ اور نصب الف کے ساتھ اور جر یاء کے ساتھ ہو یہ اعراب اسمائے ستہ مکبرہ موحدہ کے ساتھ مخصوص ہے جن کی اضافت یائے متکلم کے علاوہ کی جانب ہو۔ اسمائے ستہ مکبرہ یہ ہیں (۱) اخوک (۲) ابوک (۳) ہنوک (۴) حموک (۵) فوک (۶) ذومال۔ کہوگے "جاءنی اخوکَ، ورأیتُ اخاکَ ومررتُ باخیکَ۔
اسی طرح ان باقی اسماء کا حال ہے۔

قسم پنجم یہ کہ رفع تو الف کے ساتھ اور نصب و جر اس طرح کی یاء کے ساتھ ہو جس کا ماقبل مفتوح ہو۔ یہ قسم اعراب مثنیٰ کے ساتھ اور اس کِلا کے ساتھ جس کی اضافت بجانب ضمیر ہو اور اثنان و اثنتان کے ساتھ مخصوص ہے۔ کہوگے "جاءنی الرجلان کلاہما واثنان واثنتان۔ ورأیت الرجلین کلیہما واثنین واثنتین۔ ومررت بالرجلین کلیہما واثنین واثنتین۔

قسم ششم یہ کہ رفع واؤ کے ساتھ ہو اور اس کا ماقبل مضموم ہو اور نصب و جر یاء کے ساتھ ہو کہ اس کا ماقبل مکسور ہو۔ یہ اعراب جمع مذکر سالم کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً مسلمون واولو وعشرون اپنے اخوات (یعنی ثلاثون اورا ربعون وغیرہ) کے ساتھ۔ کہوگے۔" جاءنی مسلمون وعشرون واولو مالٍ۔ ورأیت مسلمین وعشرین واولی مال۔
ومررت بمسلمین وعشرین واولی مالٍ

تشریح الاول ان یکون الواقع ۔ اس صنف کے اول بیان کا سبب اس کا اور دوسری تمام صنفوں سے اعلیٰ ہونا ہے کیونکہ دراصل اعراب حرکات کے ساتھ ہی ہے اس کے برعکس اگر اعراب حروف کے ساتھ ہو تو وہ اصل کے خلاف کہلائے گا۔ دوسرے تینوں حرکات کا آنا یہ اس کے اعلیٰ ہونے کی علامت ہے اسلئے کہ حقیقتاً اعراب تینوں حرکات کے ساتھ ہی آنا چاہیئے اور اگر تینوں حرکات نہ آئیں بلکہ صرف دو آئیں تو اگرچہ اسے اصولاً غلط نہ کہا جائے مگر اصل کے خلاف ضرور ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ جمع مکسر منصرف اور مفرد منصرف کو جمع مؤنث سالم سے پہلے لائے اسلئے کہ ان دونوں کے اعراب تینوں حرکات کے ساتھ ہیں اور جمع مونث سالم کا اعراب صرف دو حرکتوں کے ساتھ۔ پھر مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف میں بھی مفرد منصرف کو پہلے اسلئے لائے کہ طبعی اعتبار سے مفرد جمع سے پہلے آیا کرتا ہے تو صاحب کتاب نے بھی طبعی موافقت کے خیال سے جمع مکسر منصرف پر مقدم کیا۔

ویختص بالمفرد المنصرف الصحیح الخ۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اعراب کی یہ ذکر کردہ قسم مفرد منصرف، جمع مکسر منصرف اور جاری مجری الصحیح کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اشکال کا جواب اس جگہ یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ "کلا" اور اسی طرح اسمائے ستہ مکبرہ نہ تثنیہ ہیں اور نہ جمع تو یہ مفردہ ہوئے لیکن اس کے باوجود یہ دیکھا جاتا ہے کہ اعراب تینوں حرکات کیساتھ نہیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مفرد کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے مفرد واقع ہو نہ وہ خود تثنیہ و جمع ہو اور نہ ان دونوں کے ساتھ اس کا الحاق ہو تو "کلا" اور اسمائے ستہ مکبرہ نہ خود تثنیہ ہیں اور نہ جمع مگر مثنیٰ کے ساتھ ان کا الحاق ضرور ہے مگر ان کی مثنیٰ کے ساتھ مشابہت ہے جس طریقہ سے بذریعہ مثنیٰ دو کی نشاندہی ہوتی ہے اسی طریقہ سے یہ بھی دو پر دلالت کرتے ہیں اور ان کے اخیر میں ایسا حرف ہوتا ہے جس میں اعراب بالحرف کی اہلیت ہو۔ رہے اضافی اسماء مثلاً اب، اخ، تو ان میں تثنیہ کی مشابہت ضرور ہے مگر ان کے آخر میں اس طرح کا حرف نہیں جس میں اعراب بالحرف ہونے کی اہلیت ہو۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ بیان کیا گیا اس پر اسمائے اضافیہ سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

المنصرف الصحیح۔ الصحیح کی قید لگانے کا سبب غیر صحیح سے اجتناب ہے اور امتیاز پیدا کرنا ہے۔

حرف علۃ۔ حروفِ علت تین کہلاتے ہیں۔ واوؔ اور الفؔ اور یاؔ۔ حروف علت کا یہ نام رکھے جانے کا سبب یہ ہے کہ ان میں اکثر تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے گویا ان کا حال ایک بیمار کا سا ہے کہ جس طرح بیماری کے باعث اس کے مزاج میں تغیر ہوتا رہتا ہے ٹھیک اسی طرح ان میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

وبالجاری مجری الصحیح۔ یعنی مفرد منصرف صحیح کا جانشین اور اس کا قائم مقام۔ یہ ہر ایسا اسم کہلاتا ہے جس کے آخر میں حروف علت میں سے کوئی حرف آرہا ہو۔ نیز اس سے پہلے حرف ساکن ہو۔ اس قسم کے صحیح کے ساتھ الحاق کا سبب یہ ہے کہ حرف علت پر اس صورت میں حرکت ثقیل محسوس نہیں ہوتی جبکہ وہ سکون کے بعد آئے۔ علاوہ ازیں بعد سکون حرف علت کا آنا ایسا ہے جیسے کہ ابتدائی طور پر متحرک حرفِ علت بولا جائے۔ اسلئے کہ سکون کے باعث زبان راحت محسوس کرتی ہے

اور ابتدائی طور پر متحرک حرف علت کا ہونا گراں نہیں گذرتا۔

بالجمع المکسر المنصرف۔ المنصرف کی قید لگا کر دراصل جمع مکسر غیر منصرف سے احتراز مقصود ہے اسلئے کہ جمع مکسر غیر منصرف کا اعراب اس کے علاوہ ہے۔ مفرد منصرف کو حرکت کے ساتھ اعراب دینے کا سبب کیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم کا اعراب حرکت کے ساتھ ضرور ہے مگر درحقیقت وہ اصلی اعراب قرار نہیں دیا جا سکتا اور دیکھا جائے تو ایک لحاظ سے اس کا اعراب فرعی ہے۔ اس لئے کہ اعراب بالحرکت کے اصلی ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس پر تینوں حالتوں میں تینوں حرکات آئیں اور جمع مونث سالم میں یہ صورت نہیں اور اس پر آنے والا اعراب دو حرکتوں کے ساتھ ہے۔ پس درحقیقت یہ اعراب فرعی کہلائیگا۔ اس پر اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ جمع مونث سالم کو اگر فرعی اعراب ہی دینا تھا تو اعراب بالحرف دیتے اعراب بالحرکت کا کیا سبب ہے۔؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حروف کے ساتھ اعراب وہاں آیا کرتا ہے جہاں معرب کا آخر اس کی اہلیت رکھتا ہو اور یہ اہلیت اس میں اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ حرفِ علت اخیر میں آئے۔ اسی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں حرف علت نہ ہونے کے باعث اس میں حروف کے ساتھ اعراب کی اہلیت نہیں۔ اور جمع مؤنث سالم میں نصب کو تابع جر قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دراصل فرع جمع مذکر سالم ہے اور وہاں پر نصب تابع جر ہے۔ اس لئے اس جگہ بھی اصل وفرع میں مطابقت برقرار رہنے کے باعث یہ بات ملحوظ رکھی گئی۔

ویختص بغیر المنصرف الخ اور اعراب کی یہ قسم غیر منصرف کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں حالتِ نصبی اور جری میں فتحہ پر اکتفا کیا جائے گا۔ مثلاً حالت رفعی میں کہا جائے گا جاءنی احمدُ اور حالتِ نصبی میں رأیتُ احمدَ اور جری حالت میں " مررتُ باحمدَ "

اگر اس جگہ کسی کو اس طرح کا شبہ پیدا ہو کہ غیر منصرف تو دراصل فرع منصرف شمار ہوتا ہے تو اس میں موزوں یہ تھا کہ فرع کا اعراب دیا جاتا، اسے اعراب بالحرکت دینے کا سبب کیا ہے۔؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ دو حرکات کے ساتھ آنے والا اعراب درحقیقت تین حالتوں میں آنے والے اعراب کی فرع شمار ہوتا ہے اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اعرابِ غیر منصرف فرعی ہے اصلی نہیں۔

ایک اشکال اگر کسی کو یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ غیر منصرف میں جر کے تابع نصب ہونے کا کیا سبب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر منصرف کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں فعل سے مشابہت موجود ہے اور فعل پر نہ تو کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین آتی ہے تو غیر منصرف میں بھی یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی۔

ویختص بالاسماء الستۃ مکبرۃ الخ۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ اسمائے ستہ کا ذکر کردہ اعراب کہ بحالتِ رفع واؤ، اور بحالتِ نصب الف اور بحالت جر یا آئے۔ یہ چار شرطوں کے پائے جانے کے ساتھ مقید و مشروط ہے۔ ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ یہ اسماء مصغرہ نہ ہوں بلکہ مکبرہ ہوں۔ دوسری شرط یہ کہ نہ تثنیہ ہوں اور نہ جمع بلکہ موحدہ ہوں۔ تیسری شرط ان کا مضاف ہونا ہے۔ چوتھی شرط یہ کہ یہ مضاف تو ہوں مگر اضافت بجانب یائے متکلم نہ ہو۔

اور ان کے مصغر ہونے کی صورت میں چاہے ان کی اضافت یائے متکلم کے علاوہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔ بہرصورت ان کا اعراب حرکت کے ساتھ ہوگا۔

اگر ان اسمار کی اضافت یار متکلم کی جانب ہو تو اس صورت میں اعراب لفظاً نہیں تقدیراً ہوگا مثلاً جاءنی اخی رائیت اخی، مررت باخی۔

ایک شبہ کا ازالہ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ بعض مفردات کے بارے میں یہ طے تھا کہ انھیں اعراب بالحرف دیا جائے تو اس کے لئے اسمائے ستہ ہی کو خاص کرنے کی کیا وجہ ہے دوسرے مفردات کو بھی اس طرح کا اعراب دے سکتے تھے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جہاں تک تثنیہ اور جمع کا تعلق ہے اس میں اعراب بالحرف آتا ہے اور ہر ایک کے اعراب کی تین تین حالتیں ہیں۔ تو موزوں یہ تھا کہ ہر حالت کے مقابل ایک مفرد ضرور ہو تاکہ اس طرح مناسبت مفرد تثنیہ و جمع کے ساتھ برقرار رہے۔ رہا یہ کہنا کہ انھیں چھ اسمار کی تخصیص کیوں کی گئی یہی اعراب دوسرے چھ اسمار کو بھی دے سکتے تھے تو دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ بمقابلہ دیگر اسمار کے ان اسمار کی مناسبت تثنیہ اور جمع کے ساتھ بڑھی ہوئی ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جس طریقہ سے مفہوم تثنیہ و جمع کثرت و تعدد کا حامل ہے ٹھیک اسی طرح ان اسمائے ستہ کے مفہوموں کا حال ہے۔

اگر کوئی اس جگہ مزید یہ اشکال کرے کہ مفہوم میں تعدد صرف اسمائے ستہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بعض اسمار اس طرح کے ہیں مثلاً "اَبن" یہ اس کے لئے بولا جاتا ہے جس کا باپ ہو تو ان اسمار کے چھوڑ دینے کا کیا سبب ہے۔؟

اس کا جواب دیا گیا کہ محض اسی قدر کافی نہیں کہ مفہوم میں تعدد ہو بلکہ یہ بھی دیکھنے اور نظر ڈالنے کی احتیاج ہوگی کہ آخری حرف اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کا اعراب بالحرف ہو یا اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں۔ صلاحیت نہ ہونے کی صورت میں تعدد مفہوم کے باوجود اسے ترک کر دیں گے۔ اس پر اگر کوئی یہ بات پیش کرے کہ مثلاً "ید" اور "دم" میں تعدد مفہوم بھی ہے اور ان کے آخر میں اصل کے اعتبار سے حرف علت بھی موجود ہے تو انھیں ترک کرنے کا کیا سبب ہے۔؟

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اصل کے اعتبار سے یَدَ اور دَمَ میں خواہ حرف علت موجود ہو مگر حرف علت محذوف ہونے کے باعث نہ ہونے کے درجہ میں ہوگیا اور یہ دونوں درحقیقت ان اسمار کی طرح ہوگئے جن کے آخر میں سرے سے حرف علت موجود ہی نہ ہو۔

وحموکِ۔ کاف کے کسرہ کے ساتھ۔ اس میں مؤنث (عورت) سے خطاب ہے۔ کیونکہ حم علی اختلاف الاقوال شوہر کے باپ یا اس کے عصبہ (بھائی وغیرہ) کو کہتے ہیں اور اس کی اضافت عورت ہی کی جانب درست ہوگی۔ اخوک،

ابوک، ہنوک، حموک ۔ اسمائے ستہ میں سے ان چار کو منقوصاتِ واوی کہا جاتا ہے ۔ اسلئے کہ "اخوک" کا تثنیہ "اخوان"۔ ابوک کا "ابوان"۔ ہنوک کا "ہنوان" اور حموک کا "حموان" آتا ہے اور ان کی اصل ابو اور اخو اور حمو اور ہنو ہے ۔

فوک ۔ فار کے فتحہ اور عین کلمہ کے سکون کے ساتھ اصل کے اعتبار سے فعل کے وزن پر "فوہ" تھا اسکے لام کلمہ ہ کو قطعی طور پر حذف کرکے واؤ کو اس کے بلا اضافت استعمال کی صورت میں میم سے بدل دیتے ہیں اسلئے کہ میم سے تبدیل نہ کرنے کی صورت میں اعراب عین کلمہ پر آئے گا اور واؤ متحرک اس سے پہلے فتحہ ہونے کی بنار پر واؤ الف سے بدلا جائے گا اور دو ساکنوں کے ملنے کے باعث الف ساقط ہوجائیگا اور اس طرح یہ لازم ہوگا کہ اسم فقط ایک حرف پر مشتمل ہو اور یہ صورت درست نہیں البتہ اضافت کی صورت میں اس طرح کا اندیشہ درپیش نہیں ہوتا اسس بنار پر میم اپنی اصل واؤ کی طرف لوٹ جاتا ہے

اضافت بجانب یائے متکلم ہونے کی صورت میں اس کا اصل (یعنی واؤ) کی جانب لوٹنا درست ہوتا ہے ضروری نہیں ۔

ذو ۔ یہ درحقیقت ذَوَوٌ اور دو واؤ کے ساتھ لفیف مقرون تھا ۔ صاحب کتاب نے صرف اسے اسم جنس کی جانب مضاف کیا کہ اسم جنس کے علاوہ کی جانب اس کی اضافت درست نہیں اور جو نظیریں اس کے خلاف پیش کی گئی ہیں ان کا درجہ شاذ کا ہے ۔

ویختص بالمثنیٰ ۔ یعنی اعراب کی یہ قسم پنجم مثنیٰ اور کلا اور اثنان واثنتان کے ساتھ مخصوص ہے ۔ "کلتا" کے تابع "کلا" ہونے کے باعث صاحب کتاب نے اس کے الگ مستقل طور پر ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور محض کلا کے ذکر پر اکتفار کیا اس پر اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ جہاں تک اثنتان کا معاملہ ہے یہ بھی اثنان کی فرع ہی شمار ہوتا ہے پھر اسے بھی الگ ذکر کرنے کی احتیاج کیا تھی ۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اصل بات تو یہی ہے کہ اصل کے ساتھ فرع کا بھی ذکر ہو لیکن اگر کہیں صرف اصل کا ذکر کردینا فرع کے لئے بھی کافی ہو جائے اور فرع کا ذکر کرنا اس بنار پر ضروری نہ رہے تو اس صورت میں فرع کا مستقل ذکر نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے اسلئے صاحب کتاب نے محض "کلا" کے ذکر پر اکتفا کیا اور "اثنتان" کو اس واسطے بیان کیا تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ مونث کا حکم بھی ٹھیک مذکر کا سا ہے ۔

رہی یہ بات کہ صاحب کتاب کے مثنیٰ کے متعلق بیان کرنے کے بعد ان کو الگ سے کس لئے بیان کیا حالانکہ یہ دونوں معنیٰ وصورت دونوں کے اعتبار سے زمرۂ تثنیہ میں داخل ہیں تو دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں حقیقی اعتبار سے مفرد ہیں تثنیہ نہیں ہیں ۔ کیونکہ حقیقی تثنیہ وہ کہلاتا ہے کہ الف اور نون اس کے مفرد کے اخیر میں ملائیں ۔ مثال کے طور پر رجلان، اخوان ۔ اور ان کا برے سے کوئی مفرد نہ ہونے کی بنار پر انھیں حقیقی اعتبار سے مثنیٰ نہیں کہا جا سکتا ۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر صاحب کتاب ان دونوں کا ذکر الگ سے نہ کرتے تو ان کے حقیقی مثنیٰ ہونے کا

وہم وخیال ممکن تھا۔

البتہ نحاۃ کوفہ ان دونوں کو ہر اعتبار سے تثنیہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں الف برائے تثنیہ ہے اور ان کے ہمیشہ مضاف ہونے کی بنا پر ان کا نون محذوف ہونا واجب ہے۔

مگر دیکھا جائے تو نحاۃ کوفہ کا یہ دعویٰ درست نہیں۔ اسلئے کہ ان کی بات صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں جب ان دونوں کی اضافت اسم ظاہر کی جانب ہوتی تو الف برقرار نہ رہتا جبکہ ان کا الف بدستور برقرار رہتا ہے۔ الف کے باقی رہنے سے خود ان دونوں کے مفرد ہونے کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ "کلا" اور کلتا" بلحاظ معنیٰ مثنیٰ اور باعتبار لفظ مفرد ہوں گے اور ان کی اضافت بجانب ضمیر ہونے کی صورت میں معنیٰ کی رعایت کے پیش نظر ان پر اعراب بالحرف آئے گا۔

ویختص بجمع المذکر السالم۔ اس جگہ سالم کی قید لگاکر جمع مکسر سے بچنا مقصود ہے۔ اور یہاں مضاف مقدر و پوشیدہ ماننا اس واسطے ناگزیر ہے تاکہ اس کے زمرہ میں "سنین، ثبین اور قلین" آجائیں اور اس کی تعریف سے "سجلات" اور "سفرجلات" نکل جائیں۔

واولو۔ اسے من غیر لفظہ "ذو" کی جمع قرار دیا گیا ہے۔ اولو پر ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ اس طرح کا اسم ہے کہ اس کے آخر میں واؤ آرہا ہے اور واؤ سے پہلے حرف پر ضمہ ہے اور اس طرح کا اسم متمکن کلام عرب میں موجود نہیں ہے۔ اور ہونے کی صورت میں ایسا کرتے ہیں کہ واؤ یا سے بدل کر اس سے پہلے حرف پر کسرہ لے آتے ہیں تو اسی قاعدۂ مقررہ کا نفاذ "اولو" میں بھی ہونا چاہیئے تھا۔

اس کا جواب یا گیا کہ یہاں واؤ تغیر کی جگہ میں ہے اس واسطے اسے معتبر قرار نہ دیتے ہوئے اس میں مقررہ قاعدہ کا نفاذ نہیں کیا گیا۔ یا یہ کہ اس میں واؤ ضمہ کی جگہ ہے تو گویا یہ ضمہ ہوا واؤ نہ ہوا۔ اور اسی طرح کا اشکال "کفو" پر بھی نہیں ہو سکتا جس کے آخر میں واؤ اور اس سے پہلے حرف پر ضمہ ہے کیونکہ اس کا واؤ غیر اصلیہ ہے بلکہ ہمزہ سے بدل گیا ہے اور خلافِ قاعدہ مقررہ وہ ہے کہ واؤ اصلیہ ہو اور اس سے پہلے حرف پر ضمہ ہو۔

وعشرون مع اخواتہا۔ یعنی کلمہ "عشرون" کے اخوات وامثال۔ یہ سات ہیں۔ ثلاثین (تیس) سے تسعین (نوے) تک۔ "اخت" کی یہی تفسیر ارشاد ربانی " كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا " (الآیۃ) میں کی گئی۔

یہاں "عشرون" کے اخوات کو چھوڑ کر صرف اولو اور عشرون مذکر لائے گئے وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں جمع مذکر سالم میں داخل نہیں۔ کیونکہ جمع مذکر سالم سے مراد وہ اسم مفرد ہے جس کے اخیر میں واؤ یا یاء اور نون مفتوحہ ہو اور "اولو وعشرون" کا ایسا نہ ہونا ظاہر ہے۔

اعراب بالحرف کا سبب

مثنیٰ اور جمع مذکر سالم اور ان کے ملحقات کو حرکات کے اخف ہونے کے باوجود اعراب بالحروف دینے کی وجہ یہ ہے کہ مثنیٰ مع اضافہ واحد کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی حال جمع ہے اور تکثیر حروف سے زیادتی وکثرت کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ حرکات صرف تین ہیں اور حروف

کی تعداد حرکات سے زیادہ ہے تو از روئے انصاف کثیر کو کثیر دیا گیا۔

واعلم اَنَّ نونَ التثنیۃ مکسورۃٌ ابدًا و نونَ جمعِ السّلامۃِ مفتوحۃٌ ابدًا وکلاھُمَا تَسقطانِ عند الاضافۃ تقولُ جاءَنی غلاما زیدٍ و مُسلِمُوا مِصرِ السابعُ ان یکونَ الرفعُ بتقدیرِ الضمۃِ والنصبُ بتقدیرِ الفتحۃِ والجرُّ بتقدیرِ الکسرۃِ ویُختصُّ بالمقصورِ وھو ما فی اٰخِرِہٖ اَلِفٌ مقصورۃٌ کعَصًا وبالمضافِ الیٰ یاءِ المتکلّمِ غیرَ جمعِ المذکرِ السّالِمِ کغُلامی تقول جَاءَنی عصًا وغلامی و رأیتُ عصًا وغلامی و مررتُ بعَصًا وغلامی۔ الثامنُ ان یکونَ الرفعُ بتقدیرِ الضمۃِ والجرُّ بتقدیرِ الکسرۃِ والنصبُ بالفتحۃِ لفظًا ویُختصُّ بالمنقوصِ وھو ما فی اٰخِرِہٖ یاءٌ ما قبلھا مکسورٌ کالقاضِی تقول جاءَنی القاضِی ورأیتُ القاضِیَ ومررتُ بالقاضِی۔ التاسع ان یکون الرفعُ بتقدیرِ الواوِ والنصبُ والجرُّ بالیاءِ لفظًا ویُختصُّ بجمعِ المذکرِ السالمِ مضافًا الیٰ یاءِ المتکلّمِ تقول جَاءَنی مُسلِمِیَّ تقدیرہ مُسلِمُوْیَ اجتمعت الواوُ والیاءُ والاُولیٰ منھما ساکنۃٌ فقلبتِ الواوُ یاءً واُدغِمَتِ الیاءُ فی الیاءِ واُبدِلتِ الضمۃُ بالکسرۃِ لمناسبۃِ الیاءِ فصار مُسلِمِیَّ ورأیتُ مُسلِمِیَّ ومررتُ بمُسلِمِیَّ

ترجمہ :۔ واضح رہے کہ نون تثنیہ ہمیشہ مکسور اور نون جمع سالم ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور یہ دونوں نون بوقتِ اضافت گر جاتے ہیں۔ کہو گے " جاءنی غلاما زیدٍ و مسلمو مصر "

ہفتم قسم اعراب یہ ہے کہ رفع تو ضمۂ تقدیری کے ساتھ اور نصب فتحہ تقدیری اور جر کسرۂ تقدیری کے ساتھ ہو۔ یہ اعراب اسم مقصور کے ساتھ خاص ہے۔ وہ اس طرح کا اسم کہلاتا ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ آئے مثلاً عصا۔ اسی طرح یہ اعراب ایسے اسم کے ساتھ مخصوص ہے جس کی اضافت بجانب یائے متکلم ہو بشرطیکہ وہ اسم جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو مثلاً غلامی "۔ کہو گے " جاءنی عصًا و غلامی، و رأیتُ عصًا و غلامی، و مررتُ بعصًا و غلامی۔

ہشتم قسم اعراب یہ ہے کہ رفع ضمہ تقدیری کے ساتھ اور جر کسرۂ تقدیری کے اور نصب فتحہ لفظی کے ساتھ ہو۔ اعراب کی یہ قسم اسم منقوص کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسم منقوص وہ اسم کہلاتا ہے جس کے اخیر میں ایسی یا آرہی ہو جس کا ماقبل مکسور ہو مثلاً " قاضی "۔ کہو گے " جاءنی القاضی و رأیتُ القاضی و مررتُ بالقاضی۔

قسم نہم یہ ہے کہ رفع واؤ تقدیری کے ساتھ اور نصب وجر یائے لفظی کے ساتھ ہو اور یائے متکلم کی جانب مضاف ہونے کی صورت میں یہ اعراب جمع مذکر سالم کے ساتھ مخصوص ہے۔ کہو گے، "جاءنی مسلمیّ" یہ اصل میں "مسلموی" تھا۔ واؤ اور یاء اکٹھے ہوئے اور ان میں سے اول ساکن ہونے کی بناء پر واؤ کو یاء سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کرکے ضمہ کو یا کی مناسبت کے باعث کسرہ سے بدل دیا تو مسلمیّ ورایت مسلمیّ ومررت بمسلمیّ ہوگیا۔

تشریح ونون التثنیۃ۔ تثنیہ کا نون ہمیشہ اس پر کسرہ آتا ہے اور یہاں ظرف کی بناء پر نصب آیا ہے۔ السلامۃ۔ یہ دراصل صفت نون قرار دی گئی اور اس وجہ سے اس پر نصب آیا۔ اس قید کا فائدہ یہ ہوا کہ نون جمع مکسر سے جو کہ مرفوع بھی ہوتا ہے اور منصوب بھی اس سے اجتناب ہوگیا کہ اس پر رفع بھی آتا ہے اور نصب بھی۔ نیز وہ بوقت اضافت گرتا بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ نون تثنیہ پر تو حالت رفعی ونصبی وجری تینوں حالتوں میں کسرہ آتاہے اور جہاں تک نون جمع کا تعلق ہے اس پر تینوں حالتوں میں فتحہ آیا کرتا ہے۔ نون جمع پر فتحہ آنے اور نون تثنیہ پر کسرہ آنے کا دراصل حقیقی سبب یہ ہے کہ نون حرف ہونے کی بناء پر اس میں اصل یہ ہے کہ وہ مبنی ہو اور مبنی میں اصل ساکن ہوتا ہے۔ پھر جب ساکن پر دو ساکنوں کے ملنے کی بناء پر حرکت آتی ہے تو کسرہ آیا کرتا ہے کیونکہ جمع کے اعتبار سے تثنیہ قلیل ہے اس واسطے اسے کسرہ جو اصل ہے اور نون جمع کو فتحہ دیا گیا۔ جمع کے نون کو فتحہ نون تثنیہ سے امتیاز اور التباس سے بچانے کی خاطر دیا گیا۔ ضمہ اس کے ثقیل ہونے کی بناء پر نہیں دیا۔

وکلاہما تسقطان عندالاضافۃ۔ بوقت اضافت نون تثنیہ وجمع دونوں ساقط ہوجاتے ہیں اسلئے کہ بعوض تنوین یہ آئے ہیں اور جہاں تک تنوین کا تعلق ہے وہ بوقت اضافت ساقط ہوجاتی ہے تو یہ دونوں نون بھی اضافت کے وقت گرجائیں گے۔ البتہ نون جمع ونون تثنیہ پر الف لام آنے کی صورت میں یہ نہیں گرتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جہاں ان کے بعوض تنوین ہونے کا لحاظ ہوتا ہے وہاں تو ساقط ہوجاتے ہیں اور جس جگہ انھیں بعوض حرکت تسلیم کیا جاتا ہے وہاں نہیں گرتے۔

ویختص بالمقصور۔ اعراب کی یہ قسم ہفتم اسم مقصور ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس اسم پر ہوتا ہے جس کے اخیر میں الف مقصورہ آئے چاہے لفظاً ہو مثال کے طور پر "عصا" یا وہ دو ساکنوں کے ملنے کے باعث مع تنوین محذوف ہو مثلاً "عصیً" اس تعریف کے ذریعہ یہ بات واضح ہوگئی کہ ایسا اسم جس کے اخیر میں الف مقصورہ کے بجائے الف ممدودہ ہو وہاں اس طرح کا اعراب نہ آئے گا۔

تقدیری اعراب اسم مقصورہ میں ہونے کا حقیقی اور واقعی سبب یہ ہے کہ اس اسم کے اخیر میں الف آتا ہے جو حرکات کا تحمل نہیں کرسکتا اسلئے کہ اگر الف پر حرکت آئے تو وہ بجائے الف کے ہمزہ ہوجائے گا اسی سبب سے اس پر لفظاً اعراب لانا دشوار ہے اور تینوں صورتوں میں اعراب تقدیری ہی آتا ہے۔

وبالمضاف الیٰ یاء المتکلم۔ اعراب کی یہ ذکر کردہ قسم اس اسم کے ساتھ خاص ہے جس کی اضافت بجانب یائے متکلم ہو اس سے قطع نظر کہ یہ اسم جمع مؤنث سالم ہو یا مفرد یا جمع مکسر البتہ جمع مذکر سالم نہ ہونا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ اس جمع مذکر سالم کا اعراب جس کی اضافت یائے متکلم کی جانب ہو دوسرا ہے۔

ایسا اسم جس کی اضافت یائے متکلم کی جانب ہو اس میں لفظاً اعراب لانا اسلئے دشوار ہے کہ عامل کے آنے سے پہلے ہی یا کے ماقبل پر کسرہ ثابت ہو گیا۔ وجہ یہ ہے کہ اضافت کا تحقق عامل کے آنے سے پہلے ہے کہ مفرد مرکب سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ پس بوجہ عامل بسبب ترکیب اعراب آنے پر اس جگہ منافی پائے جانے کی صورت میں اسے تقدیراً لانا واجب ہو گیا اعراب بالحرکت لفظاً دینے کی صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ بحالتِ رفعی و نصبی ایک ہی حرف پر دو مختلف حرکات آئیں اور بحالتِ جری دو حرکات متماثل اور ایک ہی جیسی آئیں۔

ویُنقص جمع المذکر السالم۔ صاحب کتاب اعراب تقدیری بالحرکت سے فراغت کے بعد اب اعراب تقدیری بالحرف کو ذکر فرما رہے ہیں۔ اس اعراب کے تقدیری ہونے کا سبب صرف ثقل ہے متعذر دشوار ہونا نہیں۔ جمع مذکر سالم بجانب یائے متکلم اضافت کی صورت میں بحالت رفعی اس کا اعراب تقدیری ہوا کرتا ہے اور بحالت نصبی و جری لفظاً ہوا کرتا ہے۔ واؤ کے تقدیری ہونے کا سبب دراصل یہ ہے کہ اگر بوقت اضافت واؤ کا تکلم ہو تو وہ ثقیل ہوگا اسلئے کہ واؤ کو اختِ ضمہ قرار دیا جاتا ہے اور یاء اخت کسرہ شمار ہوتی ہے۔ اب واؤ کے تلفظ کی صورت میں ضمہ سے بجانب کسرہ آنا لازم آئے گا جو بجائے خود ثقیل ہے۔ پس واؤ کو یاء سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کیا۔ اس کے برعکس نصب و جر کی حالت کہ وہاں ـــ علامت یا شمار ہوتی ہے اور بصورتِ ادغام یا در یا کسی طرح کی ثقالت پیدا نہیں ہوتی اس لئے کہ اس میں ضمہ سے کسرہ کی جانب آنا لازم نہیں آتا بلکہ کسرہ ـ بجانب کسرہ آنا ہے اور یا جو کہ علامت کسرہ ہے اس کے اپنے حال پر برقرار رہتے ہوئے متکلم کی یا میں ادغام ہوا اور ادغام سے کوئی شے اپنی حقیقت سے نہیں نکلتی بلکہ بذریعہ ادغام ابدال ہوا کرتا ہے۔ اس تفصیل کے مطابق بحالت نصب و جر اعراب لفظاً رہا اور بحالت رفع تقدیری رہا۔

تقدیرہ مسلموی یعنی بجانب یائے متکلم اضافت کے باعث نون ساقط ہو گیا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ بوقت اضافت نون اعرابی ساقط ہو جایا کرتا ہے تو مسلمونَ سے مسلمویَ ہوا اب واؤ اور یاء کے ایک کلمہ میں اکٹھے ہونے کے باعث واؤ کو یاء سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کیا۔ نیز یا کی مناسبت سے اس سے پہلے حرف کے ضمہ کو کسرہ سے بدلا تو یہ مسلموی سے مسلمیّ ہوا۔

واضح رہے کہ بعض اوقات اعراب جمع مذکر سالم تینوں حالتوں یعنی حالتِ رفعی، نصبی و جری میں تقدیری ہو جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ اسکی اضافت بجانب معرف باللام ہو۔

فصل الاسم المعرب علیٰ نوعین مُنصرفٌ وھو مالیس فیہ سببانِ اوواحدٌ یقومُ مَقامَھُمَا مِن الاسباب التّسعۃ کزید ویُسمّیٰ الاسمَ المتمکّنَ وحُکمُہٗ

ان يَّدخُلَهُ الحركاتُ الثلثُ مَعَ التَّنوِين تقولُ جَاءَنِي زَيدٌ ورأيتُ زَيداً ومررتُ بزيدٍ وغيرُ مُنصَرِفٍ وهو مَافِيهِ سَبَبَان او وَاحِدٌ مِّنهَا يقومُ مقامَهما

ترجمہ:- فصل۔ اسم معرب دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) منصرف۔ وہ اسم کہلاتا ہے جس میں نو اسباب منع صرف میں سے دو سبب یا ایک ایسا سبب نہ ہو جو دو کے قائم مقام ہو۔ مثلاً زید۔ اور اسم معرب کا نام اسم متمکن بھی ہے۔ منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر تینوں حرکات مع تنوین آتی ہیں۔ کہو گے "جاءنی زیدٌ ورأیتُ زیداً ومررتُ بزیدٍ۔

(۲) غیر منصرف۔ وہ اسم کہلاتا ہے جس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب ہوں یا ایک ایسا سبب ہو جو دو کے قائم مقام شمار ہوتا ہو۔

تشریح: الاسم المعرب علیٰ نوعین الخ اس جگہ اعراب منصرف وغیر منصرف کی تفصیل بیان کی گئی تو صاحب کتاب نے ان کی تعریف تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کا قصد کیا تاکہ ان سے متعلق جزئیات کا علم بھی علی وجہ البصیرت ادر کما حقہ حاصل ہو جائے۔ اسی بنیاد پر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ معرب دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) منصرف (۲) غیر منصرف بلحاظ اعراب منصرف میں تین طرح کے احتمالات موجود ہیں (۱) بدل ہونے کے باعث مجرور ہونا۔ یہ تینوں صورتوں میں سے بہتر صورت ہے اس واسطے کہ اس شکل میں حذف کی ضرورت نہ ہوگی۔

(۲) محذوف مبتدا کی خبر ہونے کے باعث رفع (۳) محذوف فعل کا مفعول بہ ہونے کے باعث نصب۔

وہو مالیس فیہ سببان۔ اگر کسی کو یہاں پر یہ اشکال ہو کہ اول صاحب کتاب نے منصرف کا ذکر کیا تو منصرف کا ذکر غیر منصرف سے قبل کرنے کا کیا سبب ہے۔ غیر منصرف کا ذکر بھی پہلے ہو سکتا تھا۔ تو مقدم کرنے کا دراصل سبب یہ ہے کہ غیر منصرف کے مقابلہ میں منصرف کی حیثیت اصل کی ہے۔ علاوہ ازیں افرادِ منصرف بھی غیر منصرف سے بڑھے ہوئے ہیں اس بنا پر منصرف کا ذکر پہلے کیا۔

ویسمی الاسم المتمکن۔ یعنی اس کا دوسرا نام اسم متمکن بھی ہے۔ منصرف کا حکم یہ ہے کہ فصل سے عدم مشابہت کے باعث اس پر تینوں حرکات تنوین سمیت آیا کرتی ہیں۔

وغیر منصرف وہو مافیہ الخ واضح رہے کہ ایک سبب کے دو اسباب کے قائم مقام ہونے سے مقصود یہ ہے کہ اس ایک ہی سبب کا اتنا اثر ہو جتنا اثر دو سببوں کا ہوا کرتا ہے۔

والاسبابُ التسعةُ هي العَدلُ[۱] والوَصفُ[۲] والتانيثُ[۳] والمعرفةُ[۴] والعُجمةُ[۵] والجمعُ[۶] والتركيبُ[۷] والالفُ والنونُ الزائدتانِ[۸] ووزنُ الفعلِ[۹] وحكمُها

ان لا يدخلهُ الكسرةُ والتنوينُ ويكونُ فى مَوضعِ الجرّ مفتوحًا ابدًا تقولُ جاءنى احْمَدُ ورأيتُ احْمَدَ ومررتُ باحْمَدَ. **اما العدلُ** فهو تغيّر اللفظِ من صيغتِهِ الاصليةِ الى صيغةٍ اُخرىٰ تحقيقًا اوتقديرًا ولا يجتمعُ مع وزنِ الفعل اصلًا ويجتمعُ مَعَ العلميّةِ كعُمَرَ وزُفَرَ ومع الوصفِ كثُلاثَ ومَثْلَثَ واُخَرَ وجُمَعَ **امّا الوصفُ** فلا يجتمعُ مَعَ العلميّةِ اصلًا وشرطهُ ان يكون وصفًا فى اصل الوضع فاَسْوَدُ وارقمُ غيرُ منصرفٍ وان صارا اسمَيْنِ للحيّةِ لاصالتهما فى الوصفيّةِ واَربعٌ فى مررتُ بنسوةٍ اربعٍ منصرفٌ مع اَنّهُ صفةٌ ووزنُ الفعل لعدم الاصالة فى الوصفيةِ **امّا التانيثُ** بالتاءِ فشرطُهُ اَن يكونَ عَلَمًا كطلحةَ وكذلك المعنويُّ ثم المعنويُّ إن كان ثلاثيا ساكنَ الاوسَطِ غيرَ اعجميٍّ يجوزُ صرفُهُ وتركُهُ لاجل الخِفّةِ ووُجُودِ السّبَبَين كهندٍ والا يجبُ منعُهُ كزينبَ وسَقرَ وماهَ وجُورَ و التانيثُ بالالف المقصورةِ كحُبلىٰ والممدودةِ كحمراءَ ممتنعٌ صرفهما البتّةَ لان الالفَ قائمٌ مقام السببين التانيثِ ولزومِهِ **امّا المعرفةُ** فلا يُعتبَرُ فى مَنعِ الصّرفِ منها الّا العلميّةُ وتجتمعُ مَعَ غيرِ الوصفِ **امّا العُجمةُ** فشرطُها ان تكونَ علمًا فى العجمةِ وزائدةً على ثلثة احرفٍ كابراهيمَ اوثلاثيًا متحرّكَ الاوسطِ كشَتَرَ فلجامٌ منصرفٌ لعدم العلميّةِ ونوحٌ منصرفٌ لسكون الاوسَطِ **امّا الجمعُ** فشرطُهُ اَنْ يكونَ على صيغةِ منتهى الجُمُوعِ وهُوَ اَنْ يكونَ بعدَ الفِ الجمعِ حرفانِ كمَسَاجِدَ اوحرفٌ مشدّدٌ مثل دَوابّ اوثلثةُ احرفٍ اوسطُها ساكنٌ غيرُ قابلٍ للهاءِ كمَصَابيحَ فصَيَاقِلةٌ وفرازنةٌ منصرفٌ لقبولهما الهاءَ وهو ايضًا قائمٌ مقامَ السّببَين الجمعيّةُ ولزومُها وامتناعُ ان يجمعَ مرّةً اُخرىٰ جمعَ التكسيرِ فكانهُ جُمعَ مرّتَين **امّا التركيب** فشرطُهُ ان يكونَ علمًا بلا اضافةٍ ولا اسنادٍ كبَعلبكَ فعبدُ اللهِ منصرفٌ ومعدِ يكربُ غيرُ منصرفٍ وشابَ قرناها مبنى **امّا الالفُ والنونُ الزائدتانِ** ان كانتا فى اسمٍ فشرطُهُ ان يكونَ علمًا كعِمرانَ وعُثمانَ فسَعْدانُ اسمُ نبتٍ منصرفٌ لعدم العلميّةِ وان كانتا فى صفةٍ فشرطُه ان لايكونَ مؤنثُهُ على فَعلانةٍ كسكرانَ فندمانُ منصرفٌ لوجودِ ندمانةٍ **امّا وزنُ الفعلِ** فشرطُهُ ان يختصّ بالفعل

وَلَایُوجَدُ فی الاسمِ المنقولاً عَن الفِعل کشَمّر وضُرِبَ وان لم یختَصَ
بہٖ فیجبُ اَن یکوْنَ فی اولہٖ اِحدیٰ حرُوفِ المُضارعة ولایَدخُلہُ الھاء
کاحمَد ویشکرُ وتغلِبَ ونَرجِس فیعملٌ منصرفٌ لِقبُولھاالھاءَ کقولِھمْ
نَاقۃٌ یَعمَلۃٌ

ترجمہ :۔ اور اسبابِ منع صرف نو ہیں (۱) عدل (۲) وصف (۳) تانیث (۴) معرفہ
(۵) عجمہ (۶) جمع (۷) ترکیب (۸) الف نون زائدتان (۹) وزن فعل۔ اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے
کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے اور جر کی جگہ ہمیشہ فتحہ آتا ہے کہوگے "جاءنی احمدُ ورایتُ احمدَ ومررتُ
باحمدَ۔ عدل وہ ہے کہ لفظ اس کے اصل صیغہ دوسرے صیغہ سے بدلا جائے۔ یہ تبدیلی واقعی ہو یا بالفرض
اور عدل کبھی وزن فعل کے ساتھ نہیں آتا اور علمیت کے ساتھ آتا ہے مثلاً عُمَرُ و زُفَرُ اور عدل
وصف کے ساتھ بھی آتا ہے مثلاً ثُلاث اور مثلث اور اُخَرُ اور جُمَعُ۔ اور وصف علمیت کے ساتھ
بالکل نہیں آتا بشرطیکہ یہ وصف اصل وضع کے اعتبار سے ہو اور "اسود" اور "ارقم" غیر منصرف ہیں
اگرچہ یہ دونوں سانپ کے نام ہیں اسلئے کہ یہ باعتبار وضع اصلی وصف ہیں اور "مررتُ بنسوۃ اربع"
میں "اربع" وزن فعل اور صفت ہونے کے باوجود منصرف ہے۔ کیونکہ اس میں وصفیت اصل وضع کے اعتبار
سے نہیں۔ تانیث بالتاء میں اس کا علم ہونا شرط ہے۔ مثلاً "طلحۃ" اور اسی طریقہ سے علم ہونا تانیث معنوی میں
شرط ہے۔ پھر تانیث معنوی اگر ثلاثی ایسی ہو کہ اس کا درمیانی حرف ساکن غیر عجمی ہو تو خفیف و ہلکا ہونے اور
دو سبب پائے جانے کے باعث یہ جائز ہے کہ خواہ وہ منصرف ہو یا غیر منصرف ورنہ اس کا غیر منصرف ہونا واجب
ہوگا مثلاً زینبُ، سَقَرُ، ماہُ، جُوْرُ۔ اور وہ تانیث جو الف مقصورہ کے ساتھ ہو مثلاً "حبلیٰ" اور وہ تانیث
جو الف ممدودہ کے ساتھ ہو مثلاً "حمراء" ان کا منصرف ہونا قطعاً ممنوع ہے اسلئے کہ الف مقصورہ اور ممدودہ
دونوں دو اسباب تانیث اور اس کے لزوم کے قائم مقام ہیں۔ اور معرفہ اس کا منع صرف میں محض بصورت
علمیت اعتبار ہوتا ہے۔ یہ وصف کے علاوہ کے ساتھ بھی آجاتا ہے۔ عجمہ میں یہ شرط قرار دیگئی کہ وہ در زبان
عجمی علم واقع ہو علاوہ ازیں تین سے زیادہ اسمیں حرف ہوں مثلاً "ابراہیم" یا تین حرف ہوں تو اس کا درمیانی
حرف متحرک ہو مثلاً "شَتَرُ"، تو "لجام" علمیت نہ ہونے کے باعث منصرف ہے اور "نوح" درمیانی حرف
ساکن ہونے کی بنا پر منصرف ہے۔
اور جمع میں اس کے منتہی الجموع کے صیغہ پر ہونے کی شرط قرار دیگئی ہے۔ وہ یہ کہ الفِ جمع کے بعد دو حرف
ہوں مثلاً "مساجد" یا یہ کہ ایک حرف مشدد ہو مثلاً "دوابّ" یا تین ایسے حرف ہوں جن کا درمیانی
حرف ساکن ہو اور اس صیغۂ منتہی الجموع میں ہا کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو مثلاً "مصابیح" تو "صیاقلۃ"

اور "فرازنۃ" اسلئے منصرف شمار ہوتے ہیں کہ ان میں ھا کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور اسے بھی دو اسباب کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے یعنی جمعیت اور اس کا لزوم۔ اور یہ ممنوع ہے کہ دوسری بار اس کی جمع تکسیر بنائی جائے کیونکہ گویا اس طرح دوبار جمع بنانا لازم آئے گا۔

اور ترکیب میں یہ شرط ہے کہ بلا اضافت اور بلا اسناد علم ہو۔ مثلاً "بعلبک" تو عبداللہ منصرف اور معدیکرب غیر منصرف اور "شاب قرناہا" مبنی ہے۔

اور الف نون زائدتان کے اسم میں ہونے پر علم ہونا شرط ہے۔ مثلاً "عمران" اور "عثمان" تو "سعدان" جو ایک طرح کی گھاس کا نام ہے۔ عدم علمیت کی بنار پر منصرف ہے اور الف ونون زائدتان صفت میں ہونے پر یہ شرط قرار دی گئی کہ ان کا مؤنث "فعلانۃ" کے وزن پر نہ ہو مثلاً "سکران" تو "ندمان" ندمانۃ کے (یعنی فعلانۃ کے وزن پر ہونے کے) باعث منصرف ہے۔

اور وزن فعل۔ اس میں فعل کے ساتھ مخصوص ہونا شرط قرار دیا گیا ہے اور یہ کہ اسم میں اس کا پایا جانا فعل سے منقول ہونے کی بنیاد پر ہو مثلاً "شَمَّرَ" اور "ضُرِبَ" اور فعل کے ساتھ مخصوص نہ ہونے کی صورت میں یہ واجب ہوگا کہ اس کے شروع میں مضارع کے حروف میں سے کوئی حرف ہو نیز اس پر ھا نہ آئے مثلاً "احمد" "یشکر" "تغلب" اور "نرجس"

تو "یعمل" ہا کے قبول کرنے کی بنیاد پر منصرف شمار ہوتا ہے مثلاً ان کا قول "ناقۃ" "یعملۃ"۔

تشریح والاسباب التسعۃ۔ اس سے قبل منصرف اور غیر منصرف کے متعلق جب ذکر کیا گیا اور ان دونوں کی تعریف بیان کی گئی تو اسبابِ منع صرف نو ۹ بتا کر اجمالاً ان کا ذکر کر دیا گیا تھا اور تعریف کے سلسلہ میں اجمالی بیان سے مقصد اصلی وحقیقی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسی مصلحت کے پیش نظر اس جگہ صاحب کتاب ان نو اسباب کو تفصیلاً بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ منع صرف کے کل اسباب کی اصل تعداد کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے۔

بعض کے نزدیک غیر منصرف کے اسباب فقط حکایت (نقل) اور وزن فعل ہیں۔

بعض کے نزدیک غیر منصرف کے اسباب کی کل تعداد نو نہیں گیارہ ہے۔ نو اسباب تو وہی ہیں جن کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہے اور سبب دہم علمیت کے باقی نہ رہنے پر وصفیتِ اصلیہ کا معتبر ہونا۔ اور گیارہواں سبب تانیث کا الف اس سے قطع نظر کر وہ ممدودہ ہو یا مقصورہ۔

بعض کے نزدیک ان کی تعداد تیرہ ہے نو اسباب وہ جو کتاب میں بیان کئے گئے اور دو سبب وہ جو گیارہ تسلیم کرنے والوں نے بیان کئے اور مزید دو سبب تکرارِ جمع اور لزوم تانیث ہیں۔

مگر کیونکہ ان مختلف اقوال میں تحقیق سے زیادہ قریب نو کا قول ہے۔ اس بنار پر صاحب کتاب نے نو اسباب

ہی بیان فرمائے۔

وحکمہ ان لا یدخلہ الکسرۃ الخ یعنی دو اسباب یا ایک ایسے سبب کے باعث جو دو کے قائم مقام ہو۔ اس پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ نہ تو غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین آتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کسرہ کی جگہ ہمیشہ فتحہ آتا ہے صاحب کتاب کی اس عبارت میں دیکھا جائے تو "حکمہ" مبتدا واقع ہوا ہے اور "ان لا یدخل" اسکی خبر۔

ایک اشکال اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ وہ اسماء جن کی فعل کے ساتھ مشابہت ہے ان کے احوال الگ الگ ہیں ان میں سے بعض کا حال یہ ہے کہ وہ عامل بھی ہوتے ہیں اور مبنی بھی اور بعض فقط مبنی ہوا کرتے ہیں تو آخر اس کا کیا سبب ہے کہ غیر منصرف کی فعل سے مشابہت کے باوجود یہ نہ مبنی ہے اور نہ ہی عامل اس کا جواب دیتے ہیں کہ اسم کے ساتھ مشابہت فعل کی دراصل تین شکلیں ہیں (۱) اعلیٰ صورت (۲) متوسط شکل (۳) ادنیٰ صورت۔ اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت تام ہونے کی شکل میں اسم مبنی بھی ہوا کرتا ہے اور عامل بھی۔ مثلاً اسمائے افعال کہ وہ عامل اور مبنی دونوں ہوتے ہیں۔

اور مشابہت اسم فعل کے ساتھ متوسط ہونے کی صورت میں وہ محض عامل ہوا کرتا ہے۔ مثلاً اسم مفعول وغیرہ اور اگر یہ اسم ایسا ہو کہ اس کی فعل کے ساتھ مشابہت ادنیٰ درجہ کی ہو تو اس صورت میں عامل اور مبنی میں سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ خصوصیات فعل میں اسے شریک فعل قرار دیتے ہیں مثلاً غیر منصرف کہ اس کی فعل کے ساتھ مشابہت نہ بصورت عامل ہے اور نہ مبنی ہونے کی شکل میں بلکہ محض فرع ہونے کے لحاظ سے مشابہت فعل ہے تو جس طریقہ سے فعل میں دو فرعیں ہوا کرتی ہیں یعنی مصدر سے اس کا اشتقاق اور فاعل کی احتیاج ٹھیک اسی طریقہ سے غیر منصرف میں بھی دو فرعوں کا وجود ہوتا ہے یعنی اس میں اسباب منع صرف میں سے دو سببوں کا وجود ہوتا ہے اور ہر سبب کا درجہ دوسرے کے لئے فرع کا ہے۔

اما العدل۔ غیر منصرف کے دوسرے اسباب پر عدل کو مقدم کرنے اور سب سے پہلے اس کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بلا کسی شرط کے غیر منصرف میں اثر انداز ہوتا ہے۔ جو تعریف عدل کی اوپر بیان کی گئی اس پر ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عدل دراصل مرادِف اخراج اور متعدی شمار ہوتا ہے تو پھر جیسے صفت متکلم اخراج کو قرار دیا گیا ایسے ہی عدل کو بھی اس کی صفت قرار دیا جانا چاہئے جبکہ یہ دیکھتے ہیں کہ سارے اسباب منع صرف صفتِ اسم شمار ہوتے ہیں۔

اس کا جواب دیا گیا کہ اس جگہ عدل درحقیقت مبنی للمفعول قرار دیا گیا یعنی کون الاسم معدولاً اور یہ صفت متکلم نہیں بلکہ صفت اسم ہے اس تفصیل کی بنیاد پر مذکورہ اشکال دور ہو گیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ صاحب کتاب نے عدل کے بارے میں "تغیر اللفظ من صیغتہ الاصلیہ" کے الفاظ استعمال کئے۔ صیغہ دراصل صورت کو کہا جاتا ہے اور لفظ کا اطلاق صورت اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے تو اس تعریف کے ذریعہ یہ بات لازم آئی کہ کلمہ (لفظ)

اپنے ایک جزو کے ذریعہ جسے صورت کہتے ہیں متغیر ہو اور ایسا ہونا غلط ہے۔

اس کا جواب دیتے ہیں کہ بذریعہ لفظ مقصود دراصل مادہ ہے۔ مجموعہ مادہ وصورت مقصود نہیں یہ قیود لگانے کے باعث عدل کی تعریف کے سلسلہ کے بہت سے اشکالات دور ہو گئے۔ اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ صاحب کتاب نے تغیر میں صیغہ کی قید لگائی اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ تغیر کا جہاں تک تعلق ہے وہ محض صیغہ میں ہوگا اور مادہ جوں کا توں برقرار رہے گا تو اس کی بنیاد پر وہ اسماء تعریف عدل سے نکل گئے جن میں مادہ کے اندر بھی تغیر ہوتا ہے اور صیغہ کی بجانب ضمیر اضافت کی صورت میں تعریف عدل سے مشتقات خارج ہو گئے کیونکہ مشتقات ہیئت مصدر سے نکلے ہیں ان کا نکلنا اپنی ہیئت سے نہیں ہے۔

پھر کیونکہ صیغہ میں صفت اصلیہ کی قید لگائی گئی تو اس کے ذریعہ شاذ مغیرات مثلاً "اقوس" اور "انیب" نکل گئے کہ انھیں خلاف قیاس "قوس" اور "ناب" کی جمع قرار دیا گیا ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ "اقواس" اور "انیاب" ان کی جمع ہوتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قاعدہ کے مطابق ایسا اسم جو اجوف یائی اور واوی ہو اور وہ "فَعْلٌ" کے وزن پر آرہا ہو تو بروزن "افعال" اس کی جمع آیا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر "عین" کی جب جمع آئے گی تو "اعیان" آئے گی۔ اس ذکر کردہ قاعدہ کے مطابق ہونا تو یہی چاہیئے تھا کہ "ناب" اور "قوس" کی جمع "انیاب" اور "اقواس" آتی۔ "اَفْعُلٌ" کے وزن پر ان کی جمع جو "انیب" اور "اقوس" آئی وہ قیاس اور مقررہ قاعدہ کے خلاف آئی۔

اب اگر کوئی یہ بات کہے کہ اول "ناب" اور "قوس" کی جمع "اقواس" اور "انیاب" تھی اس کے بعد ان کی جمع "انیب اور اقوس" قرار پائی تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر یہی صورت ہوتی تو پھر انھیں مغیرات شاذہ کا نام نہ دیا جاتا۔

تحقیقاً او تقدیراً۔ صاحب کتاب اس عبارت کے ذریعہ دراصل یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عدل دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک قسم اس کی تحقیقی کہلاتی ہے اور دوسری تقدیری۔ عدل تحقیقی اسے کہتے ہیں کہ جس میں لفظ کی تبدیلی اس سے کی گئی ہو جس کا وجود خارج میں موجود اور ثابت ہو۔ نیز خارج میں اس کے ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معدول عنہ کا وجود معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ کسی اور چیز سے ثابت ہو

اور عدل کی دوسری قسم تقدیری وہ کہلاتی ہے جس میں لفظ کی تبدیلی فرض کردہ اور مقدر و پوشیدہ معدول عنہ کے ذریعہ ہو اور معدول عنہ کے وجود کی نشاندہی بجز اس کے نہ ہو کہ معدول غیر منصرف پڑھا جا رہا ہے۔

ولا یجتمع مع وزن الفعل اصلا۔ وزن فعل اور عدل دونوں یکجا نہیں ہوتے یعنی اس طرح کا کوئی اسم نہیں ہوتا کہ وہ معدول ہونے کے ساتھ ساتھ وزن فعل پر بھی آرہا ہو۔ عدل کے اوزان الگ ہیں اور فعل کے اوزان اس سے بالکل علیحدہ۔

اوزان عدل مفعلٌ، فُعالٌ، فُعَلٌ، فَعَالٌ، فَعَلِ اور فَعَالِ ہیں۔ اور عدل کے ان ذکر کردہ اوزان میں سے کسی وزن پر فعل نہیں آتا۔

ویجتمع مع العلمیۃ کعمر۔ کلام عرب میں اس کا استعمال غیر منصرف میں ہوتا ہے اور اس میں بجز اس کے کہ اسے

غیر منصرف پڑھا جائے اور کوئی سبب نہیں پایا جاتا۔ اس بنا پر سبب ثانی اس میں تقدیراً عدل قرار دیا گیا۔ لیکن کیونکہ عدل کا معتبر ہونا اس کا انحصار اصل یعنی معدول عنہ کے پائے جانے پر ہے اور اس میں بجز غیر منصرف استعمال ہونے کے اس کے وجود پر کسی اور چیز سے دلالت نہیں ہوتی۔ اس بنا پر کہا گیا کہ عمر دراصل عامر سے اور زفر زافر سے معدول ہے ہے۔ کثلٰث ومثلث۔ اہل عرب کے یہاں ان دونوں کا استعمال غیر منصرف میں ہوتا ہے اور کیونکہ غیر منصرف میں یہ ناگزیر ہے کہ دو سبب پائے جائیں اور اس جگہ محض وصف اصلی پایا جا رہا ہے تو سبب ثانی اس میں عدل تحقیقی قرار دیا جائیگا عدل تحقیقی اس طرح ہے کہ ان دونوں میں معنیٔ تکرار پائے جاتے ہیں اور معنیٔ تکرار سے لفظ کی تکرار کی نشاندہی ہوتی ہے تو پتہ چلا کہ دراصل یہ ثُلٰث ومثلث۔ ثلاثۃ ثلاثۃ تھے۔ پھر یہ معنیٔ تکرار سے معدول ہوئے اور ثلٰث ومثلث ہو گئے۔

اما الوصف فلا یجتمع مع العلمیۃ اصلا۔ یہاں صاحب کتاب یہ بیان کر رہے ہیں کہ ضابطہ یہ ہے کہ وصف اور علمیت باہم متضاد ہونے کی بنا پر کبھی اکٹھے نہیں آتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وصف مبہم ذات کی نشاندہی کرتا ہے اور اس کے برعکس علمیت سے معین ذات کی نشاندہی ہوتی ہے اور مبہم ومتعین کے درمیان تضاد ہے کہ دونوں کا بیک وقت اکٹھا ہونا ممکن نہیں۔

وشرطہ ان یکون وصفاً فی اصل الوضع۔ وصف دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) وصفی (۲) عارضی۔ یعنی اگر اسم سے ایسی ذات کی نشاندہی ہوتی ہو جس میں بعض صفتوں کی رعایت کی گئی ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ اگر یہ اسم بعض صفات کی نشاندہی اس بنیاد پر کرے کہ وضع کرنے والے نے انھیں اسی کے واسطے وضع کیا تھا اس سے قطع نظر کہ وہ صفت اس میں باقی ہو یا نہ ہو مثلاً ضارب یا مضروب کہ اس کا پتہ نہ ہو۔ یہ صورت تو اس پر غلبۂ اسم کی صورت میں پیش آئے گی مثلاً "اسود" "ارقم"۔ اس کی دوسری قسم عارضی ہے کہ وضع کرنے والے نے معین ذات کی نشاندہی کی خاطر اس کی وضع کی ہو اور یہ عارضی استعمال کے باعث مبہم ذات کو بتانے لگے۔ مثلاً "مررتُ بنسوۃ اربع"
یہ بات ذہن نشین رہے کہ جہاں تک وصف اصلی کا تعلق ہے اسے تو یہ قوت حاصل ہے کہ وہ منصرف کو غیر منصرف کی جانب لوٹا دے اور اس کے برعکس وصف عارضی کو اس طرح کی قوت بالکل حاصل نہیں۔ تو خلاصہ یہ کہ وصف معتبر ہوگا اور عارضی وصف کا اعتبار نہ ہوگا۔ جب وصف اصلی معتبر قرار پایا تو خواہ اب اس پر غلبۂ اسم ہی کیوں نہ ہو جائے اس وصف کے منع صرف کے سبب بننے میں کوئی حرج واقع نہ ہوگا۔

غلبۂ اسمیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا اسم جس سے وصفی معنی کی نشاندہی ہوتی ہو اس کا اپنے بعض افراد سے اختصاص اس طریقہ سے ہو جائے کہ ان بعض افراد کی اس کے ساتھ نشاندہی میں کسی طرح کے قرینہ کی احتیاج باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر "اسود" کہ وضع اصلی کے اعتبار سے اس کا اطلاق ہر کالی چیز پر ہوتا ہے مگر کثرتِ استعمال کے باعث یہ لفظ کالے سانپ ہی کے لئے مستعمل ہونے لگا۔

لاصالتہما۔ صاحب کتاب یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وصفِ اصلی پر غلبۂ اسمیت بھی ہو جائے تو وہ اس کیلئے

ضرر رساں نہیں۔ لہٰذا اسود وارقم غلبۂ اسمیت کے باوجود غیر منصرف ہی شمار ہونگے۔

لعدم الاصالۃ فی الوصفیۃ۔ یہاں یہ بتارہے ہیں کہ "اربع" میں کیونکہ وصف اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے اس لئے یہ منصرف ہی شمار ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ "اربع" کی وضع ایک معین عدد کے واسطے ہوئی ہے اور تعیین کو منافئ وصف قرار دیا جاتا ہے تو پتہ چلا کہ اس میں اصلی نہیں عارضی ہے اور اس میں وصفیت عارضیہ کی نشاندہی اس سے ہوتی ہے کہ "مررت بنسوۃ اربع" میں نسوۃ تو موصوف ہے اور اربع اسکی صفت اور ضابطہ یہ ہے کہ صفت اس طرح کی ہو جس کا حمل موصوف پر ہو سکتا ہو اور اس جگہ یہ صورت نہیں اسلئے کہ اگر اربع کو نسوۃ پر محمول کیا جائے تو یہ بات لازم آئے گی کہ معدود اور عدد ایک ہوں اور ایسا ہونا باطل و غلط ہے تو یہاں لازمی طور پر "موصوف" کا لفظ محذوف قرار دیا جائے گا یعنی "مررت بنسوۃ موصوفۃ باربع" اس جگہ لفظ "موصوف" تو حذف کر دیا اور اس کی جگہ لفظ "اربع" رکھا۔ اس لحاظ سے "اربع" میں معنیٰ وصفیت آگئے۔

اما التانیث بالتاء۔ یہ بات واضح رہے کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ تانیث جو مع التاء ہو (۲) وہ تانیث جو بغیر تا کے ہو۔ جو تانیث بلا تاء کے ہو اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مع الف مقصورہ ہو اور دوسری وہ جو مع الف ممدودہ ہو۔ اور تانیث مع التاء بھی دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ تاء لفظوں میں موجود ہو، دوسری یہ کہ تاء لفظوں میں نہ ہو بلکہ پوشیدہ ہو۔ وہ تانیث جو مع التاء الملفوظ ہو، اس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مع التاء المتحرکہ (۲) مع التاء الساکنہ۔ تائے ساکنہ کے ساتھ تانیث یہ فعل کی خصوصیات میں سے ہے۔ وہ تانیث جو پوشیدہ تاء کے ساتھ ہو اسے مونث معنوی کہا جاتا ہے۔

فشرطہ ان یکون علماً۔ یعنی تانیث مع التاء الملفوظ میں منع صرف کے سبب بننے کی یہ شرط ہے کہ وہ کسی کا عَلَم واقع ہو چاہے یہ نام کسی مذکر کا ہو مثلاً طلحۃ یا یہ نام کسی عورت کا ہو مثلاً خالدہ۔ یہاں تانیث بالتاء کی قید سے یہ بات واضح ہوئی کہ تانیث چند قسموں پر مشتمل ہے۔ اور جو تانیث مع التاء نہ ہو اس کا حکم الگ ہے۔ علَم کی شرط تانیث بالتاء میں لگانے کا سبب یہ ہے کہ علمیت کا جہاں تک تعلق ہے اس کی حیثیت بلفظِ حق دوبارہ وضع کی ہے اور کلمہ کی اس کے باعث تصرفات سے امکانی حد تک حفاظت رہتی ہے اس مصلحت سے اس میں علمیت کی شرط لگائی گئی۔

وکذلک المعنوی۔ یعنی جس طریقہ سے لفظاً تانیث بالتاء میں علَم ہونے کی شرط لگائی گئی ٹھیک اسی طریقہ سے تقدیری و معنوی تاء میں بھی علمیت کی شرط برقرار رہے گی۔ البتہ دونوں کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ تانیث بالتاء لفظاً میں اندرونِ منع صرف علَم کی قید و شرط وجوب کے درجہ میں ہے اور معنوی میں جواز کے درجہ میں ہے۔

ثم المعنوی ان کان ثلاثیا۔ یعنی وہ اسم جو معنوی اعتبار سے مونث ہو اس کی دو حالتیں ہیں یا تو وہ ثلاثی ایسا ہوگا کہ اس کا درمیانی حرف ساکن اور غیر عجمی ہوگا یا وہ غیر عجمی نہ ہوگا۔ غیر عجمی ہونے کی صورت میں یہ درست ہے کہ خواہ منصرف پڑھیں یا غیر منصرف۔ مثال کے طور پر "ہند" کہ اس کا درمیانی حرف ساکن اور غیر عجمی ہے تو یہ جائز ہے

کہ اسے منصرف پڑھا جائے یا غیر منصرف۔

اسے غیر منصرف پڑھنا تو اس لئے درست ہے کہ اس میں اسباب منع صرف میں سے دو اسباب موجود ہیں ایک سبب معنوی تانیث اور سبب دوم اس کا علم ہونا۔ اور رہا منصرف پڑھنے کا جواز تو وہ اس بنار پر ہے کہ اس میں اخر تانیث وجوبی شرط موجود نہیں کیونکہ ثلاثی کا درمیانی حرف ساکن اور غیر عجمی ہے اور قاعدہ کے مطابق ایسا کلمہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہلکا ہوتا ہے اور اس میں ثقالت نہیں ہوتی ہے اور غیر ثقالت کے باعث پڑھا جاتا ہے۔ اور ثقالت دو اسباب کے پائے جانے پر پیدا ہوتی ہے۔ تو کلمہ کا اپنی ذات کے اعتبار سے خفیف وہلکا ہونا دو اسباب میں سے ایک کے مزاحم ہو کر اس کے اثر کو کمزور کردے گا۔ اس بنار پر اسے درست ہوگا کہ منصرف پڑھا جائے۔

والا یجب منعہ۔ اور اگر ثلاثی جس کا درمیانی حرف ساکن ہو غیر عجمی نہ ہو یا وہ سرے سے ثلاثی ہی نہ ہو مثلاً زینب۔ یا ثلاثی تو ہو مگر ساکن الاوسط نہ ہو مثلاً سَقَرَ (بمعنی دوزخ) یا یہ کہ یہ ثلاثی ساکن الاوسط تو ہو مگر عجمی ہو مثلاً "ماہ" اور "جور" تو ان تینوں صورتوں میں اس کا غیر منصرف پڑھنا واجب ہوگا۔

والتانیث بالالف المقصورہ۔ یعنی الف مقصورہ یا الف ممدودہ کے ساتھ اسم کا مؤنث ہونا یہ لازمی طور پر سبب غیر منصرف شمار ہوتا ہے۔

صاحب کتاب کے قول "البتۃ" کو محذوف کا مفعول مطلق قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "البتۃ" کا لانا اسم کے منصرف ہونے کے وہم کے زائل کرنے کی خاطر ہو۔ اور یہ وہم ان میں (بظاہر) اسباب منع صرف میں سے ایک سبب کے پائے جانے کے باعث ہوا۔ یہ وہم دور کرنے کی خاطر صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ایسا اسم جس میں الف مقصورہ یا الف ممدودہ آرہا ہو۔ وہ اس وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے کہ تانیث بالالف کو دو اسباب کی جگہ شمار کیا جاتا ہے۔

الف مقصورہ وممدودہ کو دو اسباب کی جگہ شمار کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ اپنی وضع کے اعتبار سے کلمہ کے واسطے لازم کے درجہ میں ہیں اور یہ جس پر آتے ہیں اس سے کبھی الگ نہیں ہوتے تو یہ اپنے لزوم کے باعث تانیثِ ثانی کے درجہ میں ہیں اور یہ کہا جائے گا کہ ان میں تانیث مکرر ہے۔ اس بنار پر یہ دو اسباب کے قائم مقام شمار ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس تائے تانیث کا معاملہ ہے کہ وہ اپنی وضع کے اعتبار سے کلمہ کو لازم نہیں ہے۔ اور علم ہونے کے باعث اس کا لزوم تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ لزوم محض عارضی ہوگا اور یہ عارضی لزوم لزوم وصفی کے مقابل اور اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا لزوم وضعی کا حکم لزوم عارضی پر چسپاں نہیں ہو سکتا۔

اما المعرفۃ۔ یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر بذریعہ معرفہ تعریف مراد لیں تو اس صورت میں اس پر علمیت کا حمل کرنا درست نہ ہوگا اسلئے کہ وہ برائے اسم ہوا کرتی ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اضافتِ وصف بجانب ذات ہونے کی صورت میں اس چیز کا حمل اس پر درست ہوتا ہے۔

فلا یعتبر فی منع الصرف منہا۔ معرفہ کی ساری اقسام میں سے محض علمیت معتبر ہے یعنی معرفہ اس وقت اسباب

منع صرف میں شمار ہوگا جبکہ وہ علم واقع ہو مثال کے طور پر "عمر" کہ اس میں اسباب منع صرف میں سے ایک سبب تو اس کا معرفہ ہونا اور سببِ دوم عدل ہے۔

ایک اعتراض کا جواب اگر یہاں کوئی یہ اشکال و اعتراض کرے کہ معرفہ کی بہت سی اقسام ہیں۔ صاحب کتاب نے ان تمام کو چھوڑ کر محض علمیت کے اختیار کرنے کا کیا سبب ہے؟

اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ معرفہ کی بعض اقسام مثلاً مضمرات و مبہمات تو مبنی شمار ہوتی ہیں اور اس بنار پر وہ اسباب منع صرف نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ غیر منصرف معرب ہے اور یہ مبنی اور معرب و مبنی میں تضاد ہے۔

نیز معرفہ کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ وہ یا تو غیر منصرف کو منصرف بنادیتی ہیں یا بحکمِ منصرف۔ اسواسطے وہ بھی اسبابِ منع صرف نہیں بن سکتیں۔

ولجتمع مع غیرالوصف۔ معرفہ وصف کو مستثنیٰ کرکے اور سب کے ساتھ آسکتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وصف سے تو ایک مبہم ذات کی نشاندہی ہوتی ہے اور علم معین ذات کی نشاندہی کرتا ہے اور معین و مبہم کے درمیان تضاد ہے۔ اس بنار پر ایک ہی اسم میں معرفہ اور وصف کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔

اماالعجمۃ فشرطہا۔ عجمہ کے اسباب منع صرف میں سے ہونے کی ایک شرط یہ قرار دی گئی کہ وہ عجمی لغت میں کسی کا علم واقع ہورہا ہو اسلئے کہ عجمہ اسے کہا جاتا ہے جسے اہل عرب کے علاوہ نے بنایا ہو۔ ایسے لفظ کی ادائیگی اہل عرب کے لئے مشکل ہوگی اور یہ ہوسکتا ہے کہ اہل عرب اس کی ثقالت دور کرنے کی خاطر اس میں کسی طرح کا تصرف کریں اور کیونکہ اسے اسباب منع صرف میں صرف اس کی ثقالت کے باعث شمار کیا جاتا ہے تو تصرف کے بعد جب اس کی ثقالت جاتی رہے گی تو وہ سبب بننے کے قابل بھی شمار نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کے اندر یہ شرط و قید لگائی گئی کہ وہ عجمی لغت میں کسی کا علم واقع ہو خواہ حقیقی اعتبار سے مثلاً "ابراہیم" یا حکم کے اعتبار سے مثلاً "قالون" کہ عجمی لغت میں یہ کسی کا علم نہیں بلکہ ہر عمدہ چیز قالون کہلاتی تھی اور اب اہلِ عرب میں قرات کی عمدگی کے باعث قرارِ سبعہ میں سے ایک قاری کو قالون کہا جانے لگا۔

وزائدۃ علی ثلثۃ احرف۔ عجمہ کے اسباب منع صرف میں سے ہونے کی دوسری شرط یہ قرار دی گئی کہ اگر وہ تین حرف والا ہو تو اس کا درمیانی حرف متحرک ہو اور اگر وہ متحرک الاوسط نہ ہو تو تین حروف سے زیادہ پر مشتمل ہو تاکہ بوجہ ثقالت اس کا اسباب منع صرف میں شمار کرنا درست ہو مثلاً ابراہیم اسواسطے غیر منصرف ہے کہ وہ علم ہے اور عجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ تین حروف سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ اور "شتر" میں اگرچہ تین حروف سے زیادہ نہیں مگر درمیانی حرف متحرک ہونے کی بنا پر یہ زمرۂ غیر منصرف میں داخل ہے۔

فلجام" منصرف"۔ لجام" عدم علمیت کی بنار پر منصرف شمار ہوتا ہے لیکن اگر اسے علم قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی یہ منصرف ہی قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ جب اسے کلام عرب میں نقل کیا گیا تو اس کا استعمال بمعنی اسمِ جنس ہونے لگا۔

ونوحٌ منصرفٌ لسکون الاوسط۔ نوحٌ میں کیونکہ صرف تین حروف ہیں اور درمیانی حرف ساکن ہے لہذا یہ منصرف شمار ہوگا۔

بعض نحویوں کی رائے

نوحٌ میں بعض نحوی کہتے ہیں کہ جس طریقہ سے "ہند" میں اندرونِ تانیث متحرک الاوسط کی شرط وقید تھی اور متحرک الاوسط نہ ہونے پر اس کے علم اور معنوی تانیث کے باعث یہ بھی درست تھا کہ اسے غیر منصرف پڑھا جائے ٹھیک اسی طریقہ سے متحرک الاوسط نہ ہونے کے باوجود علم اور عجمہ ہونے کی بنا پر یہ درست ہونا چاہیئے کہ اسے غیر منصرف پڑھا جائے۔

صاحب کتاب جمہور نحاۃ کی جانب سے اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تانیث کا درجہ عجمہ کے مقابلہ میں قوی ہے وجہ یہ ہے کہ اظہار تانیث بعض اوقات لفظاً ہوا کرتا ہے مثلاً "ہند" کہ "ہُنیدہ" اس کی تصغیر آیا کرتی ہے۔ اس کے برعکس عجمہ کا حال یہ ہے کہ لفظاً اس کے اثر کا قطعاً اظہار نہیں ہوتا۔ پس عجمہ اور تانیث کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا اور "نوح" "کو" "ہند" پر قیاس کرتے ہوئے اس پر اس جیسا حکم لگانا درست نہ ہوا۔ اس تفصیل کے مطابق "نوح" تو بہرصورت منصرف شمار ہوگا اور اسے غیر منصرف پڑھنا درست نہ ہوگا اور "ہند" کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا درست رہے گا۔

اما الجمع فشرطہ۔ جمع کو اس صورت میں دو اسباب کے قائم مقام قرار دیا جائے گا جبکہ یہ منتہی الجموع کے وزن پر ہو یعنی اس میں یا تو الف جمع کے بعد دو حرف آرہے ہوں اور منتہی الجموع کا حرف اول مفتوح واقع ہو۔ مثال کے طور پر "مساجد" یا یہ کہ بظاہر تین حرف ہوں مگر ان میں ایک حرف مشدد ہو تو وہ دو کے قائم مقام شمار ہوگا مثال کے طور پر "دوابّ"

غیر قابل للہاء۔ یعنی جمع کو اس صورت میں دو اسباب کے قائم مقام قرار دیا جائے گا کہ منتہی الجموع کے وزن پر ہونے کے علاوہ اس کے اخیر میں تائے تانیث کے نہ ہونے کی شرط بھی موجود ہو کیونکہ تاء وقف کی صورت میں ہا سے بدل جاتی ہے اور ہا سے بدل جانے کی شکل میں اس کی مشابہت مفرد کے ساتھ لازم آئے گی جو باعثِ التباس ہوگی اور اس کے جمع ہونے میں سبب خلل بن کر منع صرف کے لئے مؤثر نہ رہے گی تو صرف اس قبولِ ہا کی بنا پر "صیاقلہ" اور "فرازنہ" کو منصرف قرار دیا گیا۔

اما الترکیب فشرطہ ان یکون علماً۔ ترکیب کے منع صرف کے اسباب میں سے ہونے کی شرط اس کے علم ہونے کو قرار دیا گیا نیز یہ کہ یہ ترکیب نہ اضافی واقع ہو اور نہ اسنادی۔ ترکیب اضافی نہ ہونے کی قید تو اس لئے لگائی گئی کہ اضافت کے باعث مضاف یا تو منصرف ہوجاتا ہے یا وہ بحکم منصرف ہوجایا کرتا ہے۔ اور اسنادی نہ ہونے کی قید کا سبب یہ ہے کہ مرکب اسنادی علم ہونے کی صورت میں مبنی ہوتا ہے اور مبنی ہونے کے باعث اس کا غیر منصرف ہونا ممکن نہیں کیونکہ معرب کے احکام میں سے اس کا غیر منصرف ہونا بھی ہے۔

ایک اشکال کا جواب | یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ جیسے غیر منصرف کے اسباب میں اسناد و اضافت کو شمار نہیں کیا جاتا ٹھیک یہی حال ترکیب توصیفی وصوتی و عددی کا بھی ہے تو انھیں بھی شرط وقید لگا کر نکالنا چاہیئے تھا۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مرکب اضافی کے زمرہ میں وصفی بھی ہے اس واسطے اسے نکالنے کی خاطر الگ سے شرط لگانے کی احتیاج نہیں۔ اور اسی طریقہ سے مرکب اسنادی کے زمرے میں مرکب صوتی و عددی داخل ہیں۔

اما الالف والنون الزائدتان ۔ واضح رہے کہ اس بارے میں نحویوں کی رائیں مختلف ہیں کہ یہ زائد الف و نون ذاتی طور پر اندرون منع صرف کسی دوسری چیز کی مشابہت کے بغیر موثر ہیں یا یہ الف تانیث سے مشابہت کے باعث موثر ہوتے ہیں۔ نحاۃ بصرہ کے نزدیک یہ دونوں منع صرف میں الف تانیث کے باعث موثر ہوتے ہیں۔ مشابہت کی صورت یہ ہے کہ الف تانیث کی طرح یہ دونوں بھی زائد ہوا کرتے ہیں تو جس طریقے سے تار کا آنا الف تانیث کے بعد درست نہیں ہوتا ٹھیک اسی طریقہ سے ان کے بعد بھی درست نہیں ہوتا۔ اس مشابہت کے باعث الف نون کو مضارعین سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ انھیں "زائدتان" کہنے کا سبب یہ ہے کہ کلمہ کے اخیر میں یہ دونوں اصلی نہیں ہوتے بلکہ زائد ہوتے ہیں۔ اور نحاۃ کوفہ کے نزدیک یہ دونوں ذاتی طور پر منع صرف میں موثر ہوتے ہیں ان کا موثر ہونا محض الف تانیث کی مشابہت کے باعث نہیں ہوتا۔

ان کانتا فی اسم ۔ واضح رہے کہ نحویوں کی اصطلاح میں اسم کے اطلاق کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض مرتبہ یہ بمقابلہ فعل وحرف بولا جاتا ہے اور بعض اوقات بمقابلۂ لقب وکنیت، بعض دفعہ بمقابلہ صفت اور بعض مرتبہ بمقابلۂ مہمل۔ اس جگہ یہ بمقابلہ صفت بولا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ الف ونون زائدتان کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ دونوں اسم میں آئے ہوں گے اور یا دونوں کا استعمال صفت میں ہوا ہوگا۔ اگر یہ دونوں اسم میں آئے ہوں تو ان کے موثر ہونے کی شرط ان کا علم ہونا قرار دیا گیا۔ علم ہونے کی شرط اس واسطے لگائی کہ امکانی حد تک کلمہ کی تبدیلی سے حفاظت بھی ہو جائے نیز یہ الف تانیث کے مشابہ بھی ہو جائیں اس لئے کہ علم بنجانے کی صورت میں ان پر تائے تانیث کا آنا ٹھیک اس طرح ممنوع ہوگا جیسے کہ الف تانیث پر آنا ممنوع ہے۔

فشرطہ ۔ اس پر ایک اشکال یہ کیا گیا کہ الف ونون الگ الگ دو چیزیں ہوتے ہوئے ضمیر واحد لائی گئی اور واحد کی ضمیر دونوں کی جانب کس طرح لوٹ سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ دونوں کے اکٹھے ایک سبب بننے کے باعث واحد کی ضمیر لائی گئی جبکہ ان اشیاء کا کسی امر میں اتحاد ہو کیونکہ ان دونوں کا بھی سببیت میں اتحاد ہے اس بنا پر یہ درست ہے کہ ان کی جانب مفرد کی ضمیر لوٹائی جائے۔

کعمران وعثمان ۔ صاحب کتاب کے دو مثالیں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پتہ چل جائے کہ ایسا اسم جس میں الف ونون زائد ہوں وہ مختلف اوزانوں پر آتے ہیں عِمران فا کلمہ کے کسرہ کے ساتھ اور عُثمان فا کلمہ

لے ضمہ کے ساتھ۔

وان کانتا فی صفۃ۔ اگر یہ الف و نون زائدتان صفت میں آرہے ہوں تو ان کے منع صرف میں اثر انداز ہونے کی شرط یہ قرار دیگئی کہ یہ بروزن "فعلانۃ" نہ آئے۔ یعنی اس کے مؤنث پر تائے تانیث کا آنا ممنوع ہو۔ اس قید کی دراصل وجہ یہ ہے کہ یہ اخیر کلمہ میں آتے ہیں اور تائے تانیث کے نہ آنے میں یہ الف ممدودہ و مقصورہ کے مشابہ ہیں لہذا ان کے مؤنث تائے تانیث آنے کی صورت میں ان کا الف ممدودہ و مقصورہ سے مشابہ ہونا کمزور ہو جائے گا اسوجہ سے بروزن "فعلانۃ" نہ آنے کی شرط لگائی تاکہ یہ مشابہت ضعف سے محفوظ رہے۔

فندمانٌ منصرف۔ اس کا مؤنث کیونکہ "ندمانۃ" بروزن "فعلانۃ" آتا ہے۔ اس بنار پر اسے منصرف قرار دیا گیا۔

اما وزن الفعل۔ یعنی وزنِ فعل اس صورت میں منع صرف کا سبب بنے گا جبکہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو اس قید کا سبب یہ ہے کہ خلافِ عادت یہ وزن جب اسم میں ہوگا تو ثقالت پیدا ہوگی اور ثقالت کے باعث اس لائق ہو جائیگا کہ منع صرف میں مؤثر بن سکے۔

ولایوجد فی الاسم۔ اگر یہاں کوئی یہ اشکال کرے کہ خصوصیت کا مطلب تو یہ ہے کہ بجز اس کے جس کے لئے اسے خاص کیا گیا ہے اور کسی میں اس کا وجود نہ ہو۔ لہذا اس کی تخصیص فعل کے ساتھ ہونے کی صورت میں ضابطہ کے مطابق اسم میں اس کا وجود نہ ہونا چاہیئے۔

اس کے اسم میں بھی پائے جانے کی شکل میں فعل کے ساتھ تخصیص کی شرط کیسے صحیح ہوگی۔

اس کا جواب دیا گیا کہ اس اسم سے عجمی اسم مراد نہیں بلکہ مقصود عربی اسم ہے اسلئے یہ اشکال واقع نہ ہوگا۔

کشُمِّرَ و ضُرِبَ۔ شمر صیغۂ ماضی اور وزن فعل کے ساتھ اس کی تخصیص ہے۔ اسے فعل سے بجانب اسم منتقل کیا گیا۔ اسے وزن فعل اور علمیت کے باعث غیر منصرف قرار دیا گیا۔

اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ صاحب کتاب نے مثال صیغۂ ماضی مجہول کے ساتھ کیوں دی ماضی معروف کے صیغہ سے بھی مثال دے سکتے تھے۔ آخر اس کا کیا سبب ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "ضرب" بصیغہ ماضی معروف اس کا اختصاص وزنِ فعل کے ساتھ نہیں بلکہ یہ وزنِ فعل کی طرح اسم میں بھی آتا ہے اس لئے معروف سے احتراز کیا گیا۔

وان لم یختص بہ۔ فعل کے ساتھ وزن فعل کے عدمِ اختصاص کی صورت میں اس کے مؤثر ہونے کے لئے یہ شرط قرار دیجائیگی کہ اس کے شروع میں ایسا ہی اضافہ ہو جیسا فعل کے شروع میں ہوا کرتا ہے۔ یعنی حروف "اَتَیْنَ" میں سے کوئی سا حرف اس کے شروع میں ہو۔ فعل کے ساتھ وزن مخصوص نہ ہونے کی صورت میں یہ قید لگانے کا سبب یہ ہے کہ اس قید کے باعث وزن فعل کے ساتھ خاص ہو جائے گا اسلئے کہ حرف مضارع کا جہاں تک تعلق ہے وہ خواص فعل میں شمار کئے جاتے ہیں۔

فی اولہ۔ ضمیر یا تو کہا جائے گا کہ وزنِ فعل کی جانب لوٹ رہی ہے یا مضاف الیہ کی طرف۔

کا حمد و شکر۔ صاحب کتاب کے چار مثالیں لانے کا سبب یہ ہے کہ مضارع کے حروف بھی چار ہی ہیں۔
نرجس۔ پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اہل عرب اس کے اخیر میں تار کا اضافہ کر کے "نرجسۃ" کہا کرتے ہیں پس اس کے تار قبول کرنے کے باعث اسے منصرف کہا گیا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ "نرجس" پر تا داخل ہونے کی صورت میں یہ علم برقرار نہیں رہتا بلکہ اسم جنس ہو جایا کرتا ہے اس واسطے اس پر کوئی اشکال نہ ہوگا۔
فیعل۔ کیونکہ "یعمل" تانیث کی تا قبول کر لیا کرتا ہے جیسے کہ اہل عرب طاقتور اونٹنی کے لئے کہا کرتے ہیں "ناقۃ یعملۃ" پس وصلی اور وزن فعل کے باوجود اسے منصرف قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر بالفرض "یعمل" کسی مرد کا نام رکھ دیں تو اس وقت تار قبول کرنے کی اہلیت نہ ہونے کے باعث اسے غیر منصرف قرار دیا جائیگا خلاصہ یہ کہ اوزان کی چار قسمیں ہیں (۱) وہ اوزان جو اسم کے ساتھ خاص ہیں مثلاً صُرُدٌ وغیرہ۔ (۲) ایسے اوزان جو اسم و فعل میں مشترک طور پر آتے ہیں اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیجائے مثلاً اَثمر وغیرہ۔ (۳) ایسے اوزان جن کا فعل کے ساتھ اختصاص ہے مثلاً ضُرِب وغیرہ۔ (۴) وہ اوزان جن کے شروع میں چار زائد حروف میں سے کوئی سا حرف ہو مثال کے طور پر احمد وغیرہ۔

وَاعْلَمْ اَنَّ كُلَّ مَا شُرِطَ فِيهِ العلميّة وهُوَ المؤنّثُ بالتاء والمعنويّ والعُجمةُ والتركيبُ والاسمُ الذى فيهِ الالِفُ والنونُ الزائدتانِ اولم يُشترط فيه ذٰلِكَ واجتمع مع سببٍ واحدٍ فقط وهُوَ العَلَمُ المعدولُ ووزنُ الفعل اذا نُكِّرَ صُرِفَ امّا فِي القِسمِ الاول فلبقاءِ الاسم بلا سبب وامّا فى الثانى فلبقائهٖ على سببٍ واحدٍ تقول جاء نى طلحةُ وطلحةٌ اٰخرُ وقامَ عُمَرُ وعمرٌ اٰخرُ وضربَ اَحمدُ واحمدٌ اٰخرُ وكُلُّ مَا لَا يَنصرِفُ اِذَا اُضيفَ اودَخَلَهُ اللام فدَخله الكسرة نحو مررتُ بِاحمدِكم وبالاحمدِ۔

ترجمہ :۔ واضح رہے کہ ہر وہ غیر منصرف اسم جس میں علم ہونے کی شرط ہو۔ ان میں وہ اسم ہے جو مع التار مؤنث ہو اور وہ اسم جو معنوی طور پر مونث ہو اور عجمہ اور ترکیب اور ایسا اسم جس میں الف و نون زائدتان ہو یا اس کے اندر علم ہونے کی شرط تو نہ ہو مگر وہ ایک سبب کے ساتھ مجتمع ہو اور وہ معدول علم اور وزن فعل ہے کہ نکرہ لانے کی صورت میں وہ منصرف ہوگا۔ قسم اول میں (جس میں علمیت شرط ہے) تو اس بنا پر کہ اسم بلا سبب کے رہ گیا اور قسم دوم میں محض ایک سبب باقی رہنے کے باعث۔ کہوگے "جاء نی طلحۃ وطلحۃ آخر و قام عمر و عمر آخر، و ضرب احمد و احمد آخر۔ اور ہر وہ اسم غیر منصرف جس کی اضافت ہو یا لام اس

پر داخل ہو تو اس پر کسرہ آئے گا مثلاً "مررتُ باحمدکم و بالاحمد۔

تشریح واعلم ان کل ما شرط فیہ العلمیۃ الخ اسباب غیر منصرف کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو وہ علم کے ساتھ اکٹھے ہوں گے (۲) یا اکٹھے نہ ہونگے۔ محض وصف ایسا سبب ہے جو علم کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوتا پہلی قسم کی پھر دو صورتیں ہیں (۱) علم کے ساتھ آکر موثر ہونگی (۲) یا علم کے ساتھ آکر مؤثر نہ ہوں گی۔ وہ اسباب جن کے ساتھ علمیت اکٹھی تو ہوتی ہے مگر غیر مؤثر وہ الف ممدودہ اور الف مقصورہ ہیں اور اسی طرح صیغہ منتہی الجموع ہے اب وہ اسباب جن کے ساتھ علمیت آتی بھی ہے اور مؤثر بھی ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں بعض وہ جن کے موثر ہونے کے لئے علمیت کی شرط وقید ہے اور بعض وہ کہ ان کے موثر ہونے کے لئے علمیت کی شرط وقید نہیں۔

ایسے اسباب جن کے موثر ہونے کے لئے علمیت کی شرط وقید ہے ان کی تعداد چار ہے (۱) مؤنث چاہے وہ مع التار ہو یا تار معنوی وتقدیری ہو (۲) ترکیب (۳) عجمہ (۴) ایسا اسم جس میں الف و نون زائدتان آرہے ہوں۔

پھر جن کے موثر ہونے کے لئے علم ہونا شرط نہیں ہے وہ فقط دو ہیں (۱) وزنِ فعل (۲) اسم معدول کہ ان کے ساتھ علمیت کا اجتماع موثر ہو کر ہوتا ضرور ہے مگر موثر ہونے کے لئے شرط کے درجہ میں نہیں۔ پس "عمر" عدل اور علمیت کے باعث غیر منصرف قرار دیا گیا اور اسی طرح "احمد" علمیت اور وزن فعل کی بنار پر غیر منصرف ہوا۔

اذا نکر صرف ۔ جس علم کو نکرہ بنایا جائے اس کی دو شکلیں ہیں (۱) علم سے مقصود اس کا مشہور وصف ہو (۲) اس کے ذریعہ جماعت کا ایک فرد مقصود ہو مثلاً "ہٰذا طلحۃ ورأیت طلحۃ آخر" تو اس جگہ اس نام کے بہت سے لوگوں میں سے بلا تعیین ایک ہی فرد مقصود ہے۔ صاحب کتاب کے کلام کا خلاصہ یہ نکلا کہ ہر ایسا غیر منصرف اسم جس میں علم ہونا موثر ہوا سے نکرہ بنانے کی صورت میں وہ منصرف ہو جائے گا اسلئے کہ اندرون منع صرف علمیت کے اثر انداز ہونے کی دو شکلیں ہیں۔ بعض اوقات سبب و شرط بننے کی صورت میں اثر انداز ہوتی ہے اور بعض اوقات فقط سبب بن کر موثر ہوا کرتی ہے تو جہاں شرط و سبب بن کر اثر انداز ہو مثلاً تانیث بالتار وغیرہ میں وہاں علمیت کے ختم کرنے کی صورت میں اسم سبب کے بغیر ہی رہ جائے گا۔ اس واسطے کہ اس میں علمیت جو سبب واحد تھا وہ باقی نہ رہا اور سبب ثانی وہ تھا جس میں علم ہونے کی شرط تھی۔ جب شرط باقی نہ رہی تو مشروط بھی باقی نہ رہا۔ اس صورت میں اسم کا منصرف ہو جانا ظاہر ہے

وکل ما لاینصرف ۔ یعنی جو غیر منصرف اسم دوسرے اسم کی جانب مضاف ہو یا اس کے اوپر لام آئے تو اس کے اوپر کسرہ آئے گا اور بعض کہتے ہیں کہ تنوین بھی آئے گی لیکن تنوین کا اظہار الفاظ میں نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ لام و اضافت دونوں ہی تنوین کو رد کرنے والے ہیں۔ رہی یہ بات کہ غیر منصرف لام آنے و اضافت کے باوجود تنوین و کسرہ آنے کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کا سبب پہلے بھی بیان کیا جا چکا کہ فعل کی مشابہت کے باعث غیر منصرف پر تنوین و کسرہ نہیں آسکتے

پھر جب اس کے اوپر لام آئیگا یا اسم کی اضافت ہوگی اور ان دونوں کو کیونکہ خصوصیاتِ اسم میں شمار کیا گیا ہے۔ بس اس کا فعل کے مشابہ ہونا اس صورت میں ضعیف ہوجائے گا اور اسمیت کی جانب کے غلبہ کے باعث اس کے اوپر اسم کیطرح کسرہ اور تنوین آجائیں گے۔

ایک اشکال کا جواب یہاں اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ اسناد اور حرف جار کا داخل ہونا یہ بھی اسم کے خواص میں سے ہے تو آخر اس کا کیا سبب ہے کہ اضافت اور لام کے باعث تو کسرہ آتا ہے اور اسناد وجار کے باعث کسرہ نہیں آتا۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جہاں تک لام اضافت کا تعلق ہے اس میں لفظاً اور معنیً دونوں طرح اثر ہے اور یہ دونوں اعتبار سے مؤثر ہے اس بنا پر اسے خصوصیات اسم میں سے اقویٰ شمار کیا گیا ہے۔ لفظاً موثر ہونا تو یہ ہے کہ لام جس پر داخل ہوتا ہے اس پر تنوین نہیں آتی۔ اسی طریقہ سے مضاف پر بوجہ اضافت تنوین نہیں آتی اور معنًا مؤثر ہونا یہ ہے کہ مضاف اور لام جس پر داخل ہو وہ معرفہ بنجاتے ہیں اور دیگر علامات کا یہ درجہ نہیں اسی بنا پر ان کے آنے سے کسرہ نہیں آتا۔

اب پھر اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ عبارت سے تو محض استعمال کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ پتہ ہرگز نہیں چلتا کہ غیر منصرف پر جب لام آئے یا اضافت ہو تو وہ بدستور غیر منصرف ہی رہے گا یا اس میں تبدیلی ہوگی اور وہ منصرف ہوجائے گا۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس بارے میں چونکہ اختلاف ہے کہ اضافت اور لام کے آنے کے بعد غیر منصرف منصرف ہوجائے گا یا نہیں۔ اس وجہ سے صاحب کتاب نے محض استعمال کے طریقہ کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا اس کے بعد اگر غور سے کام لیا جائے تو یہ بات صاف طور پر واضح ہوجائے گی کہ اس اختلاف کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ غیر منصرف کسے کہا جاتا ہے۔ جو حضرات اس کے قائل ہیں کہ غیر منصرف اسے کہا جاتا ہے جس میں نو اسباب میں سے دو سبب موجود ہوں یا ایک ایسا سبب جو دو اسباب کے قائم مقام ہو تو ان لوگوں کے اعتبار سے تنوین اور کسرہ کے داخل ہونے کے بعد بھی اسم بدستور غیر منصرف ہی برقرار رہے گا۔ بشرطیکہ اس میں دو سبب موجود ہوں یا ایک ایسا سبب موجود ہو جو دو اسباب کے قائم مقام ہو۔ اور جن حضرات کا کہنا یہ ہے کہ غیر منصرف اسے کہتے ہیں جس پر تنوین اور کسرہ نہ آئے۔ ان میں سے بعض اس کے قائل ہیں کہ وہ کسرہ کے آنے کے بعد منصرف ہوجائیگا کیونکہ کسرہ ایک اعرابی حرکت کا نام ہے اور یہ اکثر مواقع میں تنوین کے بغیر نہیں آتا لہٰذا اس جگہ کسرہ آیا تو گویا تنوین بھی آگئی لیکن لام اور اضافت کے مانع ہونے کے باعث لفظاً تنوین کا اظہار نہ ہوگا اور بعض کے قول کے مطابق کسرہ آنے کے باوجود بھی یہ بدستور غیر منصرف ہی برقرار رہیگا۔ کیونکہ منع صرف میں ذاتی طور پر تنوین کا آنا ممنوع ہے۔ تنوین سے اسم ہی کی نشان دہی ہوتی ہے رہا کسرہ تو وہ تابع ہوکر ممنوع ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اکثر مواقع میں کسرہ بلا تنوین کے نہیں آتا۔ بس ایسی شکل میں کہ غیر منصرف پر وہ نہ آئے جس کا آنا ذاتی طور پر ممنوع ہو تو وہ کلمہ بدستور غیر منصرف ہی

برقرار رہے گا اور فقط کسرہ کے آنے کے باعث اسے منصرف قرار نہ دیں گے۔

المقصدُ الاولُ فی المرفوعاتِ الاسماءُ المرفوعاتُ ثمانیۃُ اقسامٍ الفاعِلُ ومفعولُ ما لم یُسمَّ فاعلُہ والمبتدأ والخبرُ وخبرُ اِنَّ واَخواتِھا واِسمُ کانَ وَ اخواتِھا واسمُ ما ولا المشبھتَین بلیس وخبرُ لا التی لنفیِ الجنسِ

ترجمہ: مقصد اول مرفوعات کے بیان میں۔ مرفوع اسماء آٹھ قسموں پر مشتمل ہیں (۱) فاعل (۲) مفعول ما لم یسم فاعلہ (۳) مبتدا (۴) خبر (۵) اِنّ اور اس کے مماثل کی خبر (۶) کان اور اس کے نظائر کی خبر (۷) اس مَا اور لَا کا اسم جو لیس کے مشابہ ہوں (۸) اس لَا کی خبر جو نفی جنس کے لئے ہو۔

تشریح المقصد الاول۔ اس جگہ یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ یہاں کیونکہ اس اجمال کا تفصیلی ذکر ہے جسے پہلے بیان کیا جاچکا۔ اس واسطے صاحب کتاب کو " اما المقصد الاول فی المرفوعات " کہنا چاہئے تھا۔ صاحب کتاب کے اما کو ترک کرنے کا سبب کیا ہے۔ ؟

اس کا جواب دیا گیا کہ صاحبِ کتاب " اما المقدمۃ ففی المبادی " کہہ چکے ہیں۔ انھوں نے اسی گذرے ہوئے پر اکتفا فرمایا اور دوبارہ یہاں " اما " نہیں لائے۔

فی المرفوعات ۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب مرفوعات کا ذکر منصوبات اور مجرورات سے قبل کیوں فرما رہے ہیں۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ منصوبات یا مجرورات مرفوعات سے پہلے بیان فرماتے۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اکثر و بیشتر مرفوعات مسند الیہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور مسند الیہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ کلام میں عمدہ شمار ہوتا ہے اسی عمدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرفوعات کا ذکر منصوبات و مجرورات سے پہلے کیا۔ پھر صاحب کتاب مفرد کے بجائے صیغۂ جمع اس واسطے لائے تاکہ مرفوع کی تعریف کو دیکھتے ہوئے مرفوع کے محض ایک یعنی فاعل ہونے کا وہم نہ پیدا ہو کیونکہ آٹھ قسموں پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں یہ واضح رہے کہ مرفوعات دراصل جمع ہے " مرفوع " کی۔ یہ مرفوعۃ " کی جمع نہیں ہے کیونکہ مرفوع صفت اسم ہے اور ضابطہ کے مطابق موصوف وصفت تذکیر و تانیث کے درمیان موافقت و یکسانیت ہونی چاہئے اور مرفوعات کو مرفوعۃ کی جمع کہنے کی صورت میں موصوف وصفت میں تذکیر و تانیث میں مطابقت برقرار نہ رہے گی اسلئے کہ اسم تو مذکر واقع ہوا ہے اور دوسری طرف مرفوعۃ مؤنث۔

ایک اشکال کا جواب اس جگہ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ مرفوع کے مذکر ہونے کے باعث اس کی جمع تو واؤ اور نون کے ساتھ ہوا کرتی ہے پس اس کی جمع مع الالف والتاء کسطرح درست ہوگی۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر نحاۃ کا ایک معروف ومشہور ضابطہ و قاعدہ ہے کہ ایسا مذکر جو لایعقل ہو

اس کی جمع ہمیشہ مع الالف والتاء لایا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ "خالی" کی جمع "خالیات" لاتے ہیں جبکہ یہ "یوم" کی جو کہ مذکر لایعقل ہے صفت واقع ہوا ہے

صاحب کتاب کے "الاسماء المرفوعۃ" کہنے پر اعتراض

واضح رہے کہ اس جگہ یہ اشکال واعتراض کرتے ہیں کہ کسی چیز کے افراد کا ذکر اس وقت ہوا کرتا ہے جبکہ اول اس چیز کی معرفت ہو اسلئے کہ افراد کی شناخت اس کی شناخت پر منحصر ہوا کرتی ہے۔ اس اصول کے اعتبار سے صاحب کتاب کو پہلے مرفوع کی تعریف کرنی چاہیئے تھی اور اس کے بعد افراد کا ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ صاحب کتاب نے تعریف کس واسطے ترک کی۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مبتدی دراصل کسی چیز کے بیان کے بعد اس کی جزئیات کا انتظار کرتے ہیں اور اس کے برعکس انھیں کلیات کا انتظار نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ کلیات تک ان کی فہم کی رسائی نہیں ہوتی اور کیونکہ کلی کو سمجھنے کے مقابلہ میں جزئی تک ذہن کا پہنچنا اور سمجھنا سہل ہوتا ہے اسی مصلحت کی بنار پر صاحب کتاب نے مرفوع کی تعریف نہ کرتے ہوئے اس کے افراد کا ذکر کیا۔

ایک اشکال یہ کیا گیا کہ "المرفوع" کو دیکھا تو وہ مفرد ہے اور مفرد ہونے کے باوجود وہ الاسمار کی صفت واقع ہو رہا ہے جبکہ "الاسمار" مفرد نہیں بلکہ جمع ہے اور قاعدہ کے مطابق موصوف وصفت میں جمع وافراد میں بھی مطابقت وموافقت لازم ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے "المرفوعۃ" مفرد کے بجائے جمع لانا چاہیئے تھا جمع نہ لانے اور مفرد استعمال کرنے کا کیا سبب ہے ؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ضمیر "المرفوع" بجانب اسماء مسند ہے اور قاعدہ کے مطابق صفت مشتقہ کے جمع کے علاوہ کی جانب مسند ہونے کی صورت میں اسے واحد لانا بھی صحیح ہے اور جمع لانا بھی۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "الایام الخالیات" اور "الایام الخالیہ" اور یہ صفت مشتقہ بحکم افعال ہو جاتی ہے۔

ثمانیۃ اقسام۔ واضح رہے کہ مرفوعات کی یہی آٹھ قسمیں ہیں اور مرفوعات کا انحصار انہی آٹھ اقسام پر ہے اس حصر کا سبب یہ ہے کہ مرفوع اسے کہتے ہیں جس میں ایسی علامت موجود ہو جس کا انتساب فاعل کی جانب ہوتا ہو اور فاعل کی جانب جن چیزوں کی نسبت ہوتی ہے وہ صرف دو ہیں یعنی (۱) کسی چیز کا مسند الیہ ہونا (۲) اس چیز کا جملہ میں جزدوم ہونا۔

اسم ما ولا اسم کان۔ مبتدا اور مفعول مالم یسم فاعلہ یہ مسند الیہ ہوا کرتے ہیں۔ رہے باقی مرفوعات وہ جملہ کا جزدوم ہوتے ہیں۔ اور ان آٹھ کے علاوہ کسی میں فاعل کی ان دو علامتوں میں سے کوئی علامت نہیں پائی جاتی اسی بنار پر یہ کہا گیا کہ مرفوعات کا انحصار ان آٹھ اقسام میں ہے۔

فصل الفاعلُ كلُّ اسمٍ قبلَهُ فعلٌ اوصفةٌ أُسنِدَ اليه على معنى انهٗ قامَ بهٖ لا وقع عليه نحو قامَ زيدٌ و زيدٌ ضاربٌ ابوه عمرًا وماضرب زيدٌ عمرًا وكلُّ فعلٍ لابدّ له مِن فاعلٍ مرفوعٍ مُظهرٍ كذهب زيدٌ اومضمرٍ بارزٍ كضربتُ زيدًا اومستترٍ كزيدٌ ذهبَ. وان كان الفعلُ متعديًا كان له مفعولٌ بهٖ ايضًا نحوضربَ زيدٌ عمرًا وان كانَ الفاعلُ مُظهرا وُحِّد الفعل ابدًا نحوضرب زيدٌ وضرب الزيدان وضرب الزيدون وان كان مضمرًا وُحِّد للواحد نحوزيدٌ ضربَ وثُنِّيَ للمثنّٰى نحو الزيدان ضربا وجُمِع للجمع نحوالزيدون ضربوا وان كانَ الفاعلُ مؤنثًا حقيقيًا وهوما بازائه ذكرٌ من الحيوان أُنِّثَ الفعل ابدًا ان لم تَفصِل بين الفعل والفاعِل نحوقامتْ هندٌ وان فصلتَ فلك الخيارُ فى التذكير والتانيث نحوضَرَبَ اليوم هندٌ وان شئتَ قُلتَ ضَرَبتِ اليوم هندٌ وكذلك فى المؤنث الغيرالحقيقى نحوطَلَعَتِ الشمسُ وان شئت قُلتَ طَلعَ الشمسُ. هذا اذا كانَ الفعل مسندًا الى المظهروان كان مُسندًا الى المُضمرِ أُنِّثَ ابدًا نحو الشمسُ طَلَعَتْ وجمعُ التكسير كالمؤنثِ الغيرالحقيقى تقُولُ قام الرّجال وان شئت قلت قامتِ الرجالُ والرجالُ قامتْ ويجوز فيه الرجالُ قامُوا ويجب تقديم الفاعِل على المفعول اذا كانا مقصورَين وخِفتَ اللّبس نحوضرب موسىٰ عيسىٰ ويجوزُ تقدِيم المفعُول على الفاعِل ان لم تخفِ اللّبسَ نحو اكلَ الكُمّثرى يحيىٰ وضَرَبَ عمرًا زيدٌ ويجوزحذف الفعل حيث كانت قرينةٌ نحوزيدٌ فى جوابِ مَن قالَ مَنْ ضربَ وكذا يجوزحذف الفعل والفاعِل معًا كنعَمْ فى جَواب مَن قالَ أقامَ زيدٌ وقد يحذف الفاعِل ويُقام المفعُولُ مقامَه اذا كانَ الفعلُ مجهُولًا نحوضُرِبَ زيدٌ وهو القسمُ الثانى مِنَ المرفوعاتِ

ترجمہ:۔ فاعل ہر ایسا اسم کہلاتا ہے جس سے قبل فعل یا صفت ہو۔ اور اس فعل یا صفت کی اسناد اس معنی کی جانب کی گئی ہو جس کی بنیاد پر وہ اسم کے ساتھ جڑا ہوا ہو اور وہ فعل یا صفت اس اسم پر واقع نہ ہو جیسے قام زید۔ وزید ضارب ابوہ عمرا۔ وماضرب زیدٌ عمرا۔ اور ہر فعل کے لئے فاعل مرفوع مظہر (لفظاً ظاہر) ہونا جیسے " ذہب زیدٌ۔ یا مضمر بارز جیسے ضربتُ زیدًا یا مضمر مستتر جیسے زیدٌ ذہب" کا ہونا لازم ہے۔ فعل متعدی ہونے کی صورت میں اس کے واسطے مفعول بہ بھی ہوگا جیسے ضرب زیدٌ عمراً۔ اور فعل کا فاعل مُظہر ہونے کی صورت میں فعل ہمیشہ واحد آئے گا جیسے" ضرب زیدٌ وضرب الزیدان وضرب الزیدون" اور

فاعل مضمر ہونے پر واحد فعل کے واسطے واحد ہی لائیں گے جیسے زید ضرب اور تثنیہ کے واسطے تثنیہ، جیسے الزیدان ضربا اور جمع کے واسطے جمع لائیں گے جیسے الزیدون ضربوا" اور فاعل کے مؤنث حقیقی ہونے کی صورت میں یعنی ایسا مؤنث ہونے کی شکل میں کہ اس کے مقابل کوئی مذکر حیوان ہو فعل ہمیشہ مؤنث لائیں گے بشرطیکہ فعل و فاعل کے درمیان کسی چیز سے فصل واقع نہ ہو جیسے" قامت ہندٌ" اور اگر فصل واقع ہو تو فعل کے مذکر اور مؤنث لانے کا اختیار ہوگا جیسے "ضرب الیوم ہندٌ" اور اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو" ضربت الیوم ہندٌ" اور یہی مؤنث غیر حقیقی کا حکم ہے جیسے "طلعت الشمس" اور اگر چاہو تو کہو" طلع الشمس" یہ تو اس صورت میں ہے کہ اسنادِ فعل اسم ظاہر کی جانب ہو اور اگر اسناد اسم مضمر کی جانب ہو تو اس صورت میں فعل ہمیشہ مؤنث لائیں گے جیسے" الشمس طلعت" اور جمع تکسیر کا حکم مؤنث غیر حقیقی کا سا ہے کہو گے "قام الرجال" اور اگر چاہو تو کہو" قامت الرجالُ والرجال قامت" اور اس میں الرجال قاموا، کہنا بھی درست ہے اور فاعل و مفعول جب اسم مقصور ہوں اور ان میں باہم التباس کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں فاعل کا مفعول سے پہلے لانا واجب ہے جیسے" ضرب موسیٰ عیسیٰ" اور باہم التباس کا خطرہ نہ ہونے کی شکل میں مفعول کا فاعل سے پہلے لانا درست ہے جیسے" اکل الکمثری یحییٰ" (یحییٰ نے ناشپاتی کھائی) وضرب عمرًا زیدٌ۔ اور قرینہ موجود ہونے پر فاعل کے فعل کا حذف بھی درست ہے جیسے "من ضربَ" کہنے والے کے جواب میں "زید" کہنا اور اسی طرح قرینہ موجود ہونے پر فعل و فاعل دونوں کا بیک وقت حذف کرنا بھی درست ہے جیسے" اقام زیدٌ" کہنے والے کے جواب میں "نعم" کہنا اور فعل کے مجہول ہونے کی صورت میں فاعل حذف کر کے مفعول کو اس کی جگہ لے آتے ہیں جیسے" ضُرِبَ زیدٌ" اور وہ تعداد کے اعتبار سے مرفوعات کی دوسری قسم ہے۔

تشریح:- الفاعل ۔ کوئی شخص اگر اس جگہ یہ سوال کرے کہ صاحب کتاب سارے مرفوعات سے قبل فاعل کو لائے آخر اس کا کیا سبب ہے۔ تو اس کے متعلق یہ جواب دیا جائے گا کہ جمہور فاعل کو سارے مرفوعات کی اصل و اساس قرار دیتے ہیں کیونکہ اسکی حیثیت جملہ فعلیہ کے جزو کی ہے اور جملہ فعلیہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ سارے جملوں کی اصل اور اساس ہے وجہ یہ ہے کہ جملہ کے ذریعہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ مخاطب کو فائدہ پہنچے اور یہ افادیت جملہ فعلیہ میں بمقابلہ جملہ اسمیہ کے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کیونکہ جملہ فعلیہ سے کچھ زیادہ چیزوں مثلاً زمانہ وغیرہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ فاعل سارے مرفوعات کی اصل و اساس ہے تو اس کے مطابق موزوں یہی تھا کہ اسے سارے مرفوعات سے پہلے لایا جاتا۔

کل اسم قبلہ فعل ۔ یعنی یہ ایسا اسم ہو کہ اس سے قبل فعل آیا ہو یا صفت۔ صاحب کتاب کا یہ کہنا فصل کے درجہ میں ہے تاکہ جو اشیاء اسم ہونے کے اعتبار سے فاعل کی شریک ہوں ان سے اجتناب ہو جائے۔ اس قید کے ذریعہ ایسے اسماء

فاعل ہونے سے خارج ہو گئے جن سے قبل نہ فعل ہو اور نہ صفت بلکہ فعل یا صفت اس کے بعد آئے۔

اسند الیہ۔ یعنی اس فعل یا صفت کی اسناد کسی کی تبعیت کے بغیر فاعل کی جانب ہو۔ اس قید کے ذریعہ وہ اسم فاعل بننے سے خارج ہو گیا جس سے قبل فعل یا صفت تو ضرور ہو مگر اس کی اسناد بجانب اسم نہ ہو اور اگر اسناد ہو تو تابع ہو کر ہو تبعیت کے بغیر نہ ہو تو اس جگہ اسناد سے مقصود اصالتاً اسناد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صاحب کتاب نے توابع کا بیان الگ کیا ہے۔ علاوہ اس قید کے باعث وہ اسم بھی فاعل نہ بن سکے گا جس سے قبل یا جس کے بعد فعل نہ ہو۔

علی معنی۔ یعنی ربط کی صورت یہ ہو کہ فعل یا صفت کا قیام اس معنی کے ساتھ ہو۔ فعل یا صفت کے اس اسم پر واقع ہونے کی صورت نہ ہو۔ اس قید کے ذریعہ مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل کی تعریف سے نکل گیا۔

صاحب کتاب کے قول "قام بہ" سے مقصود فعل کا بصیغۂ معروف ہونا ہے اس طریقہ سے کہ اس کی اسناد بجانب فاعل صحیح ہو۔

کل فعل کہنے پر اشکال

کل فعل کے متعلق یہ اشکال کیا گیا کہ یہاں لفظ "کل" لانا صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تعریف تو ماہیت کی ہوا کرتی ہے افراد کی نہیں اور لفظ کل استعمال کرنے کی صورت میں افراد کی تعریف لازم آئے گی جو صحیح نہیں۔

اس کے جواب میں کہا گیا کہ صاحب کتاب کے اس جگہ لفظ "کل" لانے کا سبب تعریف کے جامع مانع ہونے کا اظہار ہے۔

کل فعل لابد۔ یہاں صاحب کتاب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر فعل اس سے قطع نظر کہ وہ لازم ہے یا متعدی اسکے واسطے فاعل مرفوع کا ہونا ناگزیر ہے اور اس میں تعمیم ہے خواہ اسم ظاہر ہو یا مستتر دونوں کے لئے یہی مذکورہ بالا حکم برقرار رہے گا۔ ہر فعل کے واسطے فاعل مرفوع کی قید اس بنا پر ناگزیر ہے کہ فعل کا جہاں تک معاملہ ہے وہ وصف اور عرض ہوا کرتا ہے اور وصف و عرض دونوں ہی کے واسطے ایسی چیز کا ہونا لازم ہے جس کے ساتھ اس وصف یا عرض کا قیام ہو۔

وان کان الفعل متعدیا۔ فعل کا فاعل متعدی ہونے کی صورت میں جس کی تکمیل صرف فاعل پر نہیں ہوتی تو اس متعدی فعل کے واسطے ایک مفعول بہ بھی ہوگا اور فعل متعدی کے سمجھنے کا انحصار مفعول بہ پر ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے فعل لازم کے سمجھنے کا انحصار فاعل پر ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مفعول کے منصوب ہونے کا کیا سبب ہے تو دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ مفعول بہت سے ہیں اور نصب خفیف حرکت ہے اور کثیر کے لئے موزوں، خفیف و ہلکی حرکت ہونے کے باعث مفعول پر نصب لائے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مفعول کی حیثیت کلام میں فضلہ کی ہے اور حرکات میں نصب کا بھی یہی حال ہے اس بنا پر مفعولوں پر نصب لائے۔

وان کان الفاعل مُظہرًا۔ فاعل فعل اسم ظاہر ہونے کی صورت میں ضابطہ یہ ہے کہ ہمیشہ فعل واحد لائیں گے چاہے فاعل جمع ہو یا تثنیہ یا مفرد۔ فعل کو دراصل تثنیہ لانے کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ حالت فاعل کا علم

ہو اور فاعل کے اسم ظاہر ہونے کی صورت میں اس کا حال جمع و تثنیہ کے لحاظ سے ہوگا اس بنار پر اب اس کی احتیاج باقی نہ رہی کہ فعل جمع یا تثنیہ لایا جائے۔ لہٰذا یہ لازم ہوا کہ فعل مفرد ہی لایا جائے۔

اور اس کے علاوہ دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر فاعل کے اسم ظاہر ہونے کی شکل میں فعل تثنیہ اور جمع لایا جائے تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر اور تعدد فاعل کا لزوم ہوگا اور یہ دونوں باتیں اصل کے خلاف ہونگی۔ اس بنار پر فعل ہمیشہ اس شکل میں مفرد ہی لائینگے۔

ایک اشکال یہاں اس تعریف پر یہ اشکال کیا گیا کہ یہ حکم و مقررہ ضابطہ اہل عرب کے ان اقوال سے ٹوٹ رہا ہے وہ کہتے ہیں "اکلونی البراغیث" اور اسی طرح بولا کرتے ہیں "قاما الزیدان، قاموا الزیدون" اور "قمن النساء" ان تمام مثالوں میں فاعل کے اسم ظاہر ہونے کے باوجود فعل واحد نہیں لائے بلکہ فاعل ہی کے مطابق تثنیہ اور جمع لائے۔

اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اول تو اہل عرب میں اس طرح کا استعمال شاذ اور نہ ہونے کے درجہ میں اور ناقابل اعتماد ہے۔ علاوہ ازیں یہاں اسم ظاہر در اصل فعل مضمر سے بدل ہونے کی بنار پر یہ اشکال نہیں کیا جا سکتا۔

وان کان مضمراً وُحّد للواحد۔ یعنی اگر فاعل بجائے اسم ظاہر کے اسم ضمیر واقع ہو رہا ہو تو اس صورت میں فاعل کا فعل ٹھیک اسم ضمیر کے مطابق ہوگا کہ واحد ہونے کی صورت میں فعل بھی واحد لائیں گے اور تثنیہ یا جمع ہونے کی شکل میں فعل بھی تثنیہ اور جمع لائیں گے۔

وان کان الفاعل مؤنثاً۔ واضح رہے کہ مؤنث کی دو قسمیں ہیں (۱) مؤنث حقیقی (۲) مؤنث غیر حقیقی۔ مؤنث حقیقی وہ کہلاتی ہے جس کے مقابل حیوان میں سے کوئی مذکر ہو۔ حیوان کی قید کے ذریعہ نباتات کے مونث نکل گئے مثلاً نخلہ کہ اس کا اطلاق نخل کے مؤنث پر ہوتا ہے۔ اور مونث حقیقی کے اندر تانیث کی علامت لفظوں میں ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی بلکہ اس میں تعمیم ہے کہ چاہے تانیث کی علامت لفظوں میں ہو یا لفظوں میں نہ ہو بلکہ تقدیراً ہو تب بھی یہی حکم برقرار رہے گا اور وہ مؤنث جس کا یہ حال نہ ہو اسے غیر حقیقی کہیں گے۔ مطلب یہ کہ مؤنث غیر حقیقی وہ کہلاتا ہے جس کے مقابل حیوان میں سے کوئی مذکر نہ ہو اس سے قطع نظر کہ اس کے مقابل سرے سے کوئی مذکر ہی نہ ہو یا ہو تو ضرور مگر وہ حیوان میں سے نہ ہو۔ مثال کے طور پر "نخلۃ" کہ اس کے مقابل "نخل" آتا ہے جو مذکر ہے مگر یہ حیوان میں سے نہیں اس لئے وہ اس تعریف سے خارج ہے۔

انث الفعل ان لم تفصل۔ خلاصہ یہ کہ فاعل کے مؤنث حقیقی اسم ظاہر ہونے کی صورت میں اس سے قطع نظر کہ وہ واحد ہو یا تثنیہ یا جمع بہر صورت یہ لازم ہوگا کہ فعل مونث ہی لایا جائے مگر شرط یہ ہے کہ فعل اور فاعل کے بیچ میں کوئی چیز فاصل نہ بن رہی ہو۔ فعل کے مونث لانے کے معنی یہ ہیں کہ فعل کے فعل ماضی ہونے کی صورت میں اس میں تائے تانیث ساکنہ لائیں گے اور مضارع ہونے کی شکل میں صیغۂ مؤنث لائیں گے۔

مؤنث حقیقی ہونے کی صورت میں فعل کو مؤنث لانے کو واجب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ فاعل کے مؤنث

ہونے کا اثر تانیث فعل پر پڑتا ہے۔ اسلئے کہ تانیث فاعل فعل کی تانیث کے مقابلہ میں قوی ہوتی ہے۔
اس کے برعکس اگر فاعل غیر حقیقی ہو تو تانیث فاعل میں اس کے غیر حقیقی ہونے کے باعث کمی ہوگی۔ تو اس وقت یہ ضروری نہیں کہ تانیث فاعل کا اثر تانیث فعل پر پڑے۔ البتہ اس صورت میں اس اثر کو درست قرار دینگے۔ علاوہ ازیں تین شرطیں پائی جانے کی شکل میں فعل کے مؤنث ہونے کو لازم شمار کیا جاتا ہے۔ وہ تین شرطیں حسب ذیل ہیں۔
(۱) فعل کا متصرف ہونا شرط ہے (۲) فاعل مؤنث حقیقی انسان ہو (۳) فاعل اور فعل کے بیچ میں کوئی فاصل مضمون واقع نہ ہو۔ پس فعل کے جامد ہونے یا چوپایوں میں سے مونث حقیقی ہونے یا فاعل و فعل کے بیچ میں فصل ہونے کی صورت میں یہ لازم نہ ہوگا کہ تانیثِ فاعل تانیثِ فعل میں مؤثر ہو
وان فصلت الخ۔ یعنی اگر ایسا ہو کہ فاعل اسم ظاہر ہونے اور مونث حقیقی ہونے کے باوجود فاعل اور فعل کے بیچ میں فصل واقع ہو تو اس صورت میں یہ اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے فعل مذکر لایا جائے یا مؤنث۔ وجہ یہ ہے کہ فصل کے باعث تانیثِ فاعل کا تانیث فعل میں مؤثر ہونا لازم نہیں رہا۔ پس خواہ "ضرب الیوم ہند" کہیں اور خواہ "ضربت الیوم ہند" دونوں طرح درست ہے۔
وکذلک فی المؤنث الغیر الحقیقی۔ یعنی جیسے فاعل کے مونثِ حقیقی ہونے کی صورت میں فاعل و فعل کے بیچ میں فاصل ہونے پر یہ اختیار ہوتا ہے کہ خواہ فعل مذکر لایا جائے یا مؤنث ٹھیک اسی طرح فاعل کے مؤنث غیر حقیقی ہونے پر فعل کے مذکر یا مؤنث لانے کا حق ہوتا ہے اس سے قطع نظر کہ دونوں کے درمیان کوئی فاصل ہو یا نہ ہو۔ ہاں فصل واقع ہونے پر اگر مذکر لائیں تو بہتر ہے۔ جیسے "طلعت الشمس" اور "طلع الشمس" دونوں طرح کہنا درست ہے۔ مگر یہ اختیار اس صورت میں ہوگا جبکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہو مگر اسم ظاہر ہو۔
وان کان مسنداً الی المضمرات ابداً۔ یہاں یہ کہتے ہیں کہ فعل کی اسناد اسم ضمیر کی جانب ہونے کی صورت میں یعنی فاعل کے اسم ضمیر ہونے پر چاہے وہ مونث حقیقی کی جانب لوٹ رہا ہو یا غیر حقیقی مؤنث کی طرف بہرصورت فعل مونث آئے گا۔ اس لئے کہ اس وقت تانیثِ فاعل تانیث فعل میں مؤثر ہوگی اور فاعل کے اس وقت شدت اتصال کے باعث اثر بھی لازمی طور پر ہوگا اور اسی وجہ سے یہ لازم ہوگا کہ فعل مونث لایا جائے۔ مذکر لانے کو درست قرار نہ دینگے مثلاً کہا جائے گا "الشمس طلعت"
وجمع التکسیر کالمونث الغیر الحقیقی۔ یہاں فرماتے ہیں کہ فاعل کی جمع مکسر ہونے کی صورت میں اس سے قطع نظر کہ جمع ایسے مذکر کی ہے جو یعقل ہے یا یہ جمع لایعقل کی ہے دونوں صورتوں میں اس کا حکم مونث غیر حقیقی کا سا ہوگا۔
خلاصہ یہ کہ جمع مکسر کے اسم ظاہر فاعل ہونے پر فعل کو یہ بھی درست ہوگا کہ مذکر لایا جائے اور یہ بھی صحیح ہوگا کہ مونث لائیں مثال کے طور پر تا کے بغیر "قام الرجال" بولا جائے تو یہ بھی درست ہے اور اگر تاء کے ساتھ "قامت الرجال" بولیں تو اسے بھی درست قرار دینگے۔
ویجب تقدیم الفاعل علی المفعول۔ فاعل کے حال کا تقاضہ تو یہی ہے کہ وہ مفعول سے پہلے آئے اور فاعل کو فعل

کی شدید ضرورت کے باعث یہ اس کے جز کی طرح ہے اور کسی چیز کے جزو کے لئے موزوں یہ ہے کہ اس سے متصل ہو اس اصول کی بنا پر فاعل فعل سے متصل ہونا ہی چاہیئے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تلفظ کے اعتبار سے اگر فاعل مفعول کے بعد آئے تو یہ بھی درست ہے مگر یہ اسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ فاعل کے بعد آنے میں کوئی اصولی رکاوٹ موجود نہ ہو۔ اور اگر اس طرح کی اصولی رکاوٹ موجود ہو کہ اس کی وجہ سے فاعل کو مفعول کے بعد لانا درست نہ رہے تو اس صورت میں یہ لازم ہوتا ہے کہ فاعل کو پہلے ہی لایا جائے اور اسے مفعول سے موخر نہ کیا جائے۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ فاعل و مفعول کے ایسے اسم ہونے کی صورت میں کہ ان کے اخیر میں الف مقصورہ آرہا ہو فاعل کو مفعول سے پہلے لانا التباس کے اندیشہ کے باعث واجب ہوگا۔ اسلئے کہ اس صورت میں اگر فاعل اپنی جگہ پر نہ ہو تو یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ ان میں سے کون سا فاعل ہے اور کون سا مفعول مثلاً کہا جائے "ضرب عیسیٰ موسیٰ" تو یہاں فاعل کا اپنی جگہ باقی رکھنا واجب ہے۔ البتہ اگر اس طرح کے التباس کا اندیشہ نہ ہو تو مفعول کو فاعل سے پہلے لانا درست ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "اکل الکمثری یحییٰ" کہ یہاں عقلی اعتبار سے یحییٰ کا فاعل ہونا طے شدہ ہے۔

ویجوز حذف الفعل۔ اس جگہ ایک ضابطہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر محذوف فعل کے حذف پر کسی طرح کا قرینہ موجود ہو تو اس شکل میں یہ درست ہے کہ لفظاً فاعل کے فعل کو حذف کر دیا جائے جیسے "من قال" یا "من ضرب" کے جواب میں صرف "زید" کہدیا جائے۔

وکذا یجوز الخ یعنی جس طریقے سے یہ درست ہے کہ محض فاعل کے فعل کو حذف کیا جائے ٹھیک اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ فعل اور فاعل دونوں کو ایک ساتھ قرینہ کی موجودگی میں حذف کر دیا جائے۔ جیسے "اقام زید" کے جواب میں صرف "نعم" کہا جائے۔

وقد یحذف الفاعل الخ۔ یعنی فعل متعدی کو فعل مجہول بنا لینے کی صورت میں فاعل حذف کر کے اس کی جگہ مفعول لے آتے ہیں جیسے "ضُرِبَ زیدٌ" کہ اصل میں "ضرب عمرٌ زیداً" تھا اسے فعل مجہول بنایا تو فاعل حذف کر کے مفعول اس کی جگہ لے آئے۔

فصل اِذَا تنازع الفِعلانِ فی اسمٍ ظاهرٍ بعدَهُمَا ای اَرَادَ کُلٌّ واحدٍ من الفِعلَین اَن یَّعمَل فِی ذٰلکَ الاسمِ فهٰذا انما یکونُ علیٰ اربعۃ اقسامٍ **الاول** ان یّتنازعا فی الفاعِلیۃ فقط نحو ضَرَبَنِی واکرَمَنِی زیدٌ **الثانی** اَنْ یّتَنازعا فی المفعُولیّۃِ فقط نحو ضربتُ واکرمتُ زیداً **الثالثُ** اَنْ یتنازعا فی الفاعلیۃ والمفعُولیۃ ویقتضی الاولُ الفاعِلَ والثانی المفعُولَ نحو ضربنی واکرمتُ زیداً **الرابعُ** عکسُہٗ نحو ضربتُ واکرمَنِی زیداً

ترجمہ:۔ جب دو فعلوں کا کسی اسم ظاہر کے بارے میں نزاع ہو یعنی ان میں سے ہر ایک اس اسم میں عمل کرنا چاہے تو اس صورت میں اس کی چار قسمیں ہونگی۔ اول یہ کہ ان دونوں کے درمیان محض فاعلیت میں ہو مثلاً "ضربنی واکرمنی زیدٌ"۔ دوم یہ کہ نزاع صرف مفعولیت میں ہو۔ مثلاً "ضربتُ واکرمتُ زیداً"۔ سوم یہ کہ دونوں فعلوں کا نزاع اسم ظاہر فاعل اور مفعول دونوں کے ہونے میں ہو۔ فعل اول یہ چاہتا ہو کہ وہ فاعل ہو اور دوسرا اس کا مفعول ہونا چاہے مثلاً "ضربنی واکرمت مزیدٌ"۔ چہارم یہ کہ اس کا عکس ہو (کہ اول اس کا مفعول ہونا چاہتا ہو اور دوسرا فاعل ہونا) مثلاً ضربت واکرمنی زیدٌ۔

تشریح:۔ فصل۔ اس کتاب کے بعض نسخوں میں یہاں لفظ "فصل" نہیں آیا اور یہی صحیح بھی ہے۔ دراصل اس جگہ لفظ فصل کا اضافہ کاتبوں کا تصرف ہے۔ کیونکہ فاعل کے حالات سے اس بحث کو الگ قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ اسی کے زمرہ میں ہے۔ پس یہاں بجائے "فصل" کے لفظ "اعلم" لانا موزوں ہے اس لیے کہ ایک نیا قاعدہ کا ذکر ہے اور صاحب کتاب کی عادت اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ نئے قاعدہ کے ذکر کے وقت لفظ "اعلم" لاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ تنازع کی بحث کا تعلق بھی فاعل کے حالات سے ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فاعل کی دو حالتیں ہیں۔ یا تو اس میں کسی طرح کا نزاع ہوگا یا نہ ہوگا۔ اس سے وہ اعتراض واشکال خود بخود دور ہوگیا کہ تنازع کی بحث غیر محل اور خلاف موقعہ صحیح نہیں۔

اذا تنازع الفعلان۔ یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب صاحب کتاب کے نزدیک فعل سے مقصود عامل ہے تو بجائے "الفعلان" کے "العاملان" کیوں نہ کہا۔

صاحب کتاب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ دراصل عمل میں فعل کی حیثیت اصل کی ہے تو اس کے اصل ہونے کی بنا پر اسے بیان کیا اور رہی فرع تو فرع اصل کے ذیل میں خود آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملحقات بھی اسی حکم میں آجاتے ہیں۔

واضح رہے کہ نزاع جس طریقہ سے دو عاملوں کے درمیان ہوتا ہے ایسے ہی دو سے زیادہ میں بھی ممکن ہے۔ تو یہاں صاحب کتاب کے "الفعلان" کہنے سے مقصود تین یا چار وغیرہ سے احتراز نہیں بلکہ مقصد نزاع کے ادنیٰ درجہ کو بیان کرنا ہے۔

علاوہ ازیں "فعلان" میں تعمیم ہے اس سے قطع نظر کہ فعل لازم ہوں یا متعدی اور متعدی ہونے کی صورت میں چاہے ایک مفعول کی جانب متعدی ہوں یا ایک سے زیادہ کی۔ اور چاہے یہ فعل افعالِ تعجب میں سے ہوں یا نہ ہوں۔

فی اسم ظاہر۔ یہاں اسم ظاہر کی جو قید لگائی گئی اس کے ذریعہ سارے مضمرات اس سے نکل گئے۔ رہی ضمیر بارز تو اسے ظاہر ہونے کے باوجود اسم ظاہر نہیں کہا جاتا پس وہ بھی اس قید کے ذریعہ اسی طرح نکل جائیگی

جس طرح ضمیر مستتر لفظ ظاہر کی قید سے نکل جاتی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ ضمیروں کو تنازع کے باب اور تنازع بحث سے الگ کرنے کا کیا سبب ہے۔؟

تو اس کے جواب میں کہا جائیگا کہ ضمیروں کی دو حالتیں ہوتی ہیں (۱) متصل (۲) منفصل۔ ضمیر کے متصل ہونے کی صورت میں تو نزاع ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ فعل جس کے ساتھ اس ضمیر کا اتصال ہو وہ اس میں عمل کرے گا اور دوسرے فعل کو اس صورت میں اس میں عمل کا موقعہ نہ ہوگا۔ اور ضمیر منفصل ہونے کی شکل میں اس کی دو حالتیں ہیں (۱) کسی وقت اس میں نزاع ہو کر رفع رفع کے طریقہ پر نہ ہوسکے گا (۲) کسی وقت اس میں نزاع بھی ہوگا اور رفع کا رفع کے طریقہ پر ہونا بھی ممکن ہوگا۔ لیکن صاحب کتاب ان دونوں صورتوں کو باب تنازع سے خارج قرار دیتے ہیں۔ صورتِ اول کا تو باب تنازع سے خارج ہونا بالکل عیاں ہے کیونکہ اس جگہ تنازع کے باب میں تنازع سے وہ مقصود ہے کہ رفع کے ضابطہ سے رفع ممکن ہو۔ اور صورت ثانی کے خارج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صاحب کتاب نے قواعد جزئیہ بیان نہیں کئے بلکہ قواعد کلیہ بیان کئے ہیں۔ اور اس صورت کا تعلق جزئی قواعد سے ہے تو یہ بھی صاحب کتاب کے نزدیک تنازع کے باب سے الگ ہے۔

بعد ہما اے اراد کل واحد الخ: یہ اسم کی صفت ثانی ہے یعنی دو فعلوں کے درمیان نزاع اس صورت میں ہوگا کہ اسم ظاہر دونوں افعال کے بعد آرہا ہو۔ اس قید کے ذریعہ یہ بات واضح ہوگئی کہ اسم ظاہر کے دونوں فعلوں سے قبل آنے یا ان دونوں فعلوں کے درمیان آنے کی شکل میں نزاع واقع نہ ہوگا۔ بلکہ ایسی صورت میں فعل اول عامل ہوگا اس واسطے کہ فعل ثانی کے تکلم سے قبل فعل اول اس کا مستحق ہے کہ وہ عمل کرے اور پہلے فعل کے عمل کے بعد اب فعل ثانی اس میں عمل نہ کریگا۔

ایک اشکال کا "ای اراد" سے جواب

بظاہر صاحبِ کتاب پر یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ نزاع تو معنی جنگ ہے اور یہ ذی روح کی صفت قرار دیگئی تو پھر دو فعلوں پر اس کا اطلاق اور انہیں اس سے متصف کرنا کس طرح درست ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ اس جگہ تنازع کے معنی یہ ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دو افعال کی توجہ معنی کے اعتبار سے اسم ظاہر کی جانب ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کو اپنا معمول بنانا چاہتا ہو۔

فہٰذا انما یکون الخ: ہٰذا کے ذریعہ ان دونوں افعال کے نزاع کی جانب اشارہ مقصود ہے۔ یہاں ترکیب کے اعتبار سے "ہٰذا" مبتدا واقع ہورہا ہے اور "انما یکون علیٰ اربعۃ اقسام" ہٰذا کی خبر۔

الاول ان یتنازعا فی الفاعلیۃ۔ الفاعلیۃ میں تاء نسبت کی آرہی ہے اور یہ تاء مصدری کہلاتی ہے۔

فقط۔ یعنی یہ نزاع صرف فاعلیت میں ہو اور مفعولیت میں نزاع نہ ہو۔ رہا وہ نزاع جو مفعول مالم یسم فاعلہ میں ہوا کرتا ہے وہ اس تنازع کے ذیل میں آجاتا ہے جو فاعل میں ہوا کرتا ہے۔ یہ یا تو اس بنا پر کہ بعض کے

قول کے مطابق مفعول مالم یسم فاعلہ، فاعل کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور بعض کے مسلک کی رو سے اسے فاعل کے زمرے میں نہ ماننے کی شکل میں فاعل میں تعمیم کریں گے کہ فاعل سے اس جگہ مقصود یہ ہے کہ خواہ وہ حقیقی ہو یا حکمًا فاعل ہو۔

واعلم اَنَّ فی جمیع هٰذهِ الأقسامِ یجوزُ إعمالُ الفعلِ الاول وإعمالُ الفعلِ الثانی خلافًا للفرّاء فی الصورۃ الاولیٰ والثالثۃ اَن یُّعملَ الثانی ودلیلُه لزومُ احدِ الامرَیْنِ امّا حذفُ الفاعلِ اوالإضمارُ قبلَ الذِکرِ وکلاهما محظوران وهٰذا فی الجواز وامّا الاختیار ففیه خِلافُ البصریّین فإنّهم یختارُونَ إعمالَ الفعلِ الثانی اعتبارًا للقُربِ والجوارِ والکوفیون یختارون اعمالَ الفعلِ الأولِ مراعاةً للتقدیم والاستحقاق فان اَعملتَ الثانیَ فانظر إن کانَ الفعلُ الاول یقتضِی الفاعلَ اضمرتَه فی الاول کما تقولُ فی المُتوافِقَین ضربنی واکرمنی زیدٌ وضرباني واکرمَنِی الزیدانِ وضربُونِی واکرمنی الزیدون وفی المتخالِفَین ضربنی واکرمتُ زیدًا وضربانی واکرمتُ الزیدَیْنِ وضربُونی واکرمتُ الزیدِیْنَ۔ وإن کانَ الفِعلُ الاولُ یقتضی المفعولَ ولم یکنِ الفِعلانِ من افعالِ القُلوبِ حذفتَ المفعولَ مِنَ الفعلِ الاولِ کماتقولُ فی المتوافِقَین ضربتُ واکرمتُ زیدًا وضربتُ واکرمتُ الزیدَینِ وضربتُ واکرمتُ الزیدِیْنَ وفی المتخالفَیْنِ ضربتُ واکرمنی زیدٌ وضربتُ واکرمنی الزیدانِ وضربتُ واکرمنِی الزیدونَ وإن کانَ الفِعلانِ من أفعالِ القلوبِ یجب اظهارُ المفعُولِ لِلفعلِ الاولِ کما تقولُ حَسِبَنی مُنطلِقًا وحَسِبتُ زیدًا منطلِقًا اذ لایجوز حذفُ المفعُولِ من أفعالِ القُلوبِ وإضمارُ المفعُولِ قبلَ الذکرِ هٰذا هو مذهب البصریین وامّا إن اَعملتَ الفِعلَ الاولَ علی مذهبِ الکوفیینَ فانظر ان کانَ الفِعلُ الثانی یقتضِی الفاعِلَ اَضمرتَ الفَاعِلَ فی الفِعلِ الثانی کماتقُولُ فی المتوافِقَیْنِ ضربنی واکرمنی زیدٌ وضربنی واکرمانی الزیدان وضربونی واکرمونی الزیدونَ وفی المتخالفَین ضربتُ واکرمنی زیدًا وضربتُ واکرمانی الزیدَیْنِ وضربتُ واکرمُونی الزیدِینَ. وَإن کان الفعلُ الثانی یقتضِی المفعُولَ ولم یکن الفِعلانِ مِنْ افعالِ القُلوبِ جازَ فیه الوجهانِ حذفُ المفعُولِ والاضمارُ والثانی

هوالمختارُ لیکونَ الملفوظُ مطابقًا للمرادِ. أمّا الحذف فکما تقول فی المتوافقَین
ضَربتُ واکرمتُ زیدًا وَضَربتُ واکرمتُ الزیدَین وضَربتُ واکرمتُ الزیدِین
وفی المتخالفَین ضربنی واکرمتُ زیدٌ ا وضربنی واکرمتُ الزیدانِ وضربنی و
اکرمتُ الزیدُون. وامّا الاضمار فکما تقول فی المتوافقَین ضربتُ واکرمتُهٗ
زیدًا وضربتُ واکرمتُهُما الزیدَین وضربتُ واکرمتُهُمُ الزیدِینَ وَفی
المتخالِفَین ضربنی واکرمتُهٗ زیدٌ وضربنی واکرمتُهُما الزیدانِ وضربنی
واکرمتُهُمُ الزیدونَ. وأمّا اذا کانَ الفِعلان من افعال القُلوبِ فلابُدّ مِن
اظهارِ المفعولِ کما تقول حَسِبَنی وحسبتُهُما منطلقینِ الزیدانِ منطلقًا وذٰلك
لان حسِبنی وحسِبتُهُما تنازعا فی منطلقًا واعملتَ الاولَ وهو حسِبنی واظهرتَ
المفعولَ فی الثانی فان حذفتَ منطلِقَین وقلت حسبنی وحسبتهما الزیدان
منطلِقًا یلزمُ الاقتِصارُ علی احدِ المفعولَینِ فی افعالِ القلوبِ وهو غیرُجائزٍ
وان اضمرتَ فلا یخلوا من ان تُضمِر مفردًا وتقولَ حَسِبنی وحسبتُهُما ایاه
الزیدان منطلقًا وحینئذٍ لایکون المفعولُ الثانی مطابقًا للمفعول الاولِ و
هوهما فی قولك حسبتُهُما ولایجوز ذٰلكَ او ان تُضمِر مثنیٰ وتقول حسبنی وحسبتهما
ایاهما الزیدانِ منطلقًا وحینئذٍ یلزمُ عودُ الضمیرِ المثنی الی اللفظ المفرد وهو
منطلقًا الذی وقع فیه التنازُعُ وهٰذا ایضًا لایجوز واذا لم یجُزِ الحذفُ
والاضمارُ کما عرفتَ وَجبَ الاظهارُ.

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ اسم ظاہر کی ان تمام قسموں میں فعل اول اور فعل ثانی کو عامل قرار دینا
درست ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ پہلی اور تیسری صورت میں فعل ثانی کو عامل قرار دینا جائز نہیں۔ اور ان
کے جائز قرار نہ دینے کی دلیل یہ ہے کہ دو امروں میں سے ایک امر کا لزوم ہوگا یا تو فاعل کا لانا لازم آئیگا یا
فاعل کے ذکر سے قبل ضمیر لانا۔ اور یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں۔ فراء کا یہ اختلاف اس کے جائز
ہونے کے بارے میں ہے۔ رہا اسے اختیار کرنا اور راجح قرار دینا تو ان سب صورتوں میں نحاۃ
بصرہ کا اختلاف ہے۔ اسلئے وہ دوسرے فعل کو عامل قرار دینا اس کے مقدم ہونے اور اس کے استحقاق
کے باعث پسند کرتے ہیں۔ پس دوسرے فعل کو عامل قرار دینے کی صورت میں یہ دیکھا جائے کہ اگر فعل
اول فاعل کا طلبگار ہو تو فعل اول میں فاعل کی ضمیر لے آؤ جیسے دونوں فعلوں کا تقاضا ایک ہونے کی صورت
میں، کمو "ضربنی واکرمنی زیدٌ" "ضرباني واکرمنی الزیدان۔ وضربونی واکرمنی الزیدون" اور دونوں

فعلوں کا اقتضاء الگ الگ ہونے کی صورت میں کہو "ضربنی واکرمتُ زیداً وضربانی واکرمت الزیدین، وضربونی واکرمت الزیدین۔ اور اگر فعل اول مفعول کا متقاضی ہو اور یہ دونوں فعل افعالِ قلوب میں سے نہ ہوں تو فعل اول کا مفعول حذف کردیا جائیگا جیسے دونوں فعلوں کا اقتضاء موافق ہونے کی صورت میں کہے "ضربتُ واکرمتُ زیداً وضربتُ واکرمتُ الزیدین وضربتُ واکرمتُ الزیدین" اور دونوں فعلوں کا اقتضاء الگ الگ ہونے پر کہے "ضربتُ واکرمنی زیدٌ وضربت واکرمنی الزیدان وضربتُ واکرمنی الزیدون"۔ اور دونوں فعلوں کے افعالِ قلوب میں سے ہونے پر فعل اول کے لئے مفعول کا اظہار واجب ہوگا جیسے کہے "حسبنی منطلقاً وحسبتُ زیداً منطلقاً۔ اسواسطے کہ افعالِ قلوب میں مفعول کا حذف کردینا جائز نہیں اور اسی طرح ذکر سے قبل مفعول کی ضمیر لانا بھی اس میں جائز نہیں۔ یہ ذکر کردہ مذہب نحاۃ بصرہ کا ہے۔ اور اگر نحاۃ کوفہ کے مذہب کے مطابق فعل اول کو عامل بنایا جائے تو یہ دیکھو کہ اگر فعل ثانی فاعل کا متقاضی ہو تو فعل ثانی میں ضمیر فاعل لاؤ۔ جیسے دونوں فعلوں کے اقتضاء کے موافق ہونے کی صورت میں کہے "ضربنی واکرمنی زیدٌ وضربنی واکرمانی الزیدان وضربنی واکرمونی الزیدون" اور دونوں فعلوں کا اقتضاء الگ الگ ہونے کی صورت میں کہے "ضربت واکرمنی زیداً وضربت واکرمانی الزیدین وضربت واکرمونی الزیدین" اور اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو اور دونوں فعل افعال قلوب میں سے نہ ہوں تو اس میں مفعول کا حذف اور ضمیر لانا دونوں صورتیں جائز ہیں اور ضمیر لانا مختار و پسندیدہ ہوگا تاکہ ملفوظ مراد کے مطابق ہو جائے۔ رہا مفعول کا حذف تو دونوں فعلوں کا اقتضاء موافق ہونے کی صورت میں کہوگے "ضربتُ واکرمتُ زیداً وضربت واکرمت الزیدین وضربت واکرمت الزیدین" اور دونوں فعلوں کا اقتضاء الگ الگ ہونے کی صورت میں کہوگے ضربنی واکرمتُ زیداً وضربنی واکرمت الزیدان وضربنی واکرمت الزیدون" اور رہا مفعول کی ضمیر کا لانا تو دونوں فعلوں کا اقتضاء موافق ہونے کی صورت میں کہوگے "ضربت واکرمتہٗ زیداً وضربت واکرمتہما الزیدین۔ وضربت واکرمتہم الزیدین اور دونوں کا اقتضاء الگ ہونے کی شکل میں کہوگے "ضربنی واکرمتہ زیدٌ وضربنی واکرمتہما الزیدان وضربنی واکرمتہم الزیدون۔ اور دونوں فعل افعالِ قلوب میں سے ہونے پر مفعول کا اظہار ضروری ہے جیسے کہوگے "حسبنی وحسبتہما منطلقین الزیدان منطلقاً۔ یہ اس بناء پر کہ "حسبنی" اور "حسبتہما" دونوں کا نزاع منطلقاً میں ہوا اور تم نے اول یعنی "حسبنی" کو عامل قرار دیا اور دوسرے فعل میں مفعول کا اظہار کیا۔ پس اگر "منطلقین" کو حذف کرکے کہو "حسبنی وحسبتہما الزیدان منطلقاً" تو اس صورت میں افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے محض ایک پر اکتفا لازم آئے اور ایسا کرنا درست نہیں اور ضمیر لانے کی صورت میں اس سے مفر نہیں کہ یا تو ضمیر مفرد کی لائی جائے اور کہے "حسبنی وحسبتہما ایاہ الزیدان منطلقاً" اور اس صورت میں مفعول ثانی مفعول اول کے مطابق نہ ہوگا اور وہ دوسرا مفعول "حسبتہما"

میں "ہما" ہے اور یہ صورت درست نہیں۔ یا یہ کہ تثنیہ کی ضمیر لاکر کہے "حسبنی وحسبتهما ایاہما الزیدان منطلقا" اس شکل میں یہ لازم آئے گا کہ تثنیہ کی ضمیر مفرد لفظ یعنی "منطلقا" کی جانب لوٹائی جائے اور "منطلقا" کے ہی بارے میں نزاع واقع ہوا اور یہ صورت بھی جائز نہیں۔ پھر جب حذف کرنے اور ضمیر لانے میں سے کوئی صورت جائز نہیں ہوئی جیسے کہ معلوم ہوا تو مفعول کا اظہار واجب ہوگیا۔

تشریح واعلم۔ یہ صیغہ امر اور جاننے کے معنی میں آتا ہے۔ اس بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں کہ یہ لفظ کس واسطے لایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک ابتدائے کلام میں اسے لانے کا مقصد غافل لوگوں کو غفلت سے بیدار کرنا ہے۔

بعض کے نزدیک اس کے لانے کا مقصد آنے والے کلام کی رغبت دلانا اور اس کا اشتیاق پیدا کرنا ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ آنے والا کلام اس لائق ہے کہ اسے محفوظ رکھا جائے۔

وکلاہما محظوران۔ یعنی ضابطہ کے اعتبار سے فاعل کے حذف کرنے اور اضمار قبل الذکر دونوں کی ممانعت ہے صاحب کتاب کا قول "کلاہما" مبتدا اور "محظوران" اس کی خبر ہے۔ رہا "محظوران" تثنیہ کا صیغہ لانا تو وہ بلحاظ معنیٰ "کلا" ہے۔

وہٰذا۔ یعنی اسم ظاہر کے درمیان نزاع کی صورت میں نحات بصرہ وکوفہ کے نزدیک دونوں میں سے ہر فعل کا عامل بننا جائز ہے۔ لیکن فراء کے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں فعل اول کا ہی عامل بننا ضروری ہے۔

ایک سوال کا جواب اس جگہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں جواز کی صراحت کی کیا احتیاج ہے جبکہ ہر فعل کے عمل کا جائز ہونا ماقبل سے سمجھ میں آرہا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ دراصل یہاں جواز کے ساتھ مختار و راجح کو بیان کرنا مقصود ہے اسواسطے دوبارہ تقابل کی غرض سے اس کو بیان کردیا کہ جواز میں تو نحاۃ بصرہ وکوفہ متفق ہیں مگر راجح کے درمیان ان کا اختلاف ہے۔

فانہم یختارون۔ نحاۃ بصرہ کے نزدیک فعل ثانی کا عامل بننا پسندیدہ ہے اور نحاۃ کوفہ کے نزدیک فعل اول کا عامل بننا راجح ہے

نحاۃِ بصرہ کے مسلک کی اولیت کی وجہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبِ کتاب نے نحاۃِ بصرہ کا مسلک پہلے کس وجہ سے بیان کیا۔ نحاۃِ کوفہ کا مسلک بھی پہلے بیان کرسکتے تھے؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب کتاب کے نزدیک نحاۃ بصرہ کا مسلک راجح وپسندیدہ ہے اس لئے اول اسے بیان فرمایا اور پھر نحاۃِ کوفہ کا مسلک ذکر کیا۔

فان اعملت الثانی۔ اس جگہ نحاۃِ بصرہ کے مسلک کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمارہے ہیں۔ اجمالی بیان

میں بھی کیونکہ صاحب کتاب نے اول نحاۃ بصرہ کا مسلک بیان کیا تھا تو یہاں تفصیلی بیان میں بھی اس کا ذکر پہلے کیا تاکہ سابق ترتیب برقرار رہے۔ صاحب کتاب کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ فعل ثانی کو عامل قرار دینے کی صورت میں جو کہ نحاۃِ بصرہ کے نزدیک راجح و پسندیدہ ہے یہ دیکھو کہ فعل اول فاعل کا متقاضی ہے یا مفعول کا متقاضی۔ فعل اول کے متقاضیٔ فاعل ہونے کی صورت میں اسم ظاہر کے مطابق ضمیر فاعل لائی جائے گی کہ اسم ظاہر کے مفرد ہونے کی شکل میں ضمیر مفرد اور تثنیہ ہونے پر ضمیر تثنیہ اور جمع ہونے پر ضمیر جمع لائیں گے۔ مثال کے طور پر "ضربنی واکرمنی زید" ضرباني واکرمني الزیدان، ضربوني واکرمني الزیدون۔ اسی طریقہ سے یہ بھی لازم ہے کہ تذکیر و تانیث کے درمیان مطابقت ہو۔

اور دونوں فعلوں کا اقتضا یکساں نہ ہونے کی صورت میں اسم ظاہر اور ضمیر کے درمیان یہ موافقت اسلئے ناگزیر ہے کہ یہ اسمِ ظاہر دراصل مرجع ضمیر ہے اور قاعدہ کے اعتبار سے مرجع و ضمیر میں توافق ضروری ہے۔ بہرصورت فعل ثانی کو عامل قرار دینے کی شکل میں اگر پہلا فعل متقاضیٔ فاعل ہو تو اس میں اسم ظاہر کے مطابق ہی ضمیر فاعل لائی جائے گی اور فاعل کو محذوف قرار دیں گے جیسا کہ معروف نحوی کسائی کہتے ہیں۔ جمہور نحویوں اور کسائی کے درمیان اختلاف اسم ظاہر کے تثنیہ اور جمع ہونے کی شکل میں عیاں ہوتا ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ "ضرباني واکرمني الزیدان وضربوني واکرمني الزیدون کہیں گے اور کسائی کہتے ہیں کہ "ضربني واکرمني الزیدان اور ضربني واکرمني الزیدون" کہیں گے۔ اور اسم ظاہر کے مفرد ہونے کی صورت میں اثر اختلاف کا اظہار نہ ہوگا کیونکہ مفرد میں دونوں ہی "ضربني واکرمني زید" بولتے ہیں۔ حاصل یہ کہ تنازع کی شکل میں جبکہ فعل اول فاعل کا متقاضی ہو تو اس میں تین شکلیں ہوں گی (۱) فاعل حذف کر دیا جائے (۲) فاعل بیان کیا جائے (۳) فعل اول میں ضمیر اسم ظاہر کے مطابق لائی جائے۔

وان کان الفعل الاول یقتضی المفعول۔ یعنی فعل ثانی کے عامل بننے کی صورت میں فعل اول مفعول کا متقاضی ہو۔ نیز یہ دونوں فعل افعال قلوب میں سے نہ ہوں تو اس کے کلام میں فضلہ ہونے کے باعث اس کا حذف کرنا درست ہوگا اور اس میں اضمار مفعول قبل الذکر کی احتیاج نہیں ہوتی اس واسطے ضمیر مفعول نہیں لائی جاتی اور ان دونوں فعلوں کے افعال قلوب میں سے ہونے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ مفعول کا اظہار کیا جائے جیسے "حسبني منطلقا وحسبت زیدًا منطلقًا" کیونکہ افعال قلوب میں مفعول کا حذف اور اضمار قبل الذکر جائز نہیں۔ یہ تفصیل جو کچھ بیان کی گئی نحاۃِ بصرہ کے مسلک کے مطابق ہے۔

ایک اشکال کا جواب

اس جگہ یہ اشکال کیا گیا کہ ضابطہ یہ بیان کیا گیا کہ افعال قلوب کے مفعول کو حذف کرنا صحیح نہیں حالانکہ ارشاد ربانی ہے "ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاہم اللہ من فضلہ ہو خیرلہم" (الآیۃ) تو "ولا یحسبن" بصیغۂ غائب پڑھنے پر مفعول اول اس جگہ محذوف ہوگا اور عبارت اس طرح ہوگی "بخلہم ہو خیرلہم"۔

بعض اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس قرأت کی رو سے " ہُوَ " ضمیر پہلا مفعول قرار دیجائے گی جو کہ بجانب بخل لوٹ رہی ہے۔

واما اذا کان الفعلان من افعال القلوب الخ اور دونوں فعلوں کے افعال قلوب میں سے ہونے کی صورت میں ضمیر لانا ازروئے ضابطۂ مقررہ درست نہیں اور اس وقت واجب ہے کہ مفعول کا اظہار کیا جائے جیسے حسبنی وحسبتهما منطلقین الزیدان منطلقًا۔ دونوں فعلوں کے درمیان اول " زیدان " میں نزاع ہوا۔ فعل اول نے یہ چاہا کہ اسے اپنا فاعل بنائے اور فعل ثانی نے یہ چاہا کہ مفعول بنائے تو عامل فعل اول بنا اور فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر لائی گئی۔ اس کے بعد دونوں کا نزاع " منطلقًا " کے درمیان ہوا اور دونوں نے یہ چاہا کہ اسے اپنا مفعول بنالیں تو نحاۃ کوفہ کے مسلک کے مطابق فعلِ اول کو عامل بنایا گیا اور فعل ثانی کے مفعول کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح کہا " حسبنی وحسبتهما الزیدان منطلقًا " کیونکہ فعل ثانی کے دوسرے مفعول کو حذف کرنے کی صورت میں افعال قلوب کے دو مفعولوں میں محض ایک مفعول پر اکتفا لازم آتا ہے اور یہ اکتفاء درست نہیں۔ اور ضمیر لاتیں تو یا مفرد کی ضمیر لائی جائے گی یا ضمیر تثنیہ آئے گی۔ ضمیر مفرد لانے کی صورت میں یہ قباحت ہے کہ " حسبت " کے دونوں مفعولوں کے درمیان توافق نہ رہے گا حالانکہ یہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ " حسبت " کا پہلا مفعول دراصل مبتدا ہے اور دوسرا مفعول اس کی خبر۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ مبتدا و خبر کے درمیان مفرد و تثنیہ ہونے میں مطابقت ناگزیر ہے اور اگر ضمیر تثنیہ لائیں تو پھر مرجع و ضمیر کے درمیان موافقت برقرار نہیں رہتی۔ حاصل یہ کہ جب نہ ضمیر لانا درست ہوا اور نہ حذف کرنا تو لازمی طور پر فعل ثانی کے دوسرے مفعول کا اظہار ضروری ہو گیا۔

فصل مفعُولُ مالم یُسَمَّ فاعلُہٗ وھو کل مفعول حُذِفَ فاعلُہٗ واُقِیمَ ھُو مَقامَہٗ نحو ضُرِبَ زیدٌ وحکمُہٗ فی توحیدِ فعلِہٖ وتثنیتِہٖ وجمعِہٖ وتذکیرِہٖ وتانیثِہٖ علیٰ قیاسِ ما عرفتَ فی الفاعِلِ۔

ترجمہ :۔ مفعول مالم یسم فاعلہ ہر ایسے مفعول کو کہتے ہیں جس کا فاعل حذف کر کے اسے اس کی جگہ لایا گیا ہو۔ مثلاً ضُرِبَ زیدٌ۔ اس کا حکم اس فعل کے واحد تثنیہ اور جمع، اور مذکر و مؤنث لانے میں اس کے مطابق ہو گا جیسا کہ فاعل کے بیان میں تمھیں معلوم ہوا۔

تشریح مفعول مالم یسم فاعلہ۔ مرفوعات کی قسم اول سے فراغت کے بعد اب مرفوعات کی قسم ثانی کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کو اگرچہ فاعل کے قائم مقام ہونے کے اعتبار سے فاعل کے زمرہ میں داخل کیا جاتا ہے لیکن اس کے مفعول سے موسوم ہونے کے باعث صاحبِ کتاب نے

اس کی تعریف الگ سے بیان فرمائی اور اس کے واسطے ایک مستقل فصل لاتے ہوئے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا
کہ مفعول مالم یسم فاعلہ مرفوع کی مستقل طور پر قسم ثانی ہے۔ مفعول مالم یسم فاعلہ یعنی اس طرح کے فعل یا شبہ فعل کا مفعول
جس کے فاعل کو بیان نہ کیا جائے۔

واقیم ہو مقامہ۔ اس جگہ ایک اشکال یہ کیا گیا کہ متصل ضمیر کو منفصل ضمیر سے اس صورت میں مؤکد کیا جاتا ہے
جبکہ کسی چیز کے ضمیر متصل پر معطوف کرنے کا قصد ہو مگر اس جگہ "اقیم" کی مستتر و پوشیدہ ضمیر پر کسی کا عطف نہ ہوتے ہوئے
بھی منفصل ضمیر لانے کا کیا سبب ہے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ضمیر متصل کو ضمیر منفصل سے مؤکد نہ کرنے کی صورت میں دو قباحتوں کا سامنا ہوتا۔ ایک
تو اس شکل میں "اقیم" کا مفعول مالم یسم فاعلہ "مقامہ" کے ہونے کا خیال ہوتا۔ دوم یہ خیال ہو سکتا تھا کہ "ضمیر اقیم فاعل
کی جانب اس سے نزدیک ہونے کے باعث لوٹ رہی ہے اور مقررہ ضابطہ کے مطابق نزدیک کو چھوڑ کر دور نہیں
جایا جاتا۔ لیکن کیونکہ دونوں شکلوں میں معنیً کلام غلط ہوتے اس واسطے قیاس کے خلاف ضمیر متصل کو ضمیر منفصل سے
موکد کیا تاکہ اس صورت میں ضمیر کا مرجع بھی قیاس کے خلاف مفعول قرار پاکر کلام بے معنی و لغو ہونے سے محفوظ رہے۔

رہی یہ بات کہ اسے مفعول مالم یسم فاعلہ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ تو اس کا سبب اس کی تعریف ہی سے عیاں ہے
الگ اس کے بیان کی قطعاً احتیاج نہیں

واضح رہے کہ فاعل کا حذف اور مفعول اس کی جگہ لانے کی چند شرائط ہیں ان شرطوں کا لحاظ ضروری
ہے (۱) شرط اول یہ کہ معروف کا صیغہ مجہول سے بدل دیا جائے اس شرط کا لحاظ مفعول مالم یسم فاعلہ کا عامل فعل ہونے
کی صورت میں کیا جائے گا۔ اور اگر عامل بجائے فعل کے شبہ فعل ہو تو یہ شرط بھی برقرار نہ رہے گی۔

شرط دوم یہ کہ وہ مفعول جسے فاعل کی جگہ لایا جائے وہ نہ تو باب اعلمتُ کا مفعول سوم ہو اور نہ باب علمتُ
کا مفعول دوم وجہ یہ ہے کہ باب اعلمتُ کے مفعول سوم کی اسناد باب اعلمت کے مفعول دوم کی جانب ہوتی
ہے اور باب علمتُ کے مفعول دوم کی اسناد باب علمت کے مفعول اول کی جانب ہوتی ہے لہذا یہ دونوں
مفعول فاعل کی جگہ لانے کی صورت میں یہ قباحت پیش آئے گی کہ ایک شے کا دو تام اسناد کے ساتھ مسند
اور مسند الیہ ہونے کا لزوم ہوگا۔

وحکمہ فی توحید فعلہ الخ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مفعول کے ظاہر ہونے کی صورت میں مفعول
چاہے واحد ہو یا وہ تثنیہ و جمع آیا ہو بہر صورت فعل واحد ہی آئے گا۔ اور مفعول کے تثنیہ و جمع آنے کی وجہ
سے فعل میں کوئی تغیر نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر ضرب زید، ضرب الزیدان، ضرب الزیدون ، اور مفعول کے مضمر
ہونے کی شکل میں مفعول تثنیہ ہو تو فعل بھی تثنیہ اور مفعول جمع ہو تو فعل بھی جمع آئے گا مثلاً الزیدان ضربا ،
الزیدون ضربوا۔ اور مفعول کے مؤنث حقیقی ہونے پر فعل بھی مؤنث آئے گا۔ اس سے قطع نظر کہ مفعول مضمر ہو یا مظہر
اور مفعول کے مونث غیر حقیقی ہونے کی شکل میں مفعول اگر ظاہر ہو تو یہ اختیار ہوگا کہ خواہ فعل مؤنث لایا جائے

یا مذکر، مثلاً "کور الشمس" اور "کورت الشمس"

فصل المبتدأ والخبرُ هما اسمان مجردانِ عن العواملِ اللفظيةِ احدُهما مُسندٌ اليه ويُسمّى المبتدأ والثانى مُسندٌ بهٖ ويسمّى الخبرَ نحو زيدٌ قائمٌ والعاملُ فيهما معنوىٌّ وهو الابتداءُ واصل المبتدأ ان يكونَ معرفةً واصلُ الخبر ان يكونَ نكرةً والنكرةُ اِذا وُصِفَتْ جازان تقعَ مُبتدأً نحو قوله تعالىٰ "وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ" وكذا اذا تخصّصتْ بوجهٍ اٰخرَ نحو ارجلٌ فى الدارِ ام امراةٌ وما احدٌ خيرٌ منكَ وَشرٌّ اهرّ ذا نابٍ وفى الدار رجلٌ وسلامٌ عليكَ وان كانَ احدُ الاسمين معرفةً والاٰخرُ نكرةً فاجعلِ المعرفةَ مبتدأً والنكرةَ خبرًا البتة كما مرّ وان كانا معرفتين فاجعَلْ ايّهما شئتَ مبتدأً والاٰخرَ خبرًا نحو اللّٰهُ تع الٰهنا ومُحمّدٌ نبيُّنا وادمُ ابونا. وقد يكونُ الخبرُ جملةً اسميّةً نحو زيدٌ ابوهُ قائمٌ او فعليّةً نحو زيدٌ قامَ ابوهُ اوشرطيّةً نحو زيدٌ اِن جاءَنى فاكرمتُهُ او ظرفيّةً نحو زيدٌ خلفَكَ وعمرٌو فى الدار والظرف متعلق بجملةٍ عند الاكثر وهى استقرمثلاً تقولُ زيدٌ فى الدارِ تقديرهٗ زيدٌ استقرّ فى الدار ولابدّ فى الجملةِ من ضميرٍ يعودُ الى المبتدأ كالهاءِ فى مامرّ ويجوزُ حذفهُ عند وجودِ قرينةٍ نحو السّمنُ منَوانِ بدرهمٍ والبُرُّ الكُرُّ بستّين درهمًا وقد يتقدّمُ الخبرُ على المبتدأ اء نحو فى الدارِ زيدٌ ويجوزُ للمبتداء الواحد اخبارٌ كثيرةٌ نحو زيدٌ عالمٌ فاضلٌ عاقلٌ۔

ترجمہ:۔ مبتدا اور خبر یہ دونوں ایسے اسم ہیں کہ ان میں لفظی عوامل موجود نہیں۔ ان میں سے ایک مسند الیہ ہوتا ہے اور اسے مبتدا کہتے ہیں اور دوسرا مسند ہوتا ہے اسے خبر کہتے ہیں۔ مثلاً زید قائم۔ ان دونوں میں معنوی عامل یعنی ابتداء ہے۔ مبتداء میں اصل اس کا معرفہ ہونا اور خبر میں اصل اس کا نکرہ ہونا ہے۔ اور نکرہ کے موصوف ہونے کی صورت میں اس کا مبتدا ہونا درست ہے جیسے ارشاد ربانی وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (الاٰیۃ) اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ نکرہ کی تخصیص کسی اور طریقہ سے کیگئی ہو مثلاً أرجلٌ فی الدار ام امراۃٌ۔ وَمَا اَحَدٌ خَیْرٌ مِّنْکَ۔ وَشَرٌّ اَھَرَّ ذَا نَابٍ۔ وَفِی الدَّارِ رَجُلٌ۔ وَسَلَامٌ عَلَیْکَ۔ اور اگر دو اسموں میں سے ایک معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو تو معرفہ مبتداء بنائینگے

اور نکرہ خبر۔ جیسے کہ گذر چکا۔ یہ حکم قطعی وحتمی ہے۔ اور دونوں کے معرفہ ہونے کی صورت میں اختیار ہے کہ ان میں سے جسے چاہو مبتدا بنا لو اور دوسرے کو خبر۔ مثلاً "اللہ الٰہنا و محمد نبینا و آدم ابونا" اور بعض اوقات خبر جملہ اسمیہ ہوا کرتی ہے جیسے "زید ابوہ قائم" یا کبھی جملہ فعلیہ ہوتی ہے مثلاً "زید قام ابوہ" یا بعض اوقات شرطیہ ہوتی ہے جیسے "زید ان جاءنی فاکرمتہ" یا ظرفیہ ہوتی ہے مثلاً: "زید خلفک وعمرو فی الدار" اور ظرف اکثر نحاۃ کے نزدیک "استقر" کے ساتھ جملہ فعلیہ سے متعلق ہوگا مثلاً "زید فی الدار" تو یہ اصل میں ہے "زید استقر فی الدار"۔ اور جملہ میں ایسی ضمیر کا ہونا لازم ہے جو مبتدا کی جانب لوٹ رہا ہو جیسے ہائے گذری ہوئی مثالوں میں۔ اور قرینہ کی موجودگی میں اسے حذف کرنا جائز ہے مثلاً "السمن منوان بدرہم (دو من گھی بمعاوضہ یک درہم) والبر الکر بستین درہما" (اور ایک کر گندم بمعاوضہ ساٹھ درہم) اور کبھی خبر مبتدا پر مقدم ہوتی ہے مثلاً "فی الدار زید" اور ایک مبتدا کی بہت سی خبریں ہونا جائز ہے مثلاً "زید عالم فاضل عاقل"۔

تشریح | هما اسمان مجردان۔ یعنی مبتدا اور خبر دو اسم ہوتے ہیں اس سے قطع نظر کہ وہ دونوں حقیقی ہی ہوں یا غیر حقیقی وحکمی۔ اس عام تعریف کی رو سے آیتِ مبارکہ "وَاَنْ تصدقوا خیراً لکم" مبتدا کی تعریف میں داخل ہوئی۔ وجہ اس کے زمرۂ مبتدا میں آنے کی یہ ہے کہ "ان تصدقوا" کو خواہ اسم حقیقی نہ کہا جائے لیکن یہ حکماً اس میں داخل ہے۔

مجردان عن العوامل اللفظیہ۔ یعنی ان دونوں میں نہ عامل لفظی آیا ہو اس سے قطع نظر کہ عامل سماعی ہو یا عامل قیاسی ہو۔

ایک اشکال کا جواب | اس جگہ اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ مجرد دراصل تجرید سے اخذ کیا گیا ہے اور تجرید جس کے معنی خالی کرنے کے آتے ہیں اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ شے پہلے اس میں پائی جائے تاکہ خالی کرنے کی تعریف اس پر صادق آئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مبتدا میں اول لفظی عامل موجود تھا اور بعد میں وہ باقی نہ رہا جبکہ صورت واقعہ اس طرح نہیں۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ بعض اوقات محض احتمال وامکان پر ہی وجود کا اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے مذکورہ اشکال اس پر کرنا درست نہیں۔

علاوہ ازیں اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ عوامل تو دراصل عامل کی جمع ہے اور جمع کے کم سے کم افراد تین ہوتے ہیں تو اس سے پتہ چلا کہ مبتدا کے عامل اگر تین سے کم یعنی ایک یا دو ہوں تو اس کی وجہ سے مبتدا کے مبتدا ہونے میں کوئی خرابی لازم نہ آئے گی۔ البتہ تین یا تین سے زیادہ ہونے پر خرابی کا لزوم ہوگا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ازروئے قاعدہ لام تعریف کے جمع کے ساتھ آنے کی صورت میں جمع کے معنی

باطل وکالعدم ہو جاتے ہیں اور اس وقت مقصود استغراق ہوتا ہے اور لفظ جمع کے زمرہ میں سارے افراد آجاتے ہیں جیسے اس موقعہ پر لام تعریف کے آنے سے یہی مقصود ہے کہ مبتدا ایسے اسم کا نام ہے جس میں عوامل لفظیہ کا کوئی فرد بھی نہ پایا جائے۔ اس تفصیل کے مطابق کوئی اشکال اس تعریف پر باقی نہ رہا۔

احدہما مسندالیہ۔ یعنی ایسے دو اسم جن میں عوامل لفظیہ نہ پائے جائیں ان میں سے ایک کو مسندالیہ کہا جائے گا جو مبتدا قرار پائے گا اور دوسرا اسم مسند کے نام سے موسوم ہوگا اور اسے خبر کہا جائے گا۔ حاصل یہ کہ صاحب کتاب نے مبتدا اور خبر کی تعریف صاحب کافیہ کی طرح الگ الگ کرنے کے بجائے دونوں کی تعریف ایک جگہ بیان کردی۔

صاحب کتاب نے جو "مجردان" کی قید لگائی تو اس قید کے ذریعہ وہ اسمار نکل گئے جن پر عامل آیا کرتا ہے مثال کے طور پر اسم کانَ اور رانَّ۔ نیز جو قید مسند کی لگائی گئی نیز مسندالیہ کی قید کے ذریعہ خبر سے احتراز لازم آیا کہ خبر مسندالیہ نہیں ہوتی بلکہ مسند ہوا کرتی ہے۔

مسند بہ۔ یعنی خبر ایسا اسم کہلاتی ہے جس میں لفظی عوامل نہ پائے جائیں علاوہ ازیں وہ مسند ہو۔ اس میں "مسند بہ" کی قید کے ذریعہ اس کی تعریف سے مبتدا نکل گیا۔

والعامل فیہما معنوی۔ یعنی خواہ مبتدا ہو یا خبر دونوں میں آنے والا عامل جسے ابتداء کہا جاتا ہے وہ معنوی ہے۔ واضح رہے کہ اس سلسلہ میں نحویوں کا اختلاف رائے ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں میں معنوی عامل موجود ہیں یا معنوی عامل موجود نہیں۔ نحاۃ بصرہ کے نزدیک مبتدا اور خبر دونوں میں معنوی عامل ابتدار موجود ہے۔ بعض کے نزدیک ابتدار کو اس معنی کے اعتبار سے صرف مبتدا میں عامل قرار دیا جاتا ہے اور رہی خبر اس میں عامل دراصل مبتدا ہے۔ بعض کے نزدیک مبتدا اور خبر باہم ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ عامل کے ہیں۔ اس قول کے اعتبار سے مبتدا اور خبر دونوں لفظی عامل سے خالی نہ ہوں گے۔ بعض کے نزدیک معنوی عامل اسے کہا جاتا ہے جس کا ادراک بذریعہ عقل ہو مگر اس کا تلفظ نہ کیا جاتا ہو۔

واصل المبتدأ ان یکون معرفۃ۔ یعنی مبتدا کی موزوں و مناسب حالت اس کا معرفہ ہونا ہے کیونکہ حکم کا مدار فائدہ رسانی پر ہے اور اکثر و بیشتر یہ بذریعہ معرفہ حاصل ہوتی ہے۔

واصل الخبر ان یکون نکرۃ، والنکرۃ۔ صاحب کتاب جمہور کا مسلک اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مبتدا کے واسطے یہ ناگزیر ہے کہ وہ یا تو معرفہ ہو یا اگر نکرہ ہو تو مخصصہ ہو کہ نکرہ مخصصہ بھی ایسے معرفہ جیسا ہو جاتا ہے جس کا بذریعہ دلیل محکوم علیہ ہو جانا ثابت ہو گیا ہو۔ صاحب کتاب نے "النکرۃ اذا وصفت" کے ذریعہ اسی جانب اشارہ فرمایا۔ نکرہ کے اسباب مخصصہ میں سے ایک سبب مبتدا کا اس طرح کا نکرہ ہونا جس کی صفت کو بیان کیا گیا ہو۔ تو حاصل یہ کہ نکرہ کے موصوف ہونے کی صورت میں اس کا مبتدا بن جانا صحیح ہوگا۔ واضح رہے کہ تصغیر بھی وصف کے درجہ میں ہے اور از روئے قاعدہ اس کا بھی مبتدا بننا درست ہے۔

وکذا اذا تخصصت بوجہ آخر۔ یعنی جس طریقہ سے بذریعہ وصف تخصیص کے باعث نکرہ کا مبتدا بننا درست

ہے ٹھیک اسی طرح اگر کسی اور طرح اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہو تو اس کا نکرہ بننا درست ہوگا۔ اب رہا تخصیص کا معاملہ تو اس میں عمومیت ہے خواہ وہ تخصیص حقیقی ہو یا حکمی بہر صورت تخصیص کی صورت میں نکرہ کا مبتدا بننا درست ہوگا۔

نحو ارجل فی الدار ام امراۃ۔ ذکر کردہ مثال میں "رجل" نکرہ آیا ہے اور اس میں تخصیص بلحاظ علم متکلم ہے کیونکہ متکلم اس سے بخوبی آگاہ ہے کہ گھر میں مرد اور عورت میں سے ایک نہ ایک یقیناً موجود ہے اور شک صرف اس بات میں ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت۔ لہٰذا اس ذکر کردہ مثال میں "احدہما فی الدار" کی صفت کے ذریعہ تخصیص واقع ہوئی۔

وما احد خیر منک۔ اس مثال میں "احد" نکرہ استعمال ہے اور وہ تحت نفی آیا ہے اور مقررہ ضابطہ کے مطابق نکرہ تحت النفی آنے کی صورت میں فائدہ عموم کا دیتا ہے اور حکم کے زمرہ میں سارے افراد داخل ہوتے ہیں اور یہ بات عیاں ہے کہ محکوم علیہ عموم کے اعتبار سے معین بھی ہے اور اس کے ذریعہ تخصیص بھی پیدا ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ افراد کا مجموعہ امر واحد ہوتا ہے اس میں تعدد نہیں ہوا کرتا پس اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ اس میں تخصیص پیدا ہو گئی۔

وشر اہر ذاناب۔ ذکر کردہ مثال میں "شر" نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا واقع ہوا ہے اور اس میں طریقہ تخصیص فاعل کا سا ہے۔ فاعل میں تخصیص کا ذریعہ فعل کا بیان کرنا ہے۔ مثال کے طور پر جب کہا جائے "ضرب" تو اس کے ذریعہ یہ بات سمجھی گئی کہ "ضرب" کے بعد ذکر کردہ شے میں فاعل ہونے کی اہلیت ہوگی اس کے بعد "رجل" کہنے پر "رجل" کے فاعل ہونے کا پتہ چلا اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اس میں اس کی اہلیت موجود ہے کہ اسے فاعل بنایا جائے۔ اس مثال میں دیکھنا یہ ہے کہ لفظ "شر" میں وہ کیا اہلیت ہے کہ اس کی تخصیص بطور تخصیص فاعل آسکتی ہے۔

اس کے بارے میں کہا گیا کہ "شر اہر ذاناب" دراصل "ما اہر ذاناب الا شر" کے مقام میں استعمال کیا جاتا ہے اور جن معنیٰ کا حصول "ما اہر ذاناب الا شر" سے ہوتا ہے ٹھیک وہی "شر اہر ذاناب" سے ہوگا۔ اور مثال "ما اہر ذاناب الا شر" میں لفظ "شر" فاعل سے بدل کے طور پر ہے اور بدل کا جہاں تک تعلق ہے وہ حکمی فاعل ہوتا ہے اسی بنا پر مثال "شر اہر ذاناب" میں لفظ "شر" مشابہ فاعل قرار پایا۔

ایک اشکال کا ازالہ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ اصطلاحی اعتبار سے تخصیص تو اشتراک کی قلت کا نام ہے تو اس جگہ وہ کونسی چیز موجود ہے جس کے ذریعہ یہ تعریف صادق آسکے اور تخصیص کا حصول ہو۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کتا کبھی عادتاً بھونکتا ہے اور کبھی اس کا بھونکنا غیر معتاد ہوتا ہے۔ کتے کے عادتاً بھونکنے پر حصر بمقابلہ خیر حاصل ہوگا اور غیر معتاد ہونے کی شکل میں فقط شر ہوگا اور اس صورت میں حصول حصر نہ ہوگا۔ اور صفت پوشیدہ ہوگی تاکہ یہ حصر اپنی جگہ درست ہو جائے اور معنیٰ اس صورت میں یہ ہونگے "شر عظیم

لاحقیر" اہر ذاناب" (بھونکنے والے کتے کا شر عظیم (بڑا) ہے، حقیر (کم) نہیں۔)

وفی الدار رجل ۔ اس جگہ خبر کو مقدم کرنے کے باعث "رجل" میں تخصیص پیدا ہوگئی۔ کیونکہ "فی الدار" کہنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "فی الدار" کے بعد جو آئے گا اس کا اتصاف صفتِ استقرار سے ہوگا لہٰذا خبر کو مقدم کرنا تخصیص بالصفت کے درجہ میں ہوکر اس لحاظ سے اس کا مبتدا بننا درست ہوگیا۔

وسلام علیک ۔ لفظ "سلام" جوکہ نکرہ ہے اس میں اس اعتبار سے تخصیص پیدا ہوگئی کہ یہ درحقیقت تھا "سلمت علیک سلامًا" یہاں فعل حذف کیا اور "سلامًا" بارادۂ استقرار و دوام بجانب رفع معدول کردیا۔ اس اعتبار سے اس کو دعائیہ جملہ کہا جائے گا اور جملہ دعائیہ کے لائق، ہمیشگی و دوام ہی ہے۔ تو متکلم کی جانب نسبت کے باعث اس میں تخصیص پیدا ہوگئی۔

وان کان احد الاسمین ۔ یہاں یہ بتارہے ہیں کہ دو اسموں میں سے ایک کے معرفہ اور دوسرے کے نکرہ ہونے کی صورت میں جو اسم کہ معرفہ ہوگا اسے مبتدا بنائیں گے۔ مثال کے طور پر "عمرو قاعد" اس میں عمرو تو معرفہ ہے اور قاعد خبر۔ مبتدا کی اصل معرفہ ہونے کی بنار پر عمرو کو معین طور پر مبتدا قرار دیا جائے گا اسی طرح خبر کے باعتبار اصل نکرہ ہونے کے باعث "قاعد" کو معین طور پر خبر قرار دینگے ۔ صاحب کتاب کے قول "البتۃ" کو یا تو "فاجعل المعرفۃ" کا ظرف زمان قرار دینگے یا یہ کہا جائے گا کہ اس میں "فی کل وقت" پوشیدہ ہے۔

وان کانا معرفتین الخ۔ اور اگر ایسا ہو کہ یہ دونوں ہی معرفہ یا باعتبار تخصیص برابر ہوں تو اس صورت میں یہ اختیار و حق حاصل ہوگا کہ ان میں سے جسے چاہیں مبتدا قرار دیکر پہلے لائیں اور دوسرے کو خبر بنادیں اور اس صورت میں مبتدا کو خبر سے پہلے لانا واجب ہوگا تاکہ التباس لازم نہ آئے۔ البتہ اس کا قرینہ موجود ہونے کی صورت میں کہ فلاں اسم تو مبتدا ہے اور فلاں اسم خبر۔ یہ درست ہوگا کہ مبتدا موخر کردیں اور خبر پہلے لے آئیں۔

وقد یکون الخبر جملۃ الخ یعنی بعض اوقات خبر جملہ بھی ہوتی ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خبر میں اصل اس کا مفرد ہونا ہے اور مفرد کے لئے موزوں یہ ہے کہ اس کی وابستگی کسی دوسرے اسم سے ہو تاکہ دونوں میں حصولِ نسبت ہو۔ اس کے برعکس جملہ اپنی جگہ مکمل ہوا کرتا ہے اور اسے کسی دوسرے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود بعض اوقات خبر کبھی جملہ بھی ہوجاتی ہے اس سے قطع نظر کہ یہ جملہ فعلیہ ہو یا اسمیہ یا شرطیہ یا ظرفیہ۔ صاحب کتاب نے یہاں یہ نہیں کہا کہ چاہے جملہ انشائیہ ہو، اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ خود صاحب کتاب بھی جملہ انشائیہ کے خبر ہونے کے قائل نہیں جیسے کہ جمہور فرماتے ہیں کہ بلا تاویل کے جملہ انشائیہ کو خبر بنانا درست نہیں۔

رہی یہ بات کہ یہ کس طرح صحیح ہے کہ جملہ کو خبر بنایا جائے۔ تو واضح رہے اس کے صحیح ہونے کا سبب یہ ہے کہ خبر سے مقصود مبتدا، پر اس کے ذریعہ حکم لگانا ہے اور یہ حکم جس طرح بذریعہ مفردات صحیح ہے جملوں کے ذریعہ بھی صحیح ہے تو جملہ کا خبر بنانا بھی اس طرح درست ہوا۔ البتہ خبر کے سلسلے میں مفرد کی حیثیت اصل کی اور جملہ کی حیثیت غیر اصل کی ہے۔ اسی بنار پر صاحبِ کتاب نے لفظ "قد" استعمال فرمایا جو تقلیل کے واسطے آیا کرتا ہے۔

اوشرطیۃ نحو زید ان جارنی فاکرمتہ ۔ نحاۃ کی رائیں اس میں مختلف ہیں کہ شرطیہ جملہ خبر بن سکتا ہے یا نہیں۔ نحاۃ کی ایک جماعت جس میں صاحب کتاب بھی داخل ہیں کہتے ہیں کہ شرط اور جزا دونوں بیک وقت خبر شمار ہوں گے کیونکہ یہ ایک جملہ کے درجہ میں ہیں اور نحاۃ کا ایک طبقہ اس کا قائل ہے کہ خبر انفرادی طور پر یا شرط ہوگی یا جزا۔ اور بعض نحویوں کے قول کے مطابق خبر فقط جزا ہوگی۔ بعض نحاۃ یہ کہتے ہیں کہ جملہ شرطیہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ سرے سے خبری نہیں ہوتا بلکہ یہ انشاءات کے زمرے میں داخل ہے۔

والظرف متعلق بجملۃ ۔ واضح رہے کہ نحاۃ کی اس بارے میں مختلف رائیں ہیں کہ خبر واقع ہونے والے جملے چند قسموں پر مشتمل ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ چار قسموں پر مشتمل ہیں جن کا ذکر متن میں کیا گیا۔ اور بعض کے نزدیک تین قسموں پر مشتمل ہیں۔ اور وہ جملہ ظرفیہ کو مفرد کے زمرے میں داخل کرتے ہیں بعض اسے جملہ فعلیہ میں داخل قرار دیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کی دو قسمیں ہیں اور وہ جملہ شرطیہ کو جملہ فعلیہ میں اور جملہ ظرفیہ کو جملہ فعلیہ یا مفرد کے زمرے میں شامل کرتے ہیں۔

جب یہ بات واضح ہو گئی تو یہ ذہن نشین رہے کہ خبر چاہے ظرف مکان ہو یا ظرف زمان یا اس کی حیثیت ان کے قائم مقام کی ہو اکثر و بیشتر نحوی اسے جملہ کے ساتھ متعلق قرار دیتے ہیں۔ بعض نحاۃ کے نزدیک ظرف سے قبل مفرد پوشیدہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی حیثیت خبر کی ہے اور خبر میں اصل اس کا مفرد ہونا ہے تو اس صورت میں ظرف متعلق اسم مفعول یا متعلق اسم فاعل ہوگا اور "زید فی الدار" درحقیقت "زید مستقر فی الدار" ہوگا۔

وہیَ۔ اس جگہ کتاب کے نسخے مختلف ہیں۔ بعض نسخوں میں جو ضمیر آئی ہے وہ مذکر کی ہے اور بعض نسخوں میں مؤنث کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ جہاں ضمیر مذکر لانے کا تعلق ہے وہ بلحاظ فعل ہے یا یہ کہ ضمیر مذکر متعلق ظرف ہونے کے لحاظ سے ہے اور مؤنث ضمیر ہونے کی صورت میں بجانب جملہ کسی تاویل کے بغیر لوٹا دی جائیگی۔

یہاں پر یہ اشکال کرنا درست نہ ہوگا کہ مذکر کی ضمیر مونث جملہ کی جانب کس طرح لوٹ سکتی ہے جبکہ راجع اور مرجع کے درمیان موافقت و مطابقت ناگزیر ہے اور اس جگہ وہ مطابقت نہیں پائی جاتی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مؤنث بالتاء کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کے واسطے کوئی مذکر اس کے مقابل نہ ہو مثلاً "شبہۃ" کہ اس کا بطور مذکر استعمال نہیں ہوتا۔ اور دوسری قسم وہ کہ اس کے واسطے مذکر ہو مثلاً "قائمۃ" کہ اس کے مذکر کا استعمال ہوتا ہے۔ پس کہتے ہیں "قائم" تو مؤنث کی ذکر کردہ دوسری قسم میں یہ ناگزیر ہے کہ ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت ہو اور جہاں تک مونث کی قسم اول کا تعلق ہے اس میں ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت ضروری نہیں۔ اور جملہ پہلی قسم میں شامل ہونے کے باعث اس پر کوئی اشکال واقع نہیں ہوگا۔

ولابد فی الجملۃ ۔ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خبر کے جملہ ہونے کی شکل میں ایک عائد کا ہونا ناگزیر ہے جو مبتدا کی جانب لوٹے تاکہ یہ مبتدا و خبر میں ربط کا کام دے اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ جملہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل ہے اور مبتدا کے ساتھ خبر کا مربوط ہونا ناگزیر ہے۔ اور عائد نہ ہونے کی صورت

میں مبتدا کے ساتھ خبر کا ارتباط باقی نہ رہے گا۔ علاوہ ازیں یہ عائد گاہے بشکل ضمیر ہوتا ہے جیسے ذکر کردہ مثالوں میں عائد ضمیر ہے اور بعض اوقات یہ عائد لام ہوا کرتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ عائد بعض اوقات ضمیر اور بعض اوقات اس کے علاوہ ہوتا ہے۔ البتہ کیونکہ ضمیر دوسرے روابط کے مقابلہ میں زیادہ اور اکثر و بیشتر آتی ہے۔ نیز حذف ضمیر درست ہے اور دوسرے روابط کا حذف درست نہیں۔ اس واسطے یہاں صاحب کتاب نے فقط ضمیر کے بارے میں بیان کرنے کو کافی سمجھا اور باقی ماندہ روابط ذکر نہیں کئے۔

کالہاء۔ اس جگہ ہا سے مقصود سابقہ جملوں کی ضمیریں ہیں۔

ویجوز حذفہ عند وجود قرینۃ۔ یعنی ضمیر عائد ہونے کی صورت میں یہ درست ہے کہ قرینہ موجود ہونے کے وقت اسے حذف کر دیا جائے۔ صاحب کتاب کے کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرینہ پائے جانے کی صورت میں اکثر و بیشتر ضمیر حذف کر دیتے ہیں۔ یہاں پر ذکر کردہ دونوں مثالوں میں لفظ "منہ" حذف کیا گیا۔

نحو السمن منوان بدرہم۔ اس مثال میں "السمن" تو مبتدائے اول ہے اور مبتدائے دوم "منوان" اور لفظ "بدرہم" ان کی خبر واقع ہوا ہے۔ ضمیر اس جگہ حذف کر دی گئی۔ پورا جملہ دراصل اس طرح ہے "السمن منوان منہ بدرہم"۔ منہ یہاں رفع کی جگہ میں ہونے کی بنا پر صفتِ "منوان" ہے۔ اور اس کے باعث یہ صحیح ہے کہ "منوان" مبتدا واقع ہو "منہ" کے حذف کا جواز اس بنا پر ہے کہ "السمن" کے بعد "منوان بدرہم" کے بیان کرنے سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس "منوان" کا تعلق اسی سمن سے ہے۔ تو اب اس کی احتیاج نہ رہی کہ "منہ" کو بیان کیا جائے۔ یہی صورت دوسری مثال "البر الکر بستین درہما" میں "منہ" کو حذف کر دینے کی ہے۔

وقد یتقدم الخبر الخ۔ یعنی بعض اوقات خبر مبتدا سے پہلے آتی ہے۔ یہاں لفظ "قد" لا کر صاحب کتاب نے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ خبر کو باعتبار اصل مبتدا کے بعد ہی آنا چاہیئے اور اس کی اصل جگہ یہی ہے۔ مگر بعض اوقات کسی خاص وجہ سے خبر مبتدا سے مقدم بھی ہو جاتی ہے۔ اور ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن خبر کا مبتدا سے پہلے آنا اسی صورت میں درست ہے جبکہ اس میں مانع موجود نہ ہو کیونکہ مبتدا کی حیثیت ذات کی ہے اور خبر کا جہاں تک تعلق ہے وہ مبتدا کے احوال میں سے ایک حال ہوا کرتا ہے، اور ذات کا حال سے مقدم ہونا ظاہر ہے۔

ایک اشکال کا جواب

یہاں اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ مبتدا صرف ذات ہوتی ہے، کہنا درست نہیں جبکہ یہ دیکھتے ہیں کہ مبتدا کبھی ذات کے علاوہ بھی ہوتی ہے مثلاً "العلم حسن"۔

اس کا جواب دیا گیا کہ اس جگہ ذات سے مقصود یہ ہے کہ اس کے بارے میں اطلاع دی جائے اور کچھ بتایا جائے علاوہ ازیں اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ صفات پر ذات کو مقدم کرنے کا نفاذ فاعل میں بھی ہوتا تو وہاں بھی موزوں یہ ہے کہ فاعل اپنے فعل سے پہلے آئے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ ایک مانع کے باعث یہاں ایسا نہیں ہوتا مانع دراصل یہ ہے کہ فعل کی حیثیت عامل کی ہے اور عمل کرنے والے فعل کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے معمول سے پہلے آئے۔

نحو فی الدار زید۔ اس مثال میں "فی الدار" تو خبر مقدم ہے اور "زید" مبتدا۔

ویجوز للمبتدأ الواحد الخ۔ یعنی از روئے ضابطہ یہ بھی درست ہے کہ مبتدا تو ایک ہو اور اس کی خبریں بہت سی ہوں۔ اس مسئلہ کی تفصیل اس طریقے پر ہے کہ مبتدا اگر ایک ہو اور خبریں ایک سے زیادہ ہوں تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو جواز کی ہے اور دوسری وجوب کی۔ ایک سے زیادہ خبر کا لانا وہاں درست ہوتا ہے جہاں پر خبر ثانی کے آئے بغیر معنی اپنی جگہ مکمل ہوجاتے ہوں مثال کے طور پر "زید عالم فاضل عاقل" اور خبر ثانی کا لانا واجب اس جگہ ہوتا ہے جہاں خبر ثانی کے بغیر معنیٰ مکمل نہ ہوتے ہوں۔ مثال کے طور پر "الابلق اسود وابیض" کہ اس میں خبر ثانی یعنی ابیض کے بغیر ابلق (مبتدا) کے معنی مکمل نہیں ہوتے۔

مبتدائے واحد کے لئے بہت سی خبروں کے ممنوع نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ دراصل خبر کا درجہ حکم کا ہے اور بہت سے حکم ایک چیز پر کئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان احکام کا درجہ حقیقتاً صفات کا ہوتا ہے اور بہت سی صفتیں ایک چیز میں پائی جاسکتی ہیں۔ نیز واضح رہے کہ مخبر عنہ کے واحد رہتے ہوئے خبر کے تعدد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ تعدد عطف کیساتھ ہو۔ مثلاً "زیدٌ عالم وعاقل" اور دوسرے یہ کہ بلا عطف ہو مثلاً "زید عالم عاقل"

واعلم ان لهم قسمًا آخر من المبتدا ءليس مسندًا إليه وهو صفةٌ وقعتْ بعد حرفِ النفي نحو مَا قائمٌ زيدٌ او بعد حرف الاستفهامِ نحو أقائمٌ زيدٌ؟ بشرطِ انْ ترْفعَ تلك الصفةُ اسمًا ظاهرًا نحو ما قائمٌ الزيدان وأقائمٌ الزيدانِ بخلاف ما قائمان الزيدان۔

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ ان کے لئے مبتدا کی ایک اور قسم ہے جو مسند الیہ نہیں۔ اور وہ حرفِ نفی کے بعد آنے والی صفت ہے مثلاً "ما قائمٌ زیدٌ"۔ یا وہ صفت جو حرف استفہام کے بعد آئے مثلاً "اقائم زیدٌ"۔ بشرطیکہ یہ صفت اسم ظاہر کو مرفوع کرے مثلاً "ما قائم الزیدان" و "اقائم الزیدان" بخلاف "ما قائمان الزیدان" کے (کہ اس میں اسم ظاہر کو مرفوع نہیں کیا)

تشریح واعلم ان لهم قسمًا آخر الخ۔ واضح رہے کہ نحویوں نے مبتدا کی دو قسمیں کر دیں۔ ایک تو وہ کہ مسند الیہ ہو اور اس کے واسطے ایسی خبر ہو کہ اس کی اسناد مبتدا کی جانب ہو۔ اور دوسری قسم وہ ہے کہ مسند الیہ نہ ہو بلکہ اس کی اسناد بجانب فاعل ہو جو کہ خبر کی جگہ اور اس کے قائم مقام کے درجہ میں ہوتا ہے البتہ مبتدا کی دونوں قسموں میں یہ شرط ہے کہ لفظی عامل نہ آئے۔

صاحب کتاب مبتدا کی پہلی قسم سے فراغت کے بعد دوسری قسم کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

کہ نحویوں کے نزدیک مبتدا کی ایک قسم اور بھی ہے جو مسند الیہ نہیں ہوتی۔ مبتدا کی دوسری قسم کا شمار اس میں جسے جمہور اور اکثر نحویوں نے ضرورت کے باعث تسلیم کیا۔ صاحب کتاب اور علامہ ابن حاجب بھی انہی جمہور نحاۃ میں داخل ہیں جنھوں نے مبتدا کی یہ دوسری قسم تسلیم کی ہے۔

وہو صفۃ وقعت الخ یہاں مبتدا کی دوسری قسم بیان کرتے ہیں کہ وہ صفت کا ایسا صیغہ ہے جو حرف نفی یا ہمزۂ استفہام یا اس کے مانند کے بعد آئے مگر اس میں یہ شرط ہوگی کہ وہ صفت اسم ظاہر کو مرفوع کرتی ہو۔ صاحب کتاب نے اسم ظاہر کو رفع دینے کی قید لگاکر "اقائمان الزیدان" جیسی مثالوں سے احتراز کیا۔ کیونکہ اس ذکر کردہ مثال میں صیغہ صفت حرف استفہام کے بعد آنے کے باوجود یہ اسم ظاہر کو مرفوع نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے اسم ظاہر کو مرفوع کرنے کی صورت میں یہ درست نہ تھا کہ اسے تثنیہ لایا جائے کہ فاعل کے تثنیہ اور جمع ہونے کی صورت میں ضابطہ کے مطابق صفت مفرد لاتے ہیں۔

بخلاف ما قائمان الزیدان۔ حاصل یہ کہ جو صفت اس طرح کی ہو کہ حرف استفہام یا حرف نفی کے بعد آئے تو اس کے اسم ظاہر مفرد کے مطابق ہونے یعنی اسم ظاہر اور صفت دونوں کے مفرد ہونے کی صورت میں دو باتیں جائز ہونگی (۱) صفت کا صیغہ مبتدا واقع ہو اور اس کا فاعل اسم ظاہر واقع ہو رہا ہو اور صیغہ صفت خبر مقدم ہو۔ ایسی شکل میں صفت میں ایسی ضمیر موجود ہوگی جو اسم ظاہر کی جانب لوٹ رہی ہوگی۔ یہاں مطابقت اور عدم مطابقت کے باعث تین شکلیں بنتی ہیں (۱) اسم ظاہر و صفت دونوں ہی مفرد واقع ہوں۔ اس میں مبتدا سے پہلے خبر کا آنا درست ہے مثلاً "اقائم زید" اور یہ بھی درست ہے کہ زید تو فاعل ہو اور قائم مبتدا واقع ہو۔ (۲) صفت اور اسم ظاہر کے درمیان جمع اور تثنیہ کے اندر مطابقت ہو مثال کے طور پر "اقاعدالزیدان" اور "اقاعدالزیدون" اس صورت میں صفت کا خبر واقع ہونا اور اسم ظاہر کا مبتدا ہونا لازم ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اضمار قبل الذکر کا لزوم ہوگا جو از روئے قاعدہ درست نہیں۔ (۳) صفت تو اپنی جگہ مفرد ہی ہو البتہ جمع و تثنیہ وافراد میں اختلاف ہو۔ مثلاً "اقائد الزیدان" اور "اقاعدالزیدون" اس صورت میں یہ صفت یقینی طور پر مبتدا کی قسم دوم قرار پائے گی اور یہ تسلیم نہ کرنے کی صورت میں مفرد ضمیر کا جمع یا تثنیہ کی طرف لوٹنا لازم آئے گا جو اپنی جگہ قاعدہ کے اعتبار سے درست نہیں۔

فصل خبرُ اِنَّ واخواتہا وھی اَنَّ وکَاَنَّ ولٰکِنَّ ولَیْتَ ولَعَلَّ فھٰذہ الحُروفُ تدخُل علی المبتدأ والخبرِ فتنصبُ المبتدأ ویسمّٰی اسم اِنَّ وترفعُ الخبَر ویسمّٰی خبرَ اِنَّ ھو المسندُ بعد دُخولھا نحو اِنَّ زیدًا قَائِمٌ وحکمہٗ فی کونِہٖ مفردًا اوجملۃً اومعرفۃً اونکرۃً کحکمِ خبرِ المبتدأ ولایجوزُ تقدیمُ اَخبَارِھَا علٰی اسمائِھَا الّا اذا کان ظرفًا نحو اِنَّ فِی الدارِ زیدًا لِمجَالِ التوسّعِ

فی الظروف ۔

فصل اسمُ کانَ واخواتِہا وھی صارَ واصبحَ وامسیٰ واضحیٰ وظلّ وباتَ وراحَ واٰضَ وعادَ وغدَا ومازالَ ومابرحَ ومافتیٔ ومانفکّ وماداَمَ ولیسَ۔ فھذہ الافعالُ تدخُلُ ایضًا علی المبتدأ والخبرِ فترفعُ المبتدأ ویُسمّٰی اسمَ کانَ وتنصِبُ الخبرَ ویُسمّٰی خبرَ کانَ فاسمُ کانَ ھوالمسندالیہ بَعْدَ دُخُولِھا نحوکانَ زیدٌ قائمًا ویجوزُ فی الکُلّ تقدیمُ اخبارِھا علی اسمائِھا نحوکانَ قائمًا زیدٌ وعلی نفسِ الافعالِ ایضًا فی التسعۃِ الاُوَلِ نحوقائمًا کانَ زیدٌ ولا یجوزُ ذٰلکَ فی ما فی اولہٖ ما، فلا یُقالُ قائمًا مازالَ زیدٌ وفی لیس خلافٌ وباقی الکلامِ فی ھٰذِہ الافعالِ یجیٔ فی القسمِ الثانی ان شاءاللّٰہُ تعالیٰ

ترجمہ :- اس فصل میں اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کا بیان ہے۔ اِنّ کے اخوات (نظائر ومماثل) اَنَّ، کاَنَّ، لکنَّ، لیتَ اور لعلَّ ہیں یہ حروف مبتدا و خبر پر آتے اور مبتدا کو منصوب کرتے ہیں اور " اِنَّ " (وغیرہ) کو اسم کہا جاتا ہے۔ یہ خبر کو مرفوع کرتے ہیں اور اسے اِنَّ (وغیرہ) کی خبر کہا جاتا ہے تو اِنَّ (اور اس کے اخوات) کی خبر وہ ہے کہ اس کے اس پر داخل ہونے کے بعد اسکی اسناد کی گئی ہو مثلاً " اِنَّ زیداً قائمٌ "۔ اس کے مفرد یا جملہ یا معرفہ یا نکرہ ہونے کا حکم مبتدا کی خبر سا ہوگا۔ اور ان کی خبروں کا ان کے اسموں سے پہلے لانا جائز نہیں۔ البتہ خبر کے ظرف ہونے کی صورت میں درست ہے۔ مثلاً " انَّ فی الدار زیدًا "، کیونکہ ظروف میں توسع کی گنجائش ہوتی ہے۔

فصل۔ اس فصل میں کانَ کے اسم اور اس کے اخوات کا بیان ہے اور وہ یہ ہیں، صار، اصبح، امسیٰ، اضحیٰ، ظلّ، باتَ، راحَ، آضَ، عاد، غدا، مازال، مابرح، مافتیٔ، ماانفک، مادام، لیس۔ یہ افعال مبتدا اور خبر پر آکر مبتدا کو مرفوع کرتے ہیں اور کانَ (وغیرہ) کو اسم کہا جاتا ہے۔ اور یہ خبر کو منصوب کرتے ہیں اور اسے خبر کان (وغیرہ) کہا جاتا ہے تو کان (وغیرہ) کا اسم وہ ہے کہ ان کے داخل ہونے کے بعد کسی چیز کی اسناد اس کی جانب کی گئی ہو مثلاً " کان زیدًا قائمًا "، اور تمام میں خبروں کو ان کے اسماء پر مقدم کرنا درست ہے، مثلاً " کان قائمًا زیدٌ "۔ اور شروع میں ذکر کردہ نو افعال پر بھی مقدم کرنا درست ہے مثلاً " قائمًا کانَ زیدٌ " اور ان میں درست نہیں جن کے شروع میں مَا آیا ہے لہٰذا " قائمًا مازال زیدٌ " نہیں کہا جائے گا۔ اور " لیس " کے بارے میں نحاۃ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے اور ان افعال کے متعلق باقی گفتگو ان شاء اللہ قسم ثانی میں ہوگی

تشریح فهذه الحروف تدخل علی المبتدأ والخبر۔ واضح رہے کہ یہ حروف مشبہ بالفعل کہلاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی باعتبار عمل ومعنی اور بلحاظ وزن متعدی فعل سے مشابہت ہے۔ باعتبار وزن مشابہ اس طرح ہیں کہ جیسے افعال میں کوئی فعل رباعی اور کوئی ثلاثی ہوتا ہے ایسے ہی ان میں بھی بعض تو رباعی ہیں اور بعض ان میں ثلاثی ہیں۔ اور معنیً مشابہت اس طریقہ پر ہے کہ ان حروف میں سے ہر ایک بمعنیٰ فعل ہے مثلاً اِنَّ اور اَنَّ کو دیکھا جائے تو یہ "حققتُ" کے معنیٰ میں نظر آتے ہیں اسی طرح دیگر حروف ہیں۔ رہی عملاً مشابہت تو وہ یہ ہے کہ جیسے فعل متعدی کے لئے دو اسموں ایک فاعل اور دوسرے مفعول کا لزوم ہوتا ہے ٹھیک اسی طریقہ سے ان میں بھی دو اسم پائے جاتے ہیں یعنی ایک اسم اور دوسرا اسم خبر۔

ایک اشکال کا ازالہ اس جگہ ایک اشکال یہ کیا گیا کہ فعل متعدی کے ذریعے فاعل پر رفع آتا اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔ اور اس جگہ دیکھتے ہیں کہ اس طرح نہیں بلکہ یہ اسم کو منصوب اور خبر کو مرفوع کرتے ہیں۔ اس سے عملاً ان حروف کی فعل سے عدم مشابہت معلوم ہوئی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان حروف کی حیثیت باعتبار عمل فعل متعدی کی فرع کی ہے تو موزوں یہ ہوا کہ ان کے عمل کو بھی فعل کے عمل کی فرع کہا جائے۔

فخبر اِنَّ ہو المسند الخ یعنی ان حروف میں سے کسی حرف کے کلام پر آنے کے بعد جو مسند ہوا سے خبر قرار دیا جائے گا۔ یہاں "المسند" کی حیثیت جنس کی ہے اور اس کے زمرے میں خبر کان، خبر لائے نفی جنس اور خبر مبتدا داخل ہیں۔ اور "بعد دخولہا" کی حیثیت فصل کی ہے جس کے ذریعہ یہ خبریں اس تعریف سے نکل جاتی ہیں۔

وحکمہ فی کونہ مفرداً۔ بعض نحاۃ کے نزدیک اس جگہ حکم کے معنی حال کے اور بعض کے نزدیک حکم بمعنی اثر ہے یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اِنَّ کی خبر اور اس کے اخوات مفرد یا جملہ یا معرفہ یا نکرہ ہونے میں ان کا حال بھی مبتدا کی خبر کا سا ہے۔

اس صورت میں ایک اشکال یہ کیا گیا کہ اس کا حکم مبتدا کی خبر کا سا ہونے کی صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ جس کا مبتدا کی خبر ہونا ممکن ہے اس کا خبر اِنَّ ہونا بھی درست ہے جبکہ بات اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کی بہت سی اشیاء ہیں جن کا مبتدا کی خبر ہونا تو درست ہے مگر اِنَّ وغیرہ کی خبر ہونا درست نہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ "حکمہ کحکم خبر المبتداء" کے معنی دراصل یہ ہیں کہ ان حروف کے خبر ہونے کی شرطیں اگر موجود ہوں اور موانع درمیان میں باقی نہ رہیں تو پھر ان حروف کی خبر کا حکم بھی مبتدا کی خبر کا سا ہوگا۔ اس شکل میں مذکورہ اشکال باقی نہیں رہا۔

ولا یجوز تقدیم اخبارہا الخ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جیسے مبتدا کی خبر کو مبتدا سے پہلے لانا بھی درست ہے اس طرح ان حروف کے اسموں سے پہلے ان کی خبریں لانا ان حروف کا عامل کمزور ہونے کی بنا پر درست نہیں کیونکہ ضابطہ کے مطابق کمزور عامل کا عمل اصل ترتیب برقرار رہنے کے وقت ہوتا ہے اور مقدم کرنے کی صورت میں اصل

ترتیب بدل جانے کے باعث کمزوری کے باعث ان کا عمل بھی برقرار نہ رہ سکے گا۔

الا اذا کان ظرفاً۔ یعنی انّ وغیرہ کے ظرف واقع ہونے کی صورت میں ان کی خبروں کو ان کے اسماء سے پہلے لانا بھی درست ہوگا مگر اس میں اسم کا معرفہ ہونا شرط ہے۔ اور اسم کے نکرہ ہونے کی صورت میں خبر کو اسم سے پہلے لانا ضروری ہوگا۔ جواز کی وجہ ظرف میں وسعت کا ہونا ہے۔

کانَ اور اس کے اخوات

کانَ کا استعمال سب سے زیادہ اس کے اخوات کے مقابلہ میں ہونے کی بنا پر اسے پہلے بیان کرکے باقی کو اس کی نظیر ٹھیرایا۔ یہ بات واضح رہے کہ علامہ ابن حاجبؒ اسم کان وغیرہ کو الگ سے بیان نہیں فرماتے۔ علامہ نے انھیں فاعل کے زمرے میں داخل کر دیا بعض نحات فاعل کہنے کے بجائے فاعل کے ساتھ ملحق قرار دیتے ہیں۔ صاحب کتاب بھی فاعل میں داخل قرار نہ دیتے ہوئے الگ سے بیان فرماتے ہیں۔

وَہِیَ۔ ان کی کل تعداد سترہ ہے اور انھیں افعال ناقصہ کہا جاتا ہے۔

فترفع المبتدأ۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کا عمل یہ ہے کہ مبتدا کو مرفوع کر دیتے ہیں اور خبر کو منصوب۔

فاسم کان ہوالمسندالیہ۔ یعنی کان اور اس کے اخوات کا اسم، ایسے مرفوع اسم کو کہتے ہیں جس کی جانب کسی چیز کی نسبت ان افعال میں سے کسی فعل کے داخل ہونے اور اثر کرنے کے بعد ہو۔ "بعد دخولہا" کی حیثیت فصل کی ہے۔ اس قید کے ذریعہ وہ سارے اسماء نکل گئے جو ان افعال کے داخل ہونے پر مسندالیہ ہوتے ہوں۔

یجوز فی الکل تقدیم اخبارہا۔ نحاۃ اس پر متفق ہیں کہ ان سارے افعال میں ان کے اسموں سے پہلے ان کی خبریں لانا درست ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان افعال کا عمل قوی ہوتا ہے اس لئے یہ درست ہے کہ ان کا منصوب ان کے مرفوع سے قبل لے آئیں بس "کان قائماً زیدٌ" کہنا درست ہوگا۔ البتہ ان کے منصوب کو مرفوع سے پہلے لانا اسی وقت تک درست ہوگا جس وقت تک کسی طرح کے التباس کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر التباس کا اندیشہ ہو اور معنوی قرینہ بھی اس طرح کا موجود نہ ہو جس کے ذریعہ اسم و خبر کی تعیین و امتیاز ہو سکے تو پھر اسم سے پہلے خبر کا لانا جائز نہ ہوگا مثلاً "ماکان موسیٰ عیسیٰ"

وعلیٰ نفس الافعال۔ یعنی جیسے یہ درست ہے کہ خبریں اسماء سے پہلے لائی جائیں ایسے ہی ان کی خبروں کو افعال سے پہلے لانا بھی درست ہے مگر یہ مقدم کرنا تمام میں درست نہیں بلکہ شروع کے نو افعال میں صحیح ہے پس یہ تو درست ہے کہ مثلاً "قائماً کان زید" کہا جائے۔ مگر جن افعال میں لفظ ما آیا ہے ان میں یہ صورت درست نہیں۔

وفی لیس خلافٌ۔ لیس کے متعلق نحاۃ کا اختلاف ہے کہ اس کی خبر لیس سے پہلے لاسکتے ہیں یا نہیں سیبویہ کے نزدیک اس کا حکم ان فعلوں کا سا ہوگا جن کے شروع میں لفظ ما آیا ہے کہ پہلے خبر لانا جائز نہیں اور بصرہ کے اکثر نحوی اس کی خبر پہلے لانا درست قرار دیتے ہیں۔

فصل اسم ما ولا المشبّهتين بليس وهو المسند اليه بعد دخولهما نحو ما زيدٌ قائمًا ولا رجلٌ افضل منك ويختصّ لا بالنكرة ويعمّ ما بالمعرفة والنكرة

فصل خبر لا لنفي الجنس وهو المسند بعد دخولها نحو لا رجلَ قائمٌ

ترجمہ:۔ یہ فصل ایسے ما و لا کے اسم کے بیان میں ہے جو کہ لیس کے مشابہ ہیں اور وہ ایسا اسم کہلاتا ہے کہ اس کی جانب اسناد ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد ہو۔ مثلاً "ما زیدٌ قائماً" اور "لا رجل افضل منک" اور لا نکرہ کے ساتھ مخصوص ہے اور ما میں تعمیم ہے۔ یہ معرفہ اور نکرہ دونوں کے لئے آتا ہے۔

یہ فصل اس لا کی خبر کے بیان میں ہے جو نفئ جنس کے لئے ہو اور یہ لا کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے مثلاً "لا رجلَ قائمٌ"

تشریح:۔ المشبہتین بلیس۔ نفی اور داخل ہونے ما و لا کی لیس سے مشابہت ہے۔ یعنی جیسے کہ لیس نفی کے لئے آیا کرتا ہے ایسے ہی ما و لا بھی نفی کے لئے آتے ہیں اور جس طرح مبتدا و خبر پر لیس ایسے ہی ما و لا بھی مبتدا اور خبر پر آتے ہیں۔

ہوالمسندالیہ۔ اس مسندالیہ کو ما و لا کا اسم قرار دینگے جو ان کے داخل ہونے کے بعد آیا کرتا ہے مثال کے طور پر "ما زیدٌ قائماً" اور لا کی مثال "لا رجل افضل منک" مسندالیہ کی حیثیت یہاں جنس کی سی ہے کہ ہر مسندالیہ اس کے ذیل میں آتا ہے اور "بعد دخولہا" کی حیثیت فصل کی ہے کہ اس کے ذریعہ بجز ما و لا کے تمام اسم نکل گئے۔

ویختص لا بالنکرۃ۔ یعنی لا نکرہ ہی کے ساتھ خاص ہے اور وہ محض اسی پر آتا ہے۔ صاحب کتاب اس کے ذریعہ وہ فرق ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو ما و لا کے بیچ میں ہے۔ ما و لا میں تین اعتبار سے فرق ہے۔ (۱) لا نکرہ پر آتا ہے اور وہ بھی کمی کے ساتھ۔ رہا ما تو وہ معرفہ ہو یا نکرہ دونوں پر آیا کرتا ہے (۲) لا کا استعمال مطلق نفی کے لئے ہوتا ہے اور ما کا جہاں تک تعلق ہے وہ نفئ حال کے لئے آیا کرتا ہے۔ (۳) یہ درست نہیں کہ لا کی اگر خبر ہو تو اس پر ما آجائے۔ البتہ یہ درست ہے کہ ما کی خبر پر لا کا استعمال ہو۔ یہی سبب ہے کہ لا کے مقابلے میں ما، لیس کے زیادہ مشابہ ہے۔ اسلئے کہ لیس کا استعمال بھی نفی حال کے لئے ہوتا ہے اور لیس کی خبر پر ما کا آنا بھی درست ہے۔ اور لیس سے لا کی مشابہت کمزور درجہ کی ہونے کی بنا پر لا میں لیس کا عمل کرنا بھی بہت کم اور شاذ کے درجہ میں ہے۔ دونوں کے درمیان کمزور مشابہت کا سبب یہ ہے کہ لا

کا استعمال مطلق نفی کے واسطے ہوتا ہے اور لیس نفی حال کے لئے آیا کرتا ہے۔

"فنادوا ولاتَ حینَ مناص" میں جو لا آیا ہے وہ لیس کے مشابہ ہے اور اس میں تائے تانیث کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس بارے میں نحویوں کی رائیں مختلف ہوگئیں کہ تا کے اضافہ کے بعد لا کس پر آئے گا۔ نحویوں میں سے سیبویہ اور خلیل کے نزدیک اسوقت اس کا داخل ہونا خاص ہو جائے گا اور اس کا داخلہ معمولوں میں سے ایک کے اوپر ہوگا اور دونوں کا بیک وقت اظہار درست نہ ہوگا۔ اور اخفش نحوی کہتے ہیں کہ جس پر تا کا اضافہ ہو وہ لا دراصل نفی جنس کا ہوا کرتا ہے اور یہ خاص طور پر سے "احیان" پر آتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ "حین مناص" دراصل منصوب ہے اور جہاں تک اس کی خبر کا تعلق ہے وہ محذوف ہے۔ یعنی اس طرح ہے "لات حین مناص لہم" ان دونوں پر نصب درحقیقت خبر ہونے کے باعث ہے۔

لانفی الجنس۔ یعنی دیگر مرفوعات کی طرح اس لا کی خبر بھی ہے جو نفی جنس کے واسطے آتا ہے اور کیونکہ بذریعۂ لا نفی صفت ہوا کرتی ہے نفی ذات نہیں تو اصل عبارت اس طرح ہوگی "خبر لا التی لنفی الجنس"۔

ہو المسند۔ یعنی لا جو کہ مسند ہے اس کے کلام میں آنے پر لا کو خبر نفی جنس قرار دیا جائے گا۔ اور ہو المسند میں خبر انّ اور خبر مبتدا وغیرہ سب آگئیں۔ پھر "بعد دخولہا" کی قید سے ان تمام سے احتراز کا ارادہ کیا گیا۔ اور لا نفی جنس کی خبر پر رفع آنے کا سبب یہ ہے کہ یہ مثل انّ وغیرہ برائے تاکید آیا کرتا ہے۔ البتہ دونوں کے درمیان محض فرق اس قدر ہے کہ انّ تو برائے اثباتِ تاکید اور لا برائے نفی جنس آتا ہے تو تاکید میں دونوں کی باہم مشابہت کے باعث دونوں کا حکم بھی برابر ہوگا۔

المقصدُ الثانی فی المنصوبات الاسماءُ المنصوبۃُ اثنا عشر قسمًا المفعولُ المطلقُ وبہٖ وفیہِ ولہٗ ومعہٗ والحالُ والتمییز والمستثنیٰ واسمُ انّ واخواتہا وخبرُ کانَ واخواتہا والمنصوبُ بلا التی لِنفی الجنسِ وخبرُ ما ولا المشبّہتین بلیس۔

ترجمہ:۔ مقصد ثانی منصوبات کے بیان میں۔ منصوب اسمار کی بارہ قسمیں ہیں۔ مفعولِ مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ، حال، تمیز، مستثنیٰ، انّ اور اس کے اخوات کا اسم، کان اور اس کے اخوات کی خبر، وہ اسم جس پر نفی جنس کے لا سے نصب آیا ہو اور اس ما و لا کی خبر جو لیس کے مشابہ ہو۔

تشریح:۔ المقصد الثانی فی المنصوبات۔ صاحب کتاب کے منصوبات کو مجرورات سے قبل اور بعد مرفوعات

لانے کا سبب یہ ہے کہ جیسے مرفوعات میں ایک عامل ہوا کرتا ہے ایسے ہی منصوبات میں ایک عامل موجود ہوا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک عامل میں دونوں کی شرکت رہتی ہے۔ نیز اندرونِ تلفظ منصوب بعض اوقات، بلحاظ معنی مرفوع ہوتا ہے اور اسی طریقہ سے اس کا عکس۔ اسی مناسبت کے باعث بعد مرفوعات منصوبات، اور پھر مجرورات بیان کئے۔ رہا یہ کہ منصوب کسے کہتے ہیں تو واضح رہے کہ منصوب ایسا اسم کہلاتا ہے جس میں اسم کے مفعول ہونے کی علامت موجود ہو چاہے یہ مفعول حقیقی اعتبار سے ہو یا یہ باعتبار حکم ہو۔ اس عمومیت کا سبب یہ ہے کہ منصوب کی ذکر کردہ تعریف میں اصلی منصوب اور جو ملحق بہ مفعول ہوں سب آجائیں۔ چار علامات اسم کے مفعول ہونے کی ذکر کی گئیں یعنی الف۔ یا۔ کسرہ۔ فتحہ۔

الاسماء المنصوبۃ۔ اسمائے منصوبہ کی بارہ قسمیں ہیں ان میں سے شروع کے پانچ کا نام "اصول منصوبات" اور باقی اسماء کا نام "ملحقات" ہے۔

منصوبات کے بارہ ہی قسموں میں منحصر ہونے کا سبب یہ ہے کہ نصب دینے والے عامل کی تین حالتیں ہیں۔ (۱) عامل یا تو فعل ہوگا (۲) عامل حرف ہوگا (۳) عامل شبہ فعل ہوگا۔ عامل فعل یا شبہ فعل ہونے کی صورت میں معمول دو حال سے خالی نہیں یعنی یا تو وہ ملحقات میں سے ہوگا یا اصول منصوبات میں سے۔

فصل المفعولُ المُطلقُ وهو مصدرٌ بمعنیٰ فعلٍ مذکورٍ قبلَهٗ ویُذکر للتاکید کضَرَبتُ ضربًا اولبیانِ النوعِ نحوجَلَستُ جلسةَ القارِی اولبیان العددِ کجلستُ جَلسةً اوجَلسَتَینِ او جَلَساتٍ وقد یکونُ من غیر لفظ الفعلِ المذکورِ نحو قَعَدتُ جُلوسًا وانبَتَ نباتًا وقد یُحذَفُ فِعلُهٗ لِقیامِ قرینةٍ جوازًا کقولِكَ للقادِمِ خیرَ مَقدَمٍ ای قَدِمتَ قُدُومًا خیرَ مَقدمٍ ووُجوبًا سماعًا نحوسقیًا وشکرًا وحمدًا ورعیًا ای سقاكَ اللهُ سقیًا وشکرتُكَ شکرًا وحمدتُكَ حمدًا ورَعاكَ اللهُ رعیًا۔

ترجمہ(۱)۔ مفعول مطلق کے بیان میں یہ فصل ہے۔ مفعول مطلق ایسا مصدر کہلاتا ہے جو اس سے پہلے ذکر کردہ فعل کے معنی میں ہو اور اسے تاکید کی خاطر بیان کیا جاتا ہے مثلاً "ضربتُ ضربًا" یا بیانِ نوع کے لئے بیان کرتے ہیں مثلاً "جلست جلسۃ القاری" یا بیانِ عدد کے لئے۔ مثلاً "جلستُ جلسۃً او جلستین او جلساتٍ" اور کبھی مفعولِ مطلق اس سے پہلے ذکر کردہ فعل کے لفظ کے علاوہ ہوتا ہے۔ مثلاً "قعدتُ جلوسًا" "انبتَ نباتًا" اور کبھی بطورِ جواز اس کا فعل قرینہ موجود ہونے کے باعث حذف کر دیا جاتا ہے مثلاً آنے والے کو تمہارا کہنا "خیر مقدم" اے قدمتَ قدومًا خیر مقدم (تیرا آنا باعثِ خیر ہوا) اور بلحاظِ سماع وجوب حذف کے ساتھ مثلاً "سقیًا وشکرًا وحمدًا ورعیًا" اے سقاكَ اللہ

سقیاً (اللہ تجھے سیراب کرے سیراب کرنا) وشکرتک شکراً (اور تیرا شکر ادا کیا میں نے شکر ادا کرنا) و حمدتک حمداً (اور تیری حمد کی میں نے، تیری حمد کرنا) ورعاک اللہ رعیاً (اور اللہ تیری حفاظت فرمائے حفاظت فرمانا)

تشریح المفعول المطلق ۔ سارے منصوبات کو چھوڑ کر مفعولِ مطلق کو سب سے پہلے لانے کا سبب یہ ہے کہ اپنے مفہوم کی کوئی زائد قید لگائے بغیر نشان دہی کرتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے مفعولوں کا حال یہ ہے کہ کسی میں" فیہ " کی، کسی میں" معہ " کی اور کسی میں" لہٗ " کی قید موجود ہے اور قاعدہ کے مطابق "مطلق" طبعی طور پر مقید سے پہلے آتا اور اس پر مقدم ہوا کرتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اسے پہلے لایا گیا تاکہ وضع اور طبع کے درمیان مطابقت و موافقت ہو جائے۔

اگر کوئی یہاں یہ اشکال کرے کہ مفعول مطلق بھی ایک اعتبار سے مقید ہے کہ اس میں اطلاق کی قید موجود ہے اور اسے محض مفعول نہیں کہا جاتا، تو یہ بلا قید کہاں رہا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مفعول مطلق کے لفظ کو بیان کرنا اس جگہ کسی تقیید کی خاطر نہیں بلکہ مفہوم کے ذکر کے واسطے ہے۔ نیز مفعول مطلق کو مقدم کرنے کا سبب یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مفعول مطلق کا جہاں تک تعلق ہے وہ فاعل کے مشابہ ہے کیونکہ مفعول مطلق اور اسی طرح فاعل دونوں جزءِ فعل ہوا کرتے ہیں لہذا جیسے کہ فاعل افضلیت کے اعتبار سے سارے مرفوعات سے پہلے آتا ہے ایسے ہی مفعولِ مطلق مشابہ فاعل ہونے کے باعث سارے منصوبات سے پہلے لایا گیا۔

رہی یہ بات کہ فاعل و مفعولِ مطلق دونوں جزءِ فعل ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے تو یہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ فعل کا جہاں تک تعلق ہے اس کی ترکیب اجزائے ثلاثہ سے ہوتی ہے (۱) حدثی معنی جو کہ دراصل مفعول مطلق ہے (۲) زمانہ کا پایا جانا (۳) فاعل کی جانب نسبت۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مفعول مطلق کا شمار فعل کے اجزاء میں ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان میں باہم مشابہت ہے۔

وہو مصدر۔ مفعول مطلق ایسا مصدر کہلاتا ہے جس میں اس فعل کے معنی پائے جائیں جو اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہو۔ اس سے مقصود حقیقی اور حکمی دونوں ہیں۔

ویذکر۔ یعنی کبھی مفعول مطلق کے ذکر کا مقصد فعل کی تاکید ہوا کرتا ہے اور صرف فعل کے معنی ہی کی مفعول مطلق کے ذریعہ نشاندہی ہوتی ہے مثلاً "ضربتُ ضرباً"، کہ یہاں مفعول مطلق محض فعل کے معنی کو بتا رہا ہے اور بعض اوقات اس کا آنا بیان نوع کے لئے ہوا کرتا ہے مثلاً "جلست جلسۃ القاری" (میں قاری کی طرح بیٹھا) اور بعض اوقات اس کا مقصد عدد کو بیان کرنا ہوا کرتا ہے۔ یعنی ایک یا ایک سے زیادہ عدد کی نشاندہی کے واسطے آیا کرتا ہے۔

واضح رہے کہ برائے تاکید آنے والا مفعولِ مطلق کبھی نہ تثنیہ آتا ہے اور نہ جمع کیونکہ وہ ماہیتِ فعل کی نشاندہی

کرتا ہے اور ماہیتِ فعل کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں تعدد نہیں ہوتا. البتہ یہ عدد اور بیان نوع کے واسطے آنے کی صورت میں جمع اور تثنیہ آجاتا ہے۔

وقد یکون من غیر لفظ الفعل المذکور۔ یعنی بعض اوقات مفعولِ مطلق فعل کے لفظ کے علاوہ دوسرا لفظ آتا ہے چاہے یہ مغائرت مادّہ کے لحاظ سے ہو. مثال کے طور پر " قعدت جلوسًا " یا باب کے لحاظ سے ان کے درمیان مغائرت ہو مثلاً " وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا " یا باب کے لحاظ سے بھی مغائرت موجود ہو اور مادہ کے لحاظ سے بھی. مثال کے طور پر جیسے ارشاد ہوا " فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی " کہ اس جگہ " ایجاس " افعال کے باب سے ہے مگر اس لفظی مغائرت یا باعتبار مادہ مغایرت کے باوجود مفعول مطلق معنی کے لحاظ سے اپنے فعل کے مغائر ہرگز نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو اس کا مفعول مطلق بننا بھی درست نہ ہوتا۔

وقد یحذف لقیام قرینۃ۔ یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفعولِ مطلق کے نصب دینے والے فعل کو کسی قرینہ کے پائے جانے کی بنا پر حذف کر دیا جاتا ہے مگر اس وقت اس کا حذف جواز کے درجہ میں ہے واجب ولازم ہرگز نہیں۔

ووجوبًا سماعًا۔ یہ جوازًا پر معطوف ہے یعنی بعض اوقات مفعولِ مطلق کے نصب دینے والے فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) سماعی. اس میں مفعول مطلق کے نصب دینے والے فعل کو حذف کرنے کا کوئی مقرر ومعین ضابطہ نہیں کہ اس پر دوسرے مفعول کو قیاس کرنا ممکن ہو بلکہ اسے حذف کرنے کا تعلق فقط سماع سے ہے کہ اہل زبان سے جس طرح سن لیا اس کے مطابق عمل کر لیا۔

(۲) قیاسی. یہ دوسری قسم صاحب کتاب نے اختصار کے باعث بیان نہیں فرمائی اور صرف سماعی کے ذکر پر اکتفا کیا

فصل :- المفعولُ بہٖ وھو اسمٌ ما وقع علیہ فعلُ الفاعِلِ کضربَ زیدٌ عمرًا وقد یَتَقَدَّمُ علی الفاعِلِ کضرَبَ عمرًا زیدٌ وقد یُحذف فعلُہٗ لقیامِ قرینۃٍ جَوَازًا نحو زیدًا فی جواب مَنْ قال مَنْ اَضْرِبُ. ووُجُوبًا فی اربعۃِ مَوَاضِعَ اَلْاَوَّلُ سماعیٌّ نحو اِمرأً ونفسَہٗ. وَانْتَھُوْا خَیْرًا لکُمْ وَاَھْلًا وسھلًا و البواقی قیاسیۃٌ. الثَّانِیْ التحذیرُ وھو معمولٌ بتقدیرِ اِتَّقِ تحذیرًا ممابعدہٗ نحو ایاکَ والاسَدَ اصلُہٗ اِتَّقِکَ والاسَدَ او ذُکِرَ المحذَّرُ منہ مکرّرًا نحو الطریقَ الطریقَ. الثالث ما اُضمِرَ عاملُہٗ علی شریطۃِ التفسیر وھو کل اسمٍ بَعْدَہٗ فعلٌ او شِبہُہٗ یشتغِلُ ذٰلکَ الفعلُ عن ذٰلکَ الاسم بضمیرہٖ اومتعلّقِہٖ بحیث لو سلِّطَ علیہ ھو او مناسبہٗ لنصبہٗ نحو زیدًا ضربتُہٗ فانّ زیدًا منصوبٌ بفعلٍ محذوفٍ مضمرٍ وھو ضربتُ یفسرہ الفعلُ المذکورُ بعدَہٗ وھو ضربتُہٗ ولھٰذا الباب فروعٌ کثیرۃٌ. الرّابع المنادیٰ وھو اسمٌ مدعوٌّ بحرفِ

النداءِ لفظًا نحو یا عَبدَ اللہِ ای اَدعُوا عبدَاللہِ وحرفُ النداءِ قائمٌ مقامَ اَدعو وحُرُوفُ النداءِ خمسۃٌ یَا وَاَیَا وھَیَا واَیْ والھمزۃُ المفتوحۃُ۔ وقد یُحذَفُ حرفُ النداءِ لفظًا نحو یُوسُفُ اَعرِضْ عَنْ ھٰذَا۔

ترجمہ :۔ یہ فصل مفعول بہ کے بیان میں ہے۔ وہ ایسا اسم ہے کہ جس پر فاعل کا فعل آتا ہے مثلاً "ضربَ زیدٌ عمرًا" اور یہ بعض وقت فاعل سے قبل آتا ہے مثلاً "ضربَ عمرًا زیدٌ"۔ اور کبھی اس کے فعل کو قرینہ موجود ہونے کے باعث حذف کرنا جائز ہوتا ہے مثلاً اس کے جواب میں جو کہے من اضربُ "(میں کسے زدوکوب کروں) کے جواب میں "زیدًا" کہنا۔ اور چار جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں ان کے فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ اول (جگہ) سماعی ہے مثلاً "امرأً ونفسہ"، "وانتھوا خیرًا لکم"، "واھلًا وسھلًا"۔ اور باقی تین جگہ قیاسی ہیں۔

اور مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنے کا مقام ثانی تحذیر ہے اور یہ معمول ہوتا ہے اِتّقِ محذوف مان کر اپنے بعد آنے والی چیز سے ڈرانے کے باعث (اتق محذوف ہوا کرتا ہے) مثلاً "ایاک والاسد"۔ یہ دراصل ہے "اتقک والاسد" یا جس سے بچایا جارہا ہو اسے مکرر بیان کیا گیا ہو مثلاً "الطریقَ الطریقَ"

تیسری وہ جگہ ہے کہ اس اسم کے عامل کو تفسیر کی شرط کی بنیاد پر پوشیدہ کر دیا گیا ہو۔ اور وہ ہر ایسا اسم کہلاتا ہے کہ اس کے بعد فعل یا شابہ فعل آئے اور اس فعل یا شبہ فعل کا عمل اس اسم میں ضمیر یا متعلق ضمیر کی وجہ سے نہ ہو سکے۔ بایں طور کہ اگر اس اسم پر اس فعل یا اس کے مناسب کو لایا جائے تو وہ اسے منصوب کردے مثلاً "زیدًا ضربتہ"۔ تو زید فعل محذوف مضمر "ضربتُ" کے باعث منصوب ہے۔ اس اسم کے بعد ذکر کردہ فعل "ضربتہ" اس کی تفسیر کرتا ہے۔ اس باب کی کثیر فروع ہیں۔

چوتھی جگہ منادیٰ ہے اور وہ ایسے شخص کا نام ہے جسے بذریعہ حرف ندا پکارا گیا ہو۔ لفظاً۔ مثلاً یاعبداللہ اے ادعوا عبداللہ (میں عبداللہ کو آواز دیتا ہوں) اور "اَدْعُوا" کے قائم مقام حرفِ ندا ہے۔ حرفِ ندا کی تعداد پانچ ہے یَا، اَیَا، ہَیَا، اَیْ، ہمزۂ مفتوحہ۔ اور بعض اوقات لفظاً حرفِ ندا حذف کر دیا جاتا ہے جیسے "یوسف اعرض عن ہذا"۔

تشریح : المفعول بہ وھو اسم الخ اصطلاحاً مفعول بہ ایسی شے کا اسم کہلاتا ہے جس کے اوپر فعل فاعل آیا ہو "ما وقع علیہ فعل الفاعل" کی قید کے ذریعہ مفعول معہ، مفعول لہ، اور مفعول فیہ اس کی تعریف سے نکل گئے کیونکہ ان سارے مفعولوں میں سے ایک مفعول بھی اس طرح کا نہیں جس پر فعل فاعل واقع ہو رہا ہو۔ علاوہ ازیں اس قید کے ذریعہ مفعول مطلق بھی نکل جائے گا کیونکہ ازروئے ضابطہ فاعل کے فعل اور ما وقع علیہ

الفعل کے درمیان مغائرت ضروری ہے کیونکہ ایک چیز کا وقوع خود اپنی ذات پر نہیں ہوا کرتا تو اس قید سے مفعولِ مطلق جو کہ عین فعل فاعل ہوا کرتا ہے نکل جائے گا۔ اور اس طرح مفعول بہ کی تعریف جامع بھی ہو جائے گی اور مانع بھی۔

ایک سوال اور اس کا جواب اگر یہاں کوئی یہ اشکال ظاہر کرے کہ صاحب کتاب کے مفعول بہ کی تعریف میں لفظ اسم کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے اضافہ کے بغیر بھی تعریف اپنی جگہ مکمل ہو جاتی نیز اس میں اختصار کی رعایت بھی ہوتی۔

اس کے جواب میں کہا گیا کہ لفظ اسم کی قید کا اضافہ نہ کرنے کی صورت میں مقصود کے خلاف کا لزوم ہوتا کیونکہ اس صورت میں ذکر کردہ تعریف سے یہ واضح ہوتا کہ مفعول بہ ایسا لفظ ہے جس سے اس کے معنی اور مدلول کی نشاندہی ہوتی ہے اسلئے کہ نحوی لفظ سے بحث کیا کرتے ہیں نہ کہ صرف معنی سے۔ اس مصلحت سے صاحب کتاب نے لفظِ اسم کا اضافہ کیا۔

وقد یتقدم علی الفاعل۔ یعنی بسا اوقات مفعول بہ اپنے عمل کرنے والے فعل سے پہلے آتا ہے اور فعل کیونکہ قوی عمل کرنے والا ہے اس لئے وہ مقدم ہو یا مؤخر بہرصورت عمل کریگا۔ پھر مفعول بہ کے فعل سے پہلے آنا کبھی جوازاً ہوا کرتا ہے اور کبھی وجوبًا اور بعض اوقات قرینۂ حذف پائے جانے کی بنا پر مفعول بہ کا فعل حذف کر دیا جاتا ہے وجوبًا حذف کے چار مقام ہیں ان میں سے پہلا تو سماعی ہے کہ اس کا انحصار صرف اہل زبان سے سننے پر ہے اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں۔ رہے اس کے علاوہ باقی مواقع تو وہ قیاسی ہیں۔

الثانی التحذیر۔ یعنی وہ مواقع جہاں پر مفعول بہ کے نصب دینے والے عامل کو حذف کرنا واجب و لازم ہے ان میں سے دوسرا موقعہ تحذیر ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ "اِتق" مقدر و پوشیدہ تسلیم کرنے کے باعث اس پر نصب آیا ہو اور اسے اس کے مابعد سے ڈرایا جا رہا ہو۔

دوم یہ کہ اِتق مقدر و پوشیدہ کے باعث منصوب ہو اور جس سے ڈرایا گیا ہو اس کو مکرر لایا گیا ہو۔ ان دونوں قسموں کے درمیان اس بارے میں اشتراک ہے کہ دونوں پر نصب "اتق" مقدر و پوشیدہ ماننے کی بنا پر آیا ہے۔ تکرار کی مثال جیسے "الطریق الطریق" کہ یہ دراصل تھا "اتق الطریق" اتق فعل حذف کرتے ہوئے تاکید کی خاطر محذر منہ مکرر لائے۔

موقعہ سوم جہاں پر کہ مفعول بہ کے نصب دینے والے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ ایسا مفعول بہ ہے جس کا عامل اس شرط کے ساتھ حذف کیا جائے کہ اس کی تفسیر آئندہ آرہی ہو اور وہ ہر ایسا اسم ہوتا ہے جس کے بعد کوئی اس طرح کا فعل یا مشابہ فعل آئے کہ وہ اس اسم کی ضمیر پر عامل ہونے یا متعلق ضمیر میں عامل ہونے کی بنا پر اس اسم میں عمل کرنے والا نہ ہو اور اگر ضمیر اسم یا متعلق اسم کو محذوف کرتے ہوئے فعل یا مشابہ فعل کو معمولِ اسم بنالیں تو وہ اسم کو منصوب کر دے مثلاً زیداً ضربتہٗ۔

ولہٰذا الباب فروع کثیرۃ۔ یعنی اس باب کی بہت سی فروعات ہیں۔ بلحاظ اعراب اس کی پانچ شکلیں ہیں۔

(۱) نصب کا اختیار ہو (۲) رفع کا اختیار حاصل ہو (۳) رفع لانا واجب ہو (۴) نصب لانا واجب ہو (۵) برابر ہو کہ نصب آئے یا رفع۔

الرابع المنادیٰ۔ وہ چوتھا موقعہ جہاں کہ عامل مفعول بہ کو محذوف رکھنا واجب ولازم ہے وہ منادیٰ ہے۔ منادی ایسا اسم کہلاتا ہے جسے بواسطۂ حرف ندا پکارا گیا ہو۔ صاحب کتاب کے قول "لفظاً" میں دو احتمال ہیں یعنی یا تو یہ معنی ملفوظ ہو کر تمیز یا حال واقع ہو۔ اب یہ تمیز یا حال حرفِ ندا کے ذریعہ واقع ہوگا یا اسم کے ذریعہ۔ اسم سے واقع ہونے کی صورت میں یا تو خود اسم ملفوظ ہوگا یا اجابت کا سوال اس اسم کے تلفظ کے لحاظ سے ہوگا اور حرفِ ندا کی صورت میں معنی یہ ہونگے کہ یا تو خود حرف ندا ملحوظ ہو یا بلحاظ تلفظ حرف ندا آیا ہو۔ صاحب کتاب نے منادیٰ کی جو تعریف فرمائی ہے یہ اس شخص کا مقصود ہوتا ہے جو ملزوم بولے اور اس سے لازم کا قصد کرے کیونکہ لفظ اسم منادیٰ اور غیر منادیٰ دونوں ہی کو شامل ہے اور رہی اس کے اندر قید مدعو تو وہ احترازی واقع ہوئی ہے اور اس قید کے ذریعہ مندوب نکل جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مسمیٰ سے سوال اجابت نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے ذریعہ اظہار اضطراب (گریہ کا ارادہ) کیا جاتا ہے۔

پھر سوال اجابت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پکارنے والا اپنا رخ پکارے جانے والے کی طرف کرنے دوم یہ کہ پکارے گئے کا قلب پکارنے والے کی جانب ہو۔ خلاصہ یہ کہ ندا کی دو صورتیں ہوئیں ایک حقیقی اور دوسری حکمی۔

نحو یا عبداللہ الخ یعنی "یا عبداللہ" دراصل "ادعو اعبداللہ" یا "انادی عبداللہ" تھا۔ یہاں فعل کو فاعل سمیت حذف کرتے ہوئے حرف ندا اس کی جگہ لے آئے۔ اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ اگر اس جگہ فعل محذوف ہو اور اس کی جگہ حرفِ ندا ہو تو اس صورت میں جملہ کا ندائیہ خبریہ ہونے کا لزوم ہوتا ہے جبکہ یہ جملہ دراصل انشائیہ ہے خبریہ نہیں۔

اس کا جواب دیا گیا کہ "یا زید" دراصل "ادعوک" ہے یہاں ضمیر کے موقع پر اسم ظاہر "ادعوا" کی جگہ حرف ندا رکھ دیا گیا۔

وقد یحذف حرف النداء الخ یعنی کسی قرینہ کے پائے جانے پر یہ جائز ہے کہ حرفِ ندا کو حذف کر دیا جائے لیکن اس کی چند شرطیں ہیں وہ یہ کہ منادیٰ کے اسم جنس ہونے کی صورت میں یہ درست ہے کہ حرفِ ندا حذف کر دیا جائے۔ اسم جنس سے مقصود یہ ہے کہ حرف ندا سے قبل نکرہ ہو اور عموماً یہ ندا کے ساتھ معروف و مفہوم ہو مثال کے طور پر "یا رجل" یا یہ بدستور نکرہ ہی برقرار رہے مثلاً "یا رجلاً"۔ اسی طرح منادی کے اسم اشارہ ہونے کی صورت میں یہ درست نہ ہوگا۔ ایسے ہی منادیٰ اگر مندوب ہو یا مستغاث ہو تو یہ درست نہ ہوگا کہ اس وقت حرف ندا حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ دونوں کا مقصود آواز دور تک پہنچانا ہوتا ہے اور حذف کی صورت میں وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

نحو یوسف اعرض عن ہذا۔ یہ دراصل " یا یوسف اعرض عن ہذا " تھا۔ قرینہ پائے جانے کے باعث حرف ندا حذف کردیا اور قرینۂ حذف یہاں اس طرح ہے کہ اگر " یوسف " سے قبل یا حرف ندا کو محذوف نہ کریں تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ یوسف مبتدا واقع ہوا ہے اور " اعرض " خبر۔ جبکہ انشاء ہونے کی بناء پر " اعرض عن ہذا " کا خبر ہونا درست نہیں۔ اور یہ صحیح نہیں کہ انشاء کو کسی تاویل کے بغیر خبر بنایا جائے۔

واعلم أنّ المنادٰی علٰی أقسامٍ فان کان مفردًا معرفةً یُبنٰی علٰی علامةِ الرفعِ کالضمةِ ونحوِھا نحو یازیدُ ویارَجُلُ ویازَیدانِ ویازیدونَ ویخفضُ بلامِ الاستغاثةِ نحو یالَزیدٍ ویُفتحُ بالحاقِ الفِھا نحو یازیداہ ویُنصبُ ان کان مُضافًا نحو یاعبدَ اللّٰہِ اومشابھًا للمُضافِ نحو یاطالعًا جبلًا اونکرةً غیرَ مُعیّنةٍ کقولِ الأعمٰی یارجُلًا خُذْ بیدی وان کان مُعرّفًا باللام قیل یاایھا الرجُل ویاایّتھا المرأةُ ویجوزُ ترخیمُ المنادٰی وھوحذفٌ فی اٰخرِہٖ للتخفیفِ کما تقولُ فی مالکٍ یامالُ وفی منصورٍ یامَنصُ وفی عُثمانَ یاعُثمُ۔ ویجوزُ فی اٰخرِ المنادٰی المرخّمِ الضمُّ والحرکةُ الاصلیةُ کما تقولُ فی یاحارثُ یاحارُ ویاحارِ واعلم أنّ یامِن حُروفِ النداءِ قد تستعمل فی المندوبِ ایضًا وھو المتفجّعُ علیہ بیا اووا کما یقالُ یازیداہ ووازیداہ فواَلمختصّةٌ بالمندوبِ ویامشترکةٌ بین النداءِ والمندوبِ وحکمُہٗ فی الاعراب والبناءِ مثلُ حکمِ المنادٰی۔

ترجمہ:۔ اور واضح رہے کہ منادیٰ کی کئی قسمیں ہیں۔ پس اس کے مفرد معرفہ ہونے کی صورت میں وہ علامتِ رفع مثلاً ضمہ اور اس کے مانند پر مبنی ہوگا مثلاً "یا زیدُ" اور "یا رجلُ" اور "یا زیدانِ" اور "یا زیدونَ" اور استغاثہ کے لام سے منادیٰ پر کسرہ آئے گا مثلاً "یا لزیدٍ" اور الف کے الحاق پر فتحہ آئے گا۔ جیسے "یازیداہ" اور مضاف ہونے کی صورت میں نصب آئے گا مثلاً "یا عبداللہ"۔ یا مشابہ مضاف ہونے کی شکل میں نصب آئے گا مثلاً "یا طالعًا جبلًا"، یا نکرہ غیر معین ہونے کی صورت میں بھی منصوب ہوگا۔ جیسے نابینا کا قول "یا رجلًا خذ بیدی" (اے مرد میرا ہاتھ پکڑ) اور منادیٰ معرف باللام ہونے پر کہا جائے گا "یا ایھا الرجل" اور "یا ایتھا المرأة" اور ترخیم منادیٰ بھی درست ہے اور ترخیم اس کے آخر کو تخفیف کی خاطر حذف کرنے کا نام ہے جیسے "مالک" میں تم کہو "یا مالُ" اور "منصورٍ" میں "یا منصُ" اور "عثمانَ" میں "یا عثمُ"۔ اور منادیٰ مرخم کے اخیر میں ضمہ اور حرکت اصلیہ لانا درست ہے۔ جیسے

"یاحارثُ" میں کہو "یا حارُ" اور "یا حارِ"۔ اور واضح رہے کہ "یا" حروفِ نداء میں سے ہے۔ بعض اوقات اس کا استعمال مندوب میں بھی ہوتا ہے۔ اور وہ اسے کہا جاتا ہے جسے درد لاحق ہو اور اس پر یا یا وا لاتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے "یا زیداہ" اور "وازیداہ" تو "وا" مندوب کے ساتھ خاص ہے اور "یا" نداء اور مندوب کے درمیان مشترک ہے۔ اور معرب و مبنی ہونے میں مندوب کا حکم منادیٰ کا سا ہے۔

تشریح وان کان مفرداً معرفۃ۔ یعنی منادیٰ کے مفرد معرفہ ہونے کی صورت میں منادیٰ رفع کی علامت پر مبنی قرار دیا جائے گا۔ مفرد کی قید لگا کر اس کا ارادہ کیا گیا کہ منادیٰ نہ تو مضاف ہو اور نہ مشابہ مضاف نیز معرفہ سے مقصود تعمیم ہے خواہ وہ نداء سے پہلے معرفہ ہو۔ مثال کے طور پر "یا زید" یا ندا کے بعد وہ معرفہ ہوا ہو۔ مثلاً "یا رجل"۔ دراصل منادیٰ مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کا سبب یہ ہے کہ منادیٰ اسمی کاف کی جگہ آتا ہے اور جہاں تک اسمی کاف کا تعلق ہے وہ کاف خطاب حرفی کے باعتبار لفظ بھی مشابہ ہے اور بلحاظ معنی بھی۔

ایک شبہ کا ازالہ اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ اگر منادیٰ مفرد معرفہ کو مبنی ہی قرار دینا تھا تو موزوں یہ تھا کہ مبنی بر سکون کرتے کہ مبنی میں اس کی حیثیت اصل کی ہے۔ رفع کی علامت پر مبنی کرنے کا اصل سبب کیا ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ منادیٰ مفرد معرفہ کے جہاں تک مبنی ہونے کا معاملہ ہے وہ مشابہت کے باعث مبنی ہوا کرتا ہے۔ اور جہاں تک سکون کا تعلق ہے وہ تو علامت مبنی الاصل کی ہے۔ لہٰذا اسے نہ سکون پر مبنی قرار دیں گے اور نہ ہی یہ جر اور نصب کی علامت پر مبنی ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ علامتِ نصب کے ساتھ مبنی کرنے پر اس میں اور اس منادیٰ کے درمیان التباس ہوگا جس کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو۔ اور اگر علامتِ جر پر مبنی کریں جس کی اضافت یائے متکلم کی جانب ہو اور یا محذوف کرکے ماقبل کے کسرہ کو برقرار رکھا ہو۔ مثال کے طور پر "یا رب"۔ لہٰذا ان صورتوں میں التباس کے باعث اب اسے علامت رفع پر مبنی کرنے کے علاوہ کوئی شکل نہیں رہی۔ رہا صاحب کتاب کا مبنی علی الضم کے بجائے "مبنی علیٰ علامۃ الرفع" کہنا وہ اس بناء پر کہ اس کے ذیل میں حرف اور حرکت دونوں آجائیں۔ مثال کے طور پر "یا زید" یہ ایسے منادیٰ کی مثال ہے جو مبنی علی الضم اور نداء سے پہلے ہی معرفہ ہے۔ اور "یا رجل" یہ ایسے منادیٰ کی مثال ہے جو مبنی علی الضم اور بعدِ ندا معرفہ بنا ہے۔

ویخفض بلام الاستغاثۃ۔ یعنی منادیٰ پر لام استغاثہ آنے کی صورت میں منادیٰ مکسور ہو جائیگا۔ یہ لام دائمی طور پر مفتوح ہوا کرتا ہے کیونکہ اس کے مکسور ہونے کی شکل میں مستغاث لہ کے لام سے اس کا التباس لازم آئیگا۔ اس صورت میں کہ مستغاث کو محذوف کرکے نفظ مستغاث بہ کو برقرار رکھا جائے۔ مثال کے طور پر "یا للمظلوم" کہ یہ حقیقت تھا "یا قوم للمظلوم"۔

ویلفتح بالحاق الغہا۔ منادیٰ کے اخیر میں الف استغاثہ آنے پر وہ مبنی علی الفتحہ اس وجہ سے ہوگا کہ الف اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس سے پہلے فتحہ ہو مگر استغاثہ کا الف آنے کی صورت میں لام استغاثہ نہ آئے گا کیونکہ لام جس پر آتا ہے اسے مکسور کرتا ہے اور الف یہ چاہتا ہے کہ اس سے پہلے فتحہ ہو تو دونوں اثر کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوگئے اور دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں۔

وینصب ان کان مضافا۔ یہ چار شکلیں ہیں (۱) منادیٰ مفرد نہیں مضاف واقع ہو۔ (۲) منادیٰ مضاف کے مشابہ ہو (۳) منادیٰ معرفہ واقع نہ ہو (۴) نہ منادیٰ معرفہ واقع ہو اور نہ ہی مفرد۔

رہی یہ بات کہ ان ذکر کردہ صورتوں میں منادیٰ پر نصب کیوں آتا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس جگہ اسم ہونے کی جہت قوی اور مشابہت باطنی ضعیف ہے اس وجہ سے مفعول ہونے کے باعث اس پر نصب آجاتا ہے۔

اومشابہا للمضاف۔ مشابہ مضاف وہ اسم کہلاتا ہے کہ اس کے معنی مابعد کو ملائے بغیر پورے نہ ہوتے ہوں جیسے کہ مضاف اور مضاف الیہ کی حالت ہے کہ جب تک مضاف کے ساتھ مضاف الیہ نہ ملے اس کے معنی مکمل نہیں ہوتے۔

ویجوز ترخیم المنادیٰ۔ ندا کی خصوصیات میں سے ایک ترخیم ہے۔ جہاں تک منادیٰ کا تعلق ہے اس میں ترخیم وتخفیف خواہ نظم ہو یا نثر صحیح ہے۔ یہ موقعۂ ندا تخفیف کا موقعہ ہے اور اس کے ذریعہ مقصود ندا کے علاوہ ہوا کرتا ہے تو موزوں یہی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو ندا سے بعجلت فراغت حاصل کرکے مقصود اصلی میں مصروف ہوجائیں۔ از روئے لغت ترخیم سہل ونرم کردینے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی معنی صاحب کتاب بیان کرچکے کہ یہ منادیٰ کے اخیر سے تخفیف کی خاطر کسی حرف کو گرا دینے کا نام ہے۔

کما تقول فیہ مالک۔ صاحب کتاب نے منادیٰ کی ترخیم کی تین مثالیں پیش فرمائی ہیں اور اس کے ذریعہ اس بات کی جانب اشارہ مقصود ہے کہ منادیٰ کے اسم مرکب نہ ہونے کی صورت میں بعض اوقات اس کا ایک حرف حذف کردیا جاتا ہے اور بعض اوقات ترخیم میں بجائے ایک حرف کے دو حرف بھی حذف ہوجاتے ہیں۔

ویجوز فی آخر المنادیٰ المرخم۔ یعنی ترخیم کردہ منادیٰ کو بعض اوقات مستقل اسم کے درجہ میں رکھتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا اس میں سے کسی حرف کو حذف ہی نہیں کیا گیا اور تعلیل ہو یا بنا اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ مستقل منادیٰ کا ہوتا ہے۔ پس مثلاً "یا حارثُ" میں ثا کے گرانے پر اسے ضمہ پر مبنی کرتے ہوئے "یا حارُ" پڑھا کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا منادیٰ ہے جو مفرد ہے اور معرفہ ہے اس واسطے یہ ضمہ پر مبنی ہوگا۔ اور یہ صورت بھی صحیح ہے کہ حذف کردہ حرف سے پہلا حرف ترخیم سے قبل جس حال پر ہو اسے جوں کا توں اسی پر برقرار رکھا جائے۔ مثال کے طور پر "یا حارثُ" میں ثا سے قبل را مکسور ہے تو بعد ترخیم بھی اسے مکسور ہی پڑھیں۔

ان یا من حروف النداء الخ یعنی یا دراصل حروف ندا میں سے ہے مگر بعض اس کے سارے حروف کے مقابلہ میں زیادہ معروف ومشہور ہونے کے باعث مندوب میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مگر مندوب میں اسے

اسی صورت میں استعمال کرتے ہیں جبکہ ندبہ اور ندا رکے درمیان کسی طرح کا قرینہ موجود ہو جس سے ان دونوں کے درمیان فرق ہو سکے اور اگر اس طرح کا قرینہ موجود نہ ہو تو پھر اس طریقہ سے اسے استعمال نہ کریں گے۔

وہو المتفجع علیہ۔ اس کے معنی دردمند ہونے کے آتے ہیں اور مع اللام اس کا صلہ آیا کرتا ہے۔ پس بر از روئے قاعدہ "المتفجع لہ" ہوتا۔ ہاں اگر یہ کہیں کہ یہاں علیٰ لام کے معنی میں ہے تو اس صورت میں اس جگہ "علیٰ" لانا درست قرار دیا جائے گا۔

وحکمہ فی الاعراب الخ یعنی معرب اور مبنی ہونے میں حکم مندوب منادی کا سا ہے۔ اور اس میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

فصل المفعولُ فیہِ ھو اسمُ مَا وقع فعلُ الفاعِلِ فیہ من الزمانِ و المکانِ ویسمّیٰ ظرفًا وظروفُ الزمان علیٰ قِسمَینِ مُبہمٌ وھو ما لا یکونُ لہ حدٌّ معینٌ کدھرٍ وحِینٍ. ومحدودٌ وھو ما یکونُ لہ حدٌّ مُعیّنٌ کیومٍ ولیلۃٍ وشھرٍ وسنۃٍ وکُلّھا منصوبٌ بتقدیرِ فی تقولُ صُمتُ دَھرًا وسافرتُ شھرًا ای فی دھرٍ وشھرٍ وظروفُ المکان کذٰلک مُبہمٌ وھو منصوبٌ ایضًا بتقدیرِ فی نحو جلستُ خلفَکَ واَمَامَکَ ومحدودٌ وھُوَ مَا لَا یکونُ منصُوبًا بتقدیرِ فی بل لابُدَّ من ذکرِ فی فیہ نحو جلستُ فی الدارِ وفی السُّوقِ وفی المسجد **فصل** المفعول لہ ھو اسمُ ما لاجلہٖ یَقَعُ الفعل المذکورُ قبلَہٗ ویُنصَبُ بتقدیرِ اللام نحو ضَرَبتُہ تادیبًا ای للتادیب وقَعَدتُ عن الحربِ جُبْنًا ای للجُبن وعندَ الزجاجِ ھو مصدرٌ تقدیرہ ادبتُہٗ تادیبًا وجبنتُ جُبنًا۔

ترجمہ:۔ یہ فصل مفعول فیہ کے بیان میں ہے۔ مفعول فیہ ایسی چیز کا اسم کہلاتا ہے کہ جس میں فاعل کا فعل آئے اور اس چیز کا تعلق زمان اور مکان سے ہو۔ اسے اسم ظرف کہا جاتا ہے۔ اور ظروف زمان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مبہم۔ وہ ایسے ظرف زمان کا نام ہے جس کی حد معین نہ ہو مثلاً دہر اور حین۔

(۲) ظرف زمان محدود۔ وہ ایسے ظرف زمان کا نام ہے کہ اس کی حد معین ہو مثلاً دن اور رات اور مہینہ اور سال۔ اور ان سب پر "فی" محذوف مانتے ہوئے نصب آئے گا۔ تم کہو "صمتُ دہرًا" (کل دہر میں نے روزہ رکھا) اور "سافرتُ شہرًا" (پورے مہینے میں نے سفر کیا) یعنی "فی دہرٍ وشہرٍ"

اور ظروف مکان کی بھی ظروف زمان کی طرح دو قسمیں ہیں۔
(۱) مبہم۔ ان پر بھی "فی" کو مقدر و پوشیدہ تسلیم کرتے ہوئے نصب آتا ہے۔ مثلاً "جلستُ خلفکَ وأمامکَ (میں تیرے پیچھے اور تیرے سامنے بیٹھا)
(۲) محدود۔ اس سے وہ ظرفِ مکان مراد ہیں جن پر "فی" پوشیدہ مانتے ہوئے نصب نہیں آتا بلکہ ان میں فی کو بیان کرنا ناگزیر ہوتا ہے مثلاً "جلستُ فی الدار" وفی السوق "وفی المسجد"۔
یہ فصل ہے مفعول لہٗ کے بیان میں۔ وہ ایسی چیز کا اسم ہے کہ اس کے باعث اس سے پہلے ذکر کردہ فعل آتا ہو اور یہ لام کو محذوف مانتے ہوئے منصوب ہوتا ہے مثلاً "ضربتہ تادیبًا" اے للتادیب (میں نے اسے ادب سکھانے کی خاطر زد و کوب کیا۔) وقعدت عن الحرب جبنًا۔ اے للجبن (میں بزدلی کے باعث لڑائی سے بیٹھ گیا) اور زجاج کے نزدیک یہ مصدر ہے اور یہ دراصل ہے "ادبتہٗ تادیبًا" اور "جبنتُ جبنًا"

تشریح المفعول فیہ ہو اسم الخ۔ ذکر کردہ پانچ مفعولوں میں سے تیسرے مفعول کا نام مفعول فیہ ہے۔ مفعول فیہ وہ کہلاتا ہے جس میں کہ فاعل کا فعل آیا ہو۔ صاحب کتاب نے لفظِ اسم کے اضافہ سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اس جگہ فعل سے مراد اصطلاحی نہیں بلکہ محض لغوی فعل مقصود ہے۔ اسی اعتبار سے اس تعریف کے زمرہ میں اسم فاعل، اسم مفعول، نیز مصدر یہ تمام آجائیں گے۔ اور فعل سے اس جگہ مقصود تعمیم ہے چاہے حقیقی ہو اور خواہ تقدیری وحکمی۔
من الزمان والمکان۔ اس جگہ زمان سے مقصود وہ شے ہے جو جوابِ متیٰ ہوسکتی ہو۔ اور مکان سے مقصود وہ شے جو جوابِ أینَ بن سکے۔ علاوہ ازیں اس جگہ زمان ومکان سے مقصود تعمیم ہے چاہے زمان ومکان حقیقی ہو۔ مثال کے طور پر کہا جائے "سرتُ یوم الجمعۃ خلفکَ (میں جمعہ کے دن تمھارے پیچھے چلا) اور خواہ اس سے مقصود حکمی ہو جیسے کہا جائے "جلستُ قیامَ عمرٍو" یعنی (جلستُ مکان قیام عمرٍو") یعنی مقصود یہ ہے کہ مصدر کو ظرف کا قائم مقام بنالیتے ہیں اور مضاف حذف کردیا جاتا ہے۔
ویسمّی ظرفًا۔ یعنی مفعول فیہ کا دوسرا نام ظرف بھی ہے۔ ظرف برتن کے معنی میں آتا ہے اور مفعول فیہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی برائے فعل ظرف کی طرح ہوتا ہے۔
ظروف الزمان کلہا منصوب بتقدیر۔ یعنی سارے ظروف زمان چاہے وہ محدود ہوں یا مبہم ان میں "فی" مقدر پوشیدہ ہوتا ہے۔ مبہم کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو فعل کے مفہوم کا جزو ہوا کرتا ہے اور مقررہ ضابطہ یہ ہے کہ فعل کے جزو کو الگ الگ مستقل طریقہ سے بیان کرنے کی صورت میں حرفِ جر کے واسطہ کے بغیر اس پر نصب آتا ہے مثال کے طور پر مفعول مطلق تو مبہم ظرفِ زمان میں بھی "فی" مقدر پوشیدہ ہوگا۔ اور زمانِ محدود کا معاملہ یہ ہے کہ

اس کا محل مبہم زمان پر ہوتا ہے اور دونوں کا اشتراک زمانیت میں ہوا کرتا ہے۔

علاوہ ازیں صاحب کتاب کی عبارت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو وہ جس میں "فی" پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں تو مفعول فیہ پر نصب آئے گا اور قسم دوم مفعول فیہ کی ایسی ہے جس میں "فی" لفظوں میں ہوتا ہے۔ مفعول فیہ کی اس دوسری قسم میں مفعول فیہ مجرور ہوگا اگر یہ اس وقت مجرور نہ ہو تو حروف جار کا کسی سبب کے بغیر لانے اور استعمال کرنے کا لزوم ہوگا۔ صاحب کتاب اور صاحب کافیہ یہی فرماتے ہیں۔

جمہور کہتے ہیں کہ وہ ظرف کہ جس کے اندر "فی" لفظوں میں آتا ہے یہ دراصل مفعول فیہ نہیں ہوتا بلکہ حرفِ جار کے واسطے سے درحقیقت مفعول بہ ہوتا ہے اسلئے کہ جمہور نحاۃ مفعول فیہ اسے کہتے ہیں جس میں کہ فعل واقع ہوا ہو نیز "فی" پوشیدہ ہو۔ یعنی ان کے نزدیک مفعول فیہ کے صحیح ہونے کے واسطے "فی" کے مقدر و پوشیدہ ہونے کو شرط قرار دیا گیا۔ اور اس کے منصوب ہونے کے لئے اس کی شرط نہیں۔ اس کے برعکس صاحب کتاب منصوب ہونے کے لئے "فی" کے مقدر و پوشیدہ ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ صاحب کتاب نے، جمہور نے مفعول فیہ کی جو تعریف کی ہے اس سے احتراز کیا۔

وظروف المکان کذلک۔ یہاں پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جیسے ظروف زمان کی دو قسمیں بیان کی گئیں اسی طرح ظروفِ مکان کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مبہم (۲) محدود۔ مبہم تو وہ ظروف کہلاتے ہیں کہ جن کی حد کی تعیین نہ ہو اور محدود اسے کہتے ہیں جس کی حد کی تعیین ہو۔ اور ظروفِ مکان پر بھی ظروف زمان کی طرح نصب آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وصف ابہام کا جہاں تک تعلق ہے اس میں دونوں ہی یکساں ہیں۔

وہو مالایکون منصوبًا بتقدیر فی الخ۔ ظرفِ مکان محدود کا جہاں تک تعلق ہے تو اس پر "فی" کو مقدر و پوشیدہ مان کر نصب نہیں آتا بلکہ اس میں "فی" لفظوں میں بیان کرنا لازم ہے اسلئے کہ یہ زمانِ مبہم کے ساتھ نہ صفت میں کسی طرح کا شریک ہے اور نہ ذات میں شریک ہے۔

ہو اسم لاجلہ۔ مفعول لہ اسے کہا جاتا ہے جس کے باعث ایسے فعل کا وقوع ہو جسے اس اسم سے قبل بیان کیا جائے۔ مطلب یہ کہ اس کے حصول یا اس کے وجود کی بنا پر ذکر کردہ فعل کیا جائے۔ اس جگہ فعل سے لغوی فعل مقصود ہے۔ اور اس کی تعریف میں آنے والا "ما" یہ جنس واقع ہوا ہے اور اس کے زمرے میں سارے مفاعیل آجاتے ہیں۔

لاجلہ یقع الفعل المذکور۔ یہ فصل کے درجے میں ہے اور اس قید کی بنا پر اس کی تعریف سے سارے مفاعیل نکل گئے۔ اس جگہ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ بسا اوقات مفعول لہ کا فعل بیان نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر "تادیبًا" اس شخص کے جواب میں کہا جائے جو "ضربت زیدًا" کہے۔ تو اس تعریف کے زمرے میں مفعول لہ کے سارے افراد نہیں آئے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ذکر کردہ سے مقصود عام ہے چاہے حقیقی اعتبار سے ذکر کیا گیا ہو یا حکمًا ذکر کیا

جائے تو ذکر کردہ مثال میں اگر حقیقی اعتبار سے ذکر نہیں کیا گیا لیکن حکمی اعتبار سے ذکر کیا گیا۔

وینصب بتقدیر اللام ۔ یعنی مفعول لہ پر نصب اس طریقہ سے آتا ہے کہ لام مقدر و پوشیدہ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مفعول لہ پر نصب آنے کی شرط لام کا مقدر و پوشیدہ ہونا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر لام مقدر نہ ہو اور لفظوں میں آئے تو پھر اس پر جر آئیگا اور یہ مجرور ہوگا۔ صاحب کتاب کے اس قول سے یہ بات واضح ہوئی کہ مفعول لہ اسے کہا جاتا ہے جس کے واسطے فعل ذکر کیا جائے چاہے لام اس میں ذکر کیا گیا ہو یا پوشیدہ ہو۔ ہاں اس پر نصب آنے کی شرط لام کا مقدر ہونا ہے۔ یہ تعریف جمہور کی ذکر کردہ تعریف سے الگ ہے۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک جہاں لام لفظوں میں ذکر کیا گیا ہو اس کا نام مفعول بہ ہے۔

ضربتہ تادیبًا ۔ ذکر کردہ مثال ایسے مفعول لہ کی ہے جس کے حصول کی خاطر فعل بیان کیا جائے کیونکہ تادیب کا حصول بذریعہ ضرب ہوتا ہے۔

وعند الزجاج ہو مصدر ۔ جمہور نحاۃ تو مفعول لہ کو مستقل معمول قرار دیتے ہیں اور زجاج کہتے ہیں کہ یہ مستقل معمول نہیں بلکہ یہ لفظ فعل کے علاوہ سے مفعول مطلق واقع ہوا ہے تو زجاج کے نزدیک "ضربتہ تادیبًا" کے اصل معنی یہ ہونگے " ادبتہ بالضرب " اور اسی طرح قعدت عن الحرب جبنًا " کہ زجاج کے نزدیک یہ معنی ہونگے " جبنت فی القعود عن الحرب جبنًا " مگر زجاج کے قول کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ بالتاویل ایک نوع کو دوسری نوع کے زمرے میں لانے سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی کہ نوعِ اول عین نوع دوم بن جائے

فصل

المفعول معہٗ ھو ما یذکر بعد الواوٗ بمعنی مع لمصاحبۃ معمولِ الفعلِ نحو جاء البرد والجُبّاتِ، وجئتُ انا وزیدًا۔ ای مع الجباتِ و مع زیدٍ فان کان الفعلُ لفظًا وجاز العطفُ یجوز فیہ الوجھانِ النصب والرفع نحو جئتُ أنا و زیدًا و زیدٌ وان لم یجُز العطفُ تعیّنَ النصبُ نحو جئتُ وزیدًا وان کانَ الفعلُ معنًی وجاز العطفُ تعیّنَ العطفُ نحو مالِزید وعمرو وان لم یجز العطفُ تعیّنَ النّصبُ نحو مالکَ وزیدًا و ماشانُکَ وعمرًا لان المعنی ما تصنعُ۔

ترجمہ ۔ یہ فصل مفعول معہ کے بیان میں ہے۔ مفعول معہ ایسا اسم کہلاتا ہے جو بعد واؤ بمعنی مع بیان کیا جائے معمول فعل کی مصاحبت کے باعث۔ مثلاً "جاء البرد والجبات" (موسم سرما مع جبّوں کے آیا) اور " جئتُ انا وزیدًا " (میں زید کے ساتھ آیا) پس فعل کے لفظوں میں مذکور ہونے اور عطف جائز

ہونے پر دو صورتیں درست ہونگی۔ نصب اور رفع مثلاً " جئتُ انا وزیدًا وزیدٌ " اور عطف جائز نہ ہونے کی صورت میں نصب متعین ہوگا مثلاً " جئتُ وزیدًا " اور فعل کے معنی ہونے اور عطف کے جائز ہونے کی صورت میں عطف متعین ہوگا۔ مثلاً " مالزیدٍ وعمرٍو " اور عطف درست نہ ہونے پر نصب متعین ہوگا مثلاً " مالک وزیدًا " وماشانُکَ وعمرًا " اسلئے کہ معنی ہیں " ما تصنع "

تشریح المفعول معہ ۔ اس جگہ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ یہاں الف لام " الذی " کے معنی میں آیا ہے اور مفعول جو آیا ہے وہ فعل کے معنی میں ہے اس لحاظ سے " معہ " پر بجائے نصب کے الف آنا چاہئے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ بعض نحاۃ کے نزدیک یہ درست ہے کہ اسناد فعل لازم النصب کی جانب ہونے کی صورت میں اسے منصوب ہی برقرار رکھیں تاکہ اکثر و بیشتر حالات کے ساتھ اسکی مطابقت ہو۔

ہو ما یذکر بعد الواؤ۔ یعنی مفعول معہ ایسا اسم کہلاتا ہے جو ایسے واؤ کے بعد ذکر کیا جائے کہ وہ واؤ کے معنیٰ میں۔ نیز خواہ وہ فعل لفظاً ہو یا معنیً۔ اگر فعل لفظوں میں آرہا ہو۔ نیز واؤ کے مابعد کا عطف کرنا اس کے ماقبل پر درست ہو تو اس صورت میں دو شکلیں جائز ہونگی۔ یعنی یہ بھی درست ہوگا کہ عطف کیا جائے اور مفعول ہونے کے باعث یہ بھی درست ہوگا کہ نصب دیا جائے۔

وان لم یجز العطف ۔ اور اگر ایسا ہو کہ عطف سرے سے درست ہی نہ ہو تو پھر اس صورت میں یہ متعین ہوگا کہ اس پر نصب لایا جائے۔ مثال کے طور پر " جئتُ وزیدًا " وجہ یہ ہے کہ یہاں تاکید ضمیر متصل منفصل نہ آنے کے باعث عطف ممنوع ہے اور بجز نصب کے اور کوئی شکل نہیں۔ لہٰذا نصب لانا لازم ہوگا۔

وان کان الفعل معنًا۔ اگر ایسا ہو کہ فعل معنوی طور پر ہو اور عطف بھی درست ہو تو پھر اس شکل میں عطف ہی متعین ہو جائے گا۔ لیکن عطف جائز نہ ہونے کی صورت میں نصب لانا ہی متعین ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اس جگہ نصب لانے کے علاوہ اور کوئی شکل ہے ہی نہیں۔

یہاں صاحب کتاب کے دو مثالیں بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ مثال اول تو مجرور بحرف کی بیان کی گئی اور مثال دوم مجرور باضافت کی بیان کی گئی اور دونوں میں عطف کے عدم جواز کے باعث نصب کا لانا متعین ہوگیا۔

لان المعنیٰ ۔ یہ ذکر کردہ مثالیں فعل کے معنوی ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں ۔

فصل الحالُ لفظ یدلُّ علی بیانِ ھیأۃ الفاعِل او المفعول بہٖ او کلیہما نحو جَاءَ نِی زَیدٌ رَاکِبًا وضربتُ زیدًا مشدودًا ولقیتُ عمرًا رَاکبینِ وقد یکونُ الفاعلُ معنویًا نحو زیدٌ فی الدَّارِ قائمًا لان معناہُ زیدٌ استقرَّ فی الدارِ قائمًا وکذا المفعولُ بہٖ نحو ھذا زیدٌ قائمًا فان معناہ المشار الیہ قائمًا ھو

زیدٌ والعاملُ فی الحالِ فعلٌ اومعنیٰ فِعل والحالُ نکرۃٌ ابداً وذوالحال معرفۃٌ غالبًا کمارأیتَ فی الامثلۃِ المذکورۃ فان کان ذوالحالِ نکرۃً یجب تقدیمُ الحال علیہ نحوجاء نی راکبا رجلٌ لئلاتلتبس بالصفۃِ فی حالۃ النصب فی مثل قولک رأیتُ رجلاً راکبا وقد تکونُ الحالُ جملۃً خبریۃً نحوجاء نی زیدٌ وغلامہٗ راکبٌ اویرکب غلامہٗ ومثال ما کان عامِلُھا معنی الفعلِ نحوھذا زیدٌ قائمًا معناہُ أُنبّہُ وأُشِیرُ وقد یحذف العامِلُ لقیامِ قرینۃٍ کما تقولُ للمسافِرسالمًا غانمًا ای ترجعُ سالمًا غانمًا

ترجمہ: یہ فصل حال کے بیان میں ہے۔ حال وہ لفظ ہے جس سے ہیئتِ فاعل یا ہیئتِ مفعول کی نشاندہی ہوتی ہے یا وہ ان دونوں کے حال کی نشاندہی کرتا ہے مثلاً "جاء نی زیدٌ راکبا" (میرے پاس زید سوار ہوکر آیا) اور "ضربتُ زیداً مشدوداً" (میں نے زید کو اس کے بندھے ہوئے ہونے کی حالت میں زدوکوب کیا) "لقیت عمرًا راکبین" (میں عمرو سے اس حال میں ملا کہ ہم دونوں سوار تھے) اور بعض اوقات فاعل معنوی ہوتا ہے مثلاً "زیدٌ فی الدار قائمًا" اس کے معنی ہیں کہ زید گھر میں بحالتِ قیام ٹھیرا اور اسی طرح مفعول مثلاً "ہذا زیدٌ قائمًا" اس کے معنی یہ ہیں کہ مشارالیہ (زید) کھڑا ہوا ہے۔ اور عامل حال میں فعل ہوا کرتا ہے یا معنیٔ فعل اور حال دائمی طور پر نکرہ ہوتا ہے اور ذوالحال اکثروبیشتر معرفہ ہوتا ہے جیساکہ تم نے ذکرکردہ مثالوں میں مشاہدہ کیا۔ اور اگر ذوالحال نکرہ ہو تو اس صورت میں حال کو پہلے لانا واجب ہوتا ہے مثلاً "جاء نی راکبا رجلٌ" (میرے پاس سوار شخص آیا) تاکہ بحالتِ صفت اس کا نصبی حالت سے التباس نہ ہو جیسے میرا قول "رأیت رجلاً راکبا" (میں نے سوار شخص دیکھا) بعض اوقات حال جملہ خبریہ ہوا کرتا ہے مثلاً "جاء نی زیدٌ وغلامہٗ راکبٌ" او "یرکب غلامہٗ" (میرے پاس زید آیا اور اس کا غلام سوار تھا۔ یا اس کا غلام سوار ہوتا ہے) اور عامل معنیٔ فعل ہونے کی مثال مثلاً "ہذا زیدٌ قائمًا" اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آگاہ کرتا ہوں اور اشارہ کرتا ہوں۔ اور بعض اوقات قیام قرینہ کے باعث عامل حذف کردیا جاتا ہے جیسے تم مسافر کے لئے کہو "سالمًا غانمًا" (یعنی صحیح سلامت کما کر لوٹو)

تشریح: الحال۔ نحاۃ کی اصطلاح میں حال اسے کہا جاتا ہے جو حالت فاعل یا حالت مفعول یا دونوں کے حال کی نشاندہی کرے۔ "لفظ" کی حیثیت جنس کی ہے اور اس کے زمرے میں سارے الفاظ آجاتے ہیں۔ اور لفظ "ہیئت" کے ذریعہ تمیز نکل جاتی ہے کیونکہ اس سے صفت کی نہیں ذات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہیئت کی اضافت جب فاعل اور مفعول کی جانب کی گئی تو اس کے ذریعہ وہ شے نکل جائے گی

جس کے ذریعہ فاعل اور مفعول کی ہیئت کے علاوہ بیان ہو۔ مثال کے طور پر کوئی کہے "عمرو العالم اخوک" کہ اس میں "العالم" صفت مبتدا ہے اور اس سے اس کی ہیئت بیان ہو رہی ہے فاعل و مفعول کی ہیئت نہیں۔ تو اس قید کے ذریعہ صفت مبتدا سے اجتناب تو ہو گیا لیکن اس کے باوجود حال کی تعریف کے ذیل میں فاعل و مفعول کی صفات ابھی تک برقرار ہیں اور انھیں اس کی تعریف سے نکالنے کی خاطر "حیثیت" کی قید لگانی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ حال اسے کہتے ہیں جو فاعل و مفعول بہ کی ہیئت اس کے فاعل و مفعول بہ ہونے کی حیثیت کے لحاظ سے بتائے۔ تو اس قید کے ذریعہ صفات فاعل و مفعول بہ بھی حال کی تعریف سے نکل جائینگی کیونکہ ان سے فاعل و مفعول کی ہیئت کی مطلقاً اور بلا کسی قید کے نشاندہی ہوتی ہے۔ فاعل یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے نشاندہی نہیں ہوتی۔

وقد یکون الفاعل معنویاً۔ صاحب کتاب اس کے ذریعے اس جانب اشارہ فرمارہے ہیں کہ جہاں تک فاعل و مفعول بہ کا تعلق ہے اس کے اندر تعمیم ہے چاہے لفظی ہو اور چاہے معنوی۔ فاعل اور مفعول کے لفظی ہونے سے مقصود یہ ہے کہ فاعل کا فاعل ہونا اور مفعول کا مفعول ہونا کلام کے الفاظ سے مفہوم ہو اور لفظوں میں فاعل و مفعول ہونے کی بنا پر خارج از لفظ کچھ اور فرض کرنے اور ماننے کی احتیاج نہ ہو جیسا کہ ذکر کردہ مثالیں ہیں۔

اور معنوی سے مقصود یہ ہے کہ وہ لفظی کے برعکس ہو۔ معنوی کی دو صورتیں ہونگی۔ ایک تو یہ کہ فاعل کا فاعل ہونا اور مفعول کا مفعول ہونا منطوق کلام سے سمجھ میں آنے کے باوجود الفاظ میں بیان کیا گیا ہو۔ اور دوم یہ کہ فاعل کا فاعل ہونا اور مفعول کا مفعول ہونا منطوق کلام سے سمجھ میں نہ آئے اور اس کے لئے کسی امر خارج کی احتیاج ہو۔ صورت اول کی مثال ہے "زید فی الدار قائماً" یہ ضمیر استقرار سے حال واقع ہوا ہے اور وہ ضمیر لفظوں میں ذکر نہیں کی گئی اگرچہ الفاظ کلام سے اس کا فاعل ہونا مفہوم ہو رہا ہے اور "ہذا زیدٌ قائماً" یہ بذریعہ مفعول بہ حال واقع ہونے کی مثال ذکر کی گئی کہ اس میں مفعول کا مفعول ہونا مقصد کلام سے سمجھ میں آرہا ہے تو اس صورت میں اصل کلام گویا اس طرح ہوگا "اُشیر الی زید و اُنبہ زیداً حال کونہ قائماً"۔

والعامل فی الحال فعل۔ یعنی حال میں عامل یا تو خود فعل ہوگا یا وہ ہوگا جو بمعنیٰ فعل ہو۔ بمعنیٰ فعل سے مقصود افعل التفضیل، صفت، اسم فاعل اور اسم مفعول، ظرف، مصدر، جار مجرور، اسمائے افعال اور ہر اس طرح کا فعل ہے جس کا استنباط کلام کے مضمون سے ہو رہا ہو۔ مثال کے طور پر اسم اشارہ حرف تنبیہ، حرف ندا وغیرہ۔

والحال نکرۃ ابداً۔ یعنی حال کے واسطے اس کا نکرہ ہونا شرط قرار دیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ حال اگر بجائے نکرہ کے معرفہ ہو تو مقید پر قید کی فوقیت کا لزوم ہوگا اور ایسا ہونا انتہائی قبیح ہے۔

وذوالحال معرفۃ غالباً۔ اور ذوالحال کا جہاں تک تعلق ہے وہ اکثر و بیشتر معرفہ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت کے اعتبار سے محکوم علیہ ہے اور محکوم علیہ کی اصل اس کا معرفہ ہونا ہے۔ البتہ بعض اوقات بجائے معرفہ کے نکرہ بھی ہوجاتا ہے۔ صاحب کتاب نے لفظ "غالباً" سے اس طرف اشارہ فرمادیا۔

فان کان ذوالحال نکرۃ۔ یعنی ذوالحال کے نکرہ واقع ہونے کی صورت میں یہ لازم ہوگا کہ حال کو ذوالحال

پر مقدم کیا جائے ورنہ حال کی عدم تقدیم اور ذوالحال پر نصب کی شکل میں یہ دقت ہوگی کہ حال کا صفت سے التباس لازم آئے گا۔ مثال کے طور پر " رأیتُ رجلاً راکباً ۔ اس مثال میں اس کا امکان بھی ہے کہ صفتِ " رجلاً " راکباً " ہو اور حال کے واقع ہونے کا بھی احتمال موجود ہے۔ تو حال کو ذوالحال سے پہلے لانے کی صورت میں یہ پتہ چل جائیگا کہ یہ دراصل صفت نہیں بلکہ حال ہے کیونکہ صفت میں یہ مقررہ ضابطہ ہے کہ وہ کبھی اپنے موصوف سے پہلے نہیں آتی اور حال ذوالحال سے پہلے آسکتا ہے۔

وقد تکون الحال جملۃ خبریۃ۔ یعنی بعض اوقات حال جملہ خبریہ بھی ہوا کرتا ہے۔ صاحب کتاب نے لفظ " قد " کے ذریعہ اس کی جانب اشارہ کردیا۔ کیونکہ حال مبتدا کے خبر کی طرح ہے اور خبر کا جہاں تک تعلق ہے اس میں اصل مفرد ہونا ہے۔ لہٰذا حال میں بھی یہی صورت ہوگی۔ رہ گیا جملہ انشائیہ تو اس کا حال بننا ممکن نہیں کیونکہ یہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ حال، ذوالحال سے خبر کے درجہ میں ہے اور خبر محکوم بہ ہوا کرتا ہے لہٰذا حال بھی محکوم بہ کے درجہ میں ہوگا اور جملہ انشائیہ محض بذریعہ تاویل ہی محکوم بہ ہونا ممکن ہے لہٰذا وہ حال نہیں ہوسکتا۔

وقد یحذف العامل لقیام قرینۃ۔ یعنی بعض اوقات حال کا عامل کسی قرینہ کے پائے جانے کی بنا پر حذف کردیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مسافر سے کہا جائے " سالماً غانماً " یعنی " ترجع سالماً غانماً " (سلامتی کے ساتھ کما کر واپس ہو)

فصل۔ التمییز هو نکرۃٌ تُذکر بعد مقدارٍ من عددٍ او کیلٍ او وزنٍ او مساحۃٍ او غیر ذٰلك مما فیه إبهامٌ ترفعُ ذٰلك الابهامَ نحو عندی عشرون درهما وقفیزان بُرًّا ومنوانِ سَمْنًا وجریبانِ قطنًا و علی التمرۃِ مثلُها زبدًا وقد یکونُ عن غیر مقدارٍ نحو هذا خاتمٌ حدیدًا وسوارٌ ذهبًا وفیه الخفضُ اکثر وقد یقعُ بعد الجملۃ لرفع الابهامِ عن نِسبتِها نحو طاب زیدٌ نفسًا او علمًا او ابًا **فصل** المستثنیٰ لفظٌ یُذکر بعد إلّا واخواتها لیُعلم انه لا یُنسبُ الیه ما نُسِبَ الیٰ ماقبلها وهو علیٰ قسمَینِ مُتصِلٌ وهو ما اُخرِج عن مُتعَدِّدٍ بإلّا وأخواتها نحو جاء فی القومُ الا زیدًا ومنقطِعٌ وهو المذکورُ بعد إلّا واخواتها غیر مُخرَج عن متعدد لعدم دُخولِه فی المستثنیٰ منه نحو جاء فی القومُ الا حمارًا **واعلم** اَنَّ اعراب المستثنیٰ علیٰ اربعۃِ اَقسامٍ فان کان متصلاً وقع بعد الا فی کلامٍ موجَبٍ، او مُنقطِعًا کما مرَّ او مُقدّمًا علی المستثنیٰ منه نحو ما جاء فی الا زیدًا احدٌ او کانَ بعد خلا وعدا عند الاکثر او بعد ما خلا وما عدا ولیس ولا یکونُ نحو جاء فی

القومُ خلا زیدًا الخ کان منصوبًا وان کان بعد اِلّا فی کلامٍ غیرِ موجَبٍ وھو کل کلامٍ یکونُ فیہ نفیٌ ونہیٌ واستفہامٌ والمستثنیٰ منہ مذکورٌ یجوزُ فیہ الوجہانِ النّصبُ والبدلُ عما قبلَہا نحو ماجاءنی اَحدٌ اِلّا زیدًا و اِلّا زیدٌ وان کان مُفرَّغًا بانْ یکونَ بعد الّا فی کلامٍ غیرِ موجَبٍ والمستثنیٰ منہُ غیر مذکورٍ کان اعرابُہ بحسب العوامِلِ تقولُ ماجاءنی الا زیدٌ وما رأیتُ الا زیدًا وما مررتُ الا بزیدٍ وان کان بعدَ غیر وسوٰی وسواءٍ وحاشا عند الاکثر کان مجرورًا نحو جاءنی القومُ غیرَ زیدٍ وسوٰی زیدٍ وسواءِ زیدٍ وحاشا زیدٍ **واعلم** انَّ اعرابَ غیر کاعراب المستثنیٰ بِاِلّا تقول جاءنی القومُ غیرَ زیدٍ وغیرَ حمارٍ وماجاءنی غیرُ زیدٍ ن القومُ وماجاءنی احدٌ غیرُ زیدٍ وغیرَ زیدٍ وماجاءنی غیرُ زیدٍ وما رأیتُ غیرَ زیدٍ وما مررتُ بغیرِ زیدٍ **واعلم** ان لفظۃَ غیر موضوعۃٌ للصفۃِ وقد تُستعمَلُ للصفۃ کما فی قولہ تعالیٰ ”لو کان فیہما اٰلہۃٌ اِلّا اللہُ لَفَسَدَتا“ ای غیرُ اللہِ وکذٰلِکَ قولُکَ لَا الٰہَ اِلَّا اللہُ

ترجمہ :- یہ فصل تمیز کے بیان میں ہے۔ تمیز ایسا اسم ہے جو عدد یا پیمانہ یا تول یا پیمائش وغیرہ ان چیزوں کے بعد بیان کیا جاتا ہے جن میں ابہام ہوتا ہے اور یہ اس ابہام کو دور کرتا ہے مثلاً عندی عشرون درہمًا وقفیزان برًّا ومنوان سمنًا وجریبان قطنًا وعلی التمرۃ مثلہا زبدًا“ (میرے پاس بیس دراہم، دو قفیز گندم، دو من گھی، دو جریب روئی اور کھجوروں پر ان کے بقدر مسکہ ہے) اور بعض اوقات تمیز مقدار کے علاوہ میں ہوتی ہے۔ مثلاً ”ہذا خاتمٌ حدیدًا وسوارٌ ذہبًا“ (یہ لوہے کی انگوٹھی اور سونے کے کنگن ہیں) اور تمیز ان لفظوں میں اکثر و بیشتر جرآیا کرتا ہے۔ اور بعض اوقات تمیز جملہ کے بعد جملہ کے ابہام کو دور کرنے کی خاطر آتی ہے مثلاً ”طاب زیدٌ نفسًا“ نفسًا او علمًا او ابًا (زید مسرور ہوا ذاتی طور پر یا بلحاظ علم یا باپ کے)

یہ فصل مستثنیٰ کے بیان میں ہے۔ مستثنیٰ اس طرح کا لفظ ہے جو اِلّا اور اس کے اخوات کے بعد بیان کیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی جانب اس چیز کی نسبت نہیں کی گئی جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل۔ مستثنیٰ متصل وہ ہے کہ اسے متعدد چیزوں سے الّا اور اس کے اخوات کے ذریعہ نکالا و مستثنیٰ کیا گیا ہو مثلاً جاءنی القوم الا زیدًا (میرے پاس قوم آئی مگر زید)

(۲) مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ الّا اور اس کے اخوات کے بعد بیان کیا گیا ہو اور متعدد چیزوں سے الگ

نہ کیا گیا اور نہ نکالا گیا ہو۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہ ہو مثلاً جاءنی القوم الاحماراً (میرے پاس قوم آئی مگر گدھا)۔ واضح رہے کہ مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسمیں ہیں پس اگر وہ مستثنیٰ متصل الاّ کے بعد کلام موجب میں آئے یا وہ مستثنیٰ منقطع میں آئے جیسے کہ گذرا یا وہ مستثنیٰ سے پہلے آئے مثلاً "ماجاءنی الا زیداً احدٌ" (میرے پاس کوئی نہیں آیا مگر تنہا زید) یا اکثر کے نزدیک یہ "خلا" اور "عدا" کے بعد آئے اور "ماخلا" "ماعدا" اور "لیس" اور "لایکون" کے بعد آئے مثلاً "جاءنی القوم خلا زیداً" تو اس صورت میں مستثنیٰ پر نصب آئیگا، اور اگر الاّ کے بعد کلام غیر موجب میں آئے اور وہ ہر ایسا کلام کہلاتا ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام ہو اور مستثنیٰ منہ ذکر کیا گیا ہو تو اس میں دو شکلیں جائز ہونگی (۱) نصب لانا (۲) ماقبل اسم سے بدلنا۔ مثلاً "ماجاءنی احد الا زیداً والا زیدٌ"۔ اور اگر مستثنیٰ مفرغ الاّ کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ ذکر نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں اس کا اعراب عوامل کے مطابق ہوگا۔ کہوگے "ماجاءنی الا زیدٌ وما رأیت الا زیداً وما مررت الا بزیدٍ" اور مستثنیٰ غیر، سوی، سواء، حاشا کے بعد ہونے کی صورت میں اکثر نحاۃ کے نزدیک مستثنیٰ مجرور ہوگا مثلاً "جاءنی القوم غیر زیدٍ وسوی زیدٍ وسواء زیدٍ وحاشا زیدٍ"

واضح رہے کہ لفظ غیر کا اعراب مستثنیٰ بالاّ کے اعراب کی طرح ہے۔ کہوگے "جاءنی القوم غیر زیدٍ وغیر حمارٍ وماجاءنی غیر زید القوم وماجاءنی احد غیر زید وغیرُ زید وماجاءنی غیر زیدٍ ومارأیت غیر زیدٍ ومامررت بغیر زیدٍ"

واضح رہے کہ لفظِ غیر، صفت کے لئے وضع کیا گیا ہے اور بعض اوقات استثنیٰ کے لئے بھی استعمال کریا جاتا ہے جیسے کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ "لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا" اے غیر اللہ اور اسی طریقہ سے تیرا قول "لا الٰہ الا اللہ"

تشریح التمییز۔ لغوی اعتبار سے یہ مصدر علیحدگی کرنے کے معنی میں آتا ہے اور اصطلاحی اعتبار سے وہی معنی ہیں جو صاحب کتاب نے بیان کئے ہیں۔ یعنی تمیز ایسا نکرہ ہے جو بعد مقدار بیان کیا جائے اس سے قطع نظر کہ اس مقدار کا تعلق عدد سے ہو یا پیمانہ یا وزن اور پیمائش سے یا ان کے علاوہ کچھ اور مراد ہو۔ البتہ ذکر کردہ چیز میں ابہام ضرور ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمیز ایسا اسم نکرہ کہلاتا ہے جو بذریعہ مقدار اس ابہام کو رفع کرے جو از روئے مقدار (وغیرہ) یعنی موضوع لہ میں جاگزیں ہوگیا ہو۔ صاحب کتاب کے قول "نکرہ" کے زمرہ میں سارے اسمائے نکرہ آگئے۔ ابہام کو رفع کرنے کی قید کے ذریعہ تین اشیاء اس تعریف سے نکل گئیں (۱) صفت لفظ مشترک (۲) صفت مبہم (۳) عطف بیان۔

ہو نکرۃ۔ نحاۃ بصرہ کے مسلک کے مطابق تمیز ہمیشہ اسم نکرہ ہی ہوا کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بذریعہ تمیز

رفع ابہام کا ارادہ کیا جاتا ہے اور اس کا حصول بذریعہ نکرہ ہی ہوتا ہے اور اس کی حیثیت اصل کی ہے۔ رہا اس کا معرفہ ہونا تو وہ ایک زائد چیز ہے۔

نحاۃ کوفہ کہتے ہیں کہ تمیز کا بذریعہ اضافت ولام تمیز کا معرفہ ہونا اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔

عندی عشرون درہما۔ یہ ایسی تمیز کی مثال بیان کی گئی جس کا تعلق مقدار عدد سے ہوتا ہو۔

وقفیزان برا۔ یہ ایسی تمیز کی مثال بیان کی گئی جو کیلی مقدار کے بعد ذکر کی گئی ہو۔

منوان سمنا۔ یہ ایسی تمیز کی مثال ذکر کی گئی جو وزن کی مقدار بیان کرنے کے بعد ذکر کیجائے۔ اور جریبان قطنا۔ ایسی تمیز کی مثال بیان کی گئی جو پیمائش کی مقدار کے بعد ذکر کی جائے۔ یہ ذکر کردہ ساری مثالیں ایسے اسم تام کی ہیں جو مع نون التثنیہ تام ومکمل ہوتا ہو۔

وعلی التمرۃ مثلہا زبدا۔ یہ مع الاضافہ اسم تام کی مثال بیان کی گئی۔

واضح رہے کہ تمیز خواہ مقدار سے یا اس کے علاوہ سے تمیز اسم مفرد سے ہوا کرتی ہے اور اسم مفرد تمیز کو منصوب کرتا ہے۔ بشرطیکہ اسم تام ہو۔ اسم تام سے مراد یہ ہے کہ اسم کا ایسا حال ہو کہ اس کے مفرد ہونے کی صورت میں کسی اور شئے کی جانب وہ مضاف نہ ہوسکے۔

عن غیر مقدار الخ یعنی جس طرح تمیز کے ذریعے مقدار سے رفع ابہام ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح غیر مقدار سے بھی یہ ابہام دور کردیتی ہے۔ غیر مقدار سے مقصود اس کا وزن، عدد، کیل و مقیاس نہونا ہے۔

وفیہ الخفض اکثر۔ یعنی اکثر وبیشتر ایسی تمیز جو غیر مقدار سے ہو اس پر جر آیا کرتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بذریعہ تمیز ابہام کو دور کرنا مقصود ہوا کرتا ہے اور رفع ابہام جر کی صورت میں مع التخفیف ہوتا ہے۔

وقد یقع بعد الجملۃ۔ تمیز بعد جملہ اس واسطے آتی ہے کہ جملہ میں نسبت کے اندر جو ابہام ہوا اُسے رفع کردے۔

طاب زید نفسا۔ یہ درحقیقت "طاب شئ منسوب الیٰ زید" تھا۔ یہاں "شئے" کو حذف کرتے ہوئے زید کو اس کی جگہ لے آئے۔

المستثنیٰ لفظ۔ اس کا اشتقاق "ثنی" سے جو منع اور صرف کے معنی میں آتا ہے۔ اسی طریقہ سے استثناء کے معنیٰ آتے ہیں۔ مستثنیٰ یہ دراصل استثناء سے اسم مفعول واقع ہوا ہے۔ اس جگہ صاحب کتاب اس کے اصطلاحی معنی ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مستثنیٰ وہ ہے جو الّا اور اس کے اخوات کے بعد بیان کیا جائے۔ صاحب کتاب نے یہاں اسم نہیں کہا بلکہ اس کی جگہ "لفظ" لائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لفظ لانے سے اس تعریف میں جملے کو بھی شامل کرنا مقصود ہے اسلئے کہ بعض اوقات جملہ مستثنیٰ بھی آیا کرتا ہے اخوات سے مقصود دیگر حروف استثناء" خلا، عدا، ماخلا، ماعدا، لیس اور لایکون" ہیں

وہو ما اخرج عن متعدد الخ مستثنیٰ متصل اسے کہا جاتا ہے جسے الّا اور اس کے اخوات کے ذریعہ متعدد

شے سے نکالیں چاہے وہ شے متعدد جس کا دوسرا نام مستثنیٰ منہ ہے لفظوں میں ذکر کی جائے یا وہ مقدر و پوشیدہ ہو۔ اس مستثنیٰ کی مثال جو لفظوں میں بیان ہو یہ ہے " جائنی القوم الا زیدًا" اور اس مستثنیٰ کی مثال جو لفظوں میں مذکور نہ ہو بلکہ مقدر و پوشیدہ ہو یہ ہے " ماجارنی الا زیدًا"

ومنقطع وھوالمذکور۔ مستثنیٰ منقطع اسے کہا جاتا ہے کہ جسے الا اور اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا جائے اور اسے متعدد اشیار سے نکالا نہ جائے اس سے قطع نظر کہ وہ جنس متعدد کے زمرے سے ہو یا اس کے زمرے میں نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ منقطع استثنار میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے خارج ہی ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر " ماجائنی القوم الا حمارًا "

فان کان متصلاً وقع بعد الا الخ یعنی مستثنیٰ اگر کلام موجب میں بعد الا آرہا ہو تو اس صورت میں واجب ہوگا کہ مستثنیٰ پر نصب آئے۔ کلام موجب اسے کہا جاتا ہے جو نفی، نہی اور استفہام سے خالی ہو مثال کے طور پر کہا جائے " جارنی القوم الا زیدًا " اس موقعہ پر مستثنیٰ پر نصب لازمی طور پر آئے گا سبب یہ ہے کہ یہاں اندرون مستثنیٰ احتمال بدل موجود نہیں پس سوائے اس کے کوئی اور شکل نہیں کہ اس پر نصب آئے۔

او منقطعا۔ یعنی مستثنیٰ کے منقطع ہونے کی صورت میں بھی یہ واجب ہوگا کہ مستثنیٰ پر نصب آئے مثال کے طور پر کہا جائے " باقی الدار احد الا حمارًا "۔ اکثر و بیشتر نحاۃ یہی کہتے ہیں۔

او مقدمًا علی المستثنیٰ منہ۔ یعنی مستثنیٰ کے مستثنیٰ منہ سے مقدم ہونے کی صورت میں چاہے وہ کلام موجب ہو یا موجب نہ ہو بہر صورت مستثنیٰ پر نصب لانا واجب ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جائے " ماجارنی الا زیدًا احدٌ۔ " وجہ یہ ہے کہ یہاں احتمال بدل موجود نہیں اسلئے کہ بدل قاعدہ کے مطابق مبدل منہ سے پہلے نہیں آیا کرتا لہٰذا نصب لانا واجب ہوگا۔

او کان بعد خلا و عدا عند الاکثر۔ بعض نحاۃ خلا اور عدا کو حروف جر میں شمار کرتے ہیں تو ان نحویوں کے قول کے اعتبار سے خلا و عدا کے بعد آنے والا مستثنیٰ مجرور ہوگا۔ لیکن اکثر و بیشتر اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ خلا و عدا حروف جر میں سے نہیں اور ان کے حروف جر میں سے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر ما مصدریہ آتا ہے اور ما مصدریہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ فعل پر آیا کرتا ہے لہٰذا یہ دونوں فعل ہوئے اور فاعل کی ضمیر کے ساتھ مل کر اپنے بعد میں آنے والے کو اس کے مفعول ہونے کی بنا پر نصب دیدیتے ہیں مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " جارنی القوم خلا زیدًا "

ولیس ولایکون۔ یعنی جس طریقہ سے مستثنیٰ پر ما خلا اور ما عدا کے بعد نصب لانا ضروری ہے۔ اسی طریقہ سے لیس ولایکون کے بعد ضروری ہوگا کہ مستثنیٰ پر نصب لایا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا شمار افعالِ ناقصہ میں ہے اور افعالِ ناقصہ خبر کو منصوب کرتے ہیں۔

النصب والبدل ۔ یعنی مستثنیٰ کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں یہ درست ہے کہ استثناء کی بناء پر نصب لایا جائے ۔ اور بدل کے مختار ہونے کا سبب یہ ہے کہ بصورتِ بدل تو فی الحقیقت بالاصالت اعراب آئے گا کیونکہ بدل کا حکم عامل کے مکرر آنے کا سا ہے ۔ اس کے برعکس مستثنیٰ کا منصوب ہونا وہ مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی بناء پر ہوتا ہے ۔

کان اعرابہ بحسب العوامل ۔ یعنی مستثنیٰ پر آنے والا عامل کے تقاضے کے مطابق ہوتا ہے جیسا عامل ہوگا ایسا ہی اس کا اعراب ہوگا، بشرطیکہ مستثنیٰ منہ کلام کے اندر بیان نہ کیا گیا ہو علاوہ ازیں مستثنیٰ کا آنا غیر موجب کلام میں ہو ۔

ایک اشکال کا جواب

اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ ذکر کردہ شکل میں اعراب کے عامل کے مطابق آنے کی کیا دلیل اور کیا ثبوت ہے ۔ ؟

اس کا جواب دیا گیا کہ مستثنیٰ منہ کے ذکر نہ کئے جانے کی بناء پر فعل مستثنیٰ منہ کے مذکور نہ ہونے کے باعث بغیر عامل ہی کے رہ جائیگا ۔ اور اس صورت میں اس کے سامنے جو شے ہوگی اس میں عامل ہوگا ۔ البتہ اِلاّ کے حرف ہونے کی بناء پر اس میں کوئی عمل نہیں ہوگا ، تو اس صورت میں لازمی طور پر اس کا عمل اِلاّ کے مابعد میں ہوگا اور اس کا اعراب عوامل کے مطابق ہی ہوگا ۔

کان مجرورًا الخ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مستثنیٰ " غیر " سویٰ ، سواء اور حاشا " کے بعد آئے تو وہ مع اضافت مجرور ہو جائے گا ۔ اکثر و بیشتر نحاۃ کہتے ہیں کہ بعد " حاشا " بھی مستثنیٰ مجرور ہوا کرتا ہے ۔ سبب یہ ہے کہ وہ خبر دینے والا حرف ہے ۔ بعض نحاۃ فرماتے ہیں کہ بعد حاشا مستثنیٰ مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہوا کرتا ہے اور وہ حاشا کے فعل متعدی ہونے کے مدعی ہیں اور یہ کہ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ہے ۔

واعلم ان لفظۃ غیر ۔ یعنی لفظ " غیر " میں اصل اس کا صفت ہونا ہے ۔ مثال کے طور پر کہا جائے " جاء نی رجل غیر عمرو " یہ بکثرت اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے ۔ مگر بعض اوقات " غیر " کو " اِلاّ " پر حمل کرتے ہوئے بطور استثناء بھی یہ مستعمل ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر کہا جائے " جاء نی القوم غیر عمرو " اس جگہ صفت کا لانا دشوار ہے کیونکہ صفت و موصوف کے درمیان شرط یہ ہے کہ معرفہ و نکرہ ہونے کے اعتبار سے مطابقت ہو اور یہاں صورت یہ ہے کہ لفظ " قوم " تو معرفہ ہے اور لفظ " غیر " کی اضافت معرفہ کی جانب ضرور ہے لیکن زیادہ ابہام کے باعث نکرہ کے زمرے میں داخل ہے ۔

اس کے برعکس اِلاّ کا معاملہ ہے کہ اس میں اصل درحقیقت یہی ہے کہ اسے استثناء کے لئے استعمال کیا جائے البتہ بعض اوقات اسے لفظ " غیر " پر محمول کرتے ہوئے صفت قرار دیتے ہیں ۔ جیسے " لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا " ای غیر اللہ ۔

علاوہ ازیں اِلاّ بمعنی غیر صفت اس وقت مستعمل ہوگا جبکہ اِلاّ اس طرح کی جمع کے بعد آئے جو کہ نکرہ واقع

ہو نیز اس کے افراد شمار کردہ نہ ہوں اور غیر معین ہوں۔ آیت مذکورہ میں توحید کے معنیٰ کا حصول اسی صورت میں ہوگا جبکہ "الّا" غیر کے معنی میں ہو۔

فصلٌ خبر کانَ واَخَواتِہا ھو المسندُ بعدَ دُخولِہا نحو کانَ زیدٌ قائِمًا وحکمُہ کحکمِ خبرِ المبتدأ الا اَنَّہٗ یجوزُ تقدیمُہٗ علیٰ اَسمائِہا مَعَ کونِہٖ مَعْرِفۃً بخلافِ خَبرِ المبتدأ نحو کانَ القائمُ زیدٌ **فصل** اسمُ اِنَّ واَخواتِہا ھُوَ المُسنَدُ الیہ بَعدَ دُخُولِہا نحو اِنَّ زیدًا قائِمٌ۔

ترجمہ :۔ یہ فصل کان کی خبر اور اس کے اخوات کے بیان میں ہے۔ وہ کانَ وغیرہ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ مثلاً "کان زید قائمًا" اور اس کا حکم مبتدا کی خبر کا سا ہے البتہ اس کے معرفہ ہونے کے باوجود اسے اس کے اسماء سے پہلے لانا درست ہے (اس معاملہ میں اس کا حکم) مبتدا کی خبر کے خلاف (اور اس سے الگ) ہے۔ مثلاً "کان القائم زیدٌ"
یہ فصل اِنّ اور اس کے اخوات کے بیان میں ہے۔ اور وہ اسم اِنّ کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے۔ مثلاً "اِن زیدًا قائمٌ"

تشریح

خبر کان واخواتہا۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کان اور اس کے نظائر کی خبر وہ کہلاتی ہے جو کان یا اس کے اخوات کے آنے کے بعد مسند ہو۔ اس تعریف میں یہ اشکال کیا گیا کہ ذکر کردہ کے ذریعہ غیر کا اس تعریف میں داخل ہونا ممنوع نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ مثال کے طور پر "کان خالدٌ ابوہ قائمٌ"، قائم کو دیکھا جائے تو اس پر یہ تعریف صادق آرہی ہے جبکہ وہ خبر کان واقع نہیں ہوا۔
اس کا جواب دیا گیا کہ دونوں سے مقصود اثر رسانی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اثر رسانی لفظی (۲) اثر رسانی معنوی۔ لفظی اثر کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اس کے باعث اسم پر رفع آئے اور خبر پر نصب۔ اور معنوی کا مطلب یہ ہے کہ خبر برائے اسم ثابت کی جائے تو یہاں دیکھا جائے تو "قیام اب" خالد کے واسطے ثابت ہو رہا ہے نہ کہ محض قیام۔ تو کانَ دراصل "قیامِ اب" پر آئے گا محض قیام پر نہیں کہ اس تعریف کے ٹوٹنے کا دعویٰ کیا جائے۔
وحکمہ۔ یعنی قسموں، شرطوں اور احکام کا جہاں تک تعلق ہے "خبر کان" کا حکم خبر مبتدا کا سا ہے۔
الا انہ یجوز تقدیمہ الخ۔ یعنی خبر کان اور خبر مبتدا میں حکم کے اعتبار سے محض ایک جگہ فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ خبر مبتدا کے معرفہ ہونے کی صورت میں اسے مبتدا سے پہلے لانا جائز نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسا کرنے پر التباس کا لزوم ہوگا۔ اس کے برعکس خبر کان خواہ معرفہ ہو تب بھی اسے اس کے اسم سے پہلے لانا درست ہے

وجہ یہ ہے کہ دونوں کا اعراب مختلف اور ایک دوسرے سے الگ ہونے کے باعث پہلے لانے کی صورت میں التباس کا اندیشہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر ایسا ہو کہ اسم کان اور خبر کان، نہ اعراب کا فرق رہے اور نہ قرینہ موجود ہو کہ جس کے ذریعہ دونوں کی الگ الگ شناخت ہوسکے۔ تو اس صورت میں التباس کی بنار پر اس جگہ بھی اسم پر مقدم کرنا درست نہ ہوگا۔

اسم انّ واخواتہا۔ انّ اور اس کے نظائر کے اسم کا شمار منصوبات میں ہوتا ہے۔ اور ان کے آنے کے بعد اسم مسندالیہ ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر " اِنّ زیداً قائمٌ " ۔

فصل المنصوب بلا التی لنفی الجنس هو المسندُ الیه بعد دخولها یلیها نکرةٌ مُضافةٌ نحو لا غُلامَ رجُلٍ فی الدار او مشابهًا لها نحو لا عشرین درهمًا فی الکیس فان کان بعد لا نکرةٌ مفردة تُبنیٰ علی الفتح نحو لا رجلَ فی الدار وان کان معرفةً او نکرةٌ مفصولًا بینه وبین لا کان مرفوعًا ویجب تکریر لا مع اسمٍ اٰخر تقولُ لا زیدٌ فی الدار ولا عمرو ولا فیها رجُلٌ ولا امرأةٌ ویجوزُ فی مثل لا حولَ ولا قوةَ إلّا باللهِ خمسةُ اَوجُهٍ فتحُهما، ورفعُهما وفتح الاول ونصب الثانی وفتح الاول ورفع الثانی ورفعُ الاول وفتحُ الثانی وقد یُحذفُ اِسمُ لا لقرینةٍ نحو لا علیكَ ای لا باسَ علیكَ

ترجمہ: یہ فصل اس اسم کے بیان میں ہے جس پر ایسے لا کے ذریعہ نصب آیا جو نفی جنس کے واسطے آتا ہے۔ وہ اس کے آنے کے بعد مسندالیہ ہوتا ہے اور یہ اسم ایسے نکرہ سے ملا ہوا ہو جس کی اضافت کی گئی ہو مثلاً " لا غلام رجلٍ فی الدار " یا اس کے مشابہ سے ملا ہوا ہو مثلاً " لا عشرین درہماً فی الکیس " (تھیلی میں بیس درہم نہیں)۔ اگر لا کے بعد نکرہ مفرد آرہا ہو تو یہ مبنی علی الفتح ہوگا۔ مثلاً " لا رجل فی الدار " اور اگر وہ معرفہ ہو یا اس طرح کا نکرہ ہو کہ اس کے اور لا کے بیچ میں فصل واقع ہو تو اس صورت میں جس پر یہ لا آرہا ہے وہ مرفوع ہوگا اور لا کے دوسرے اسم کے ساتھ مکرر لانا ہوگا۔ کہو گے " لا زیدٌ فی الدار ولا عمرو، ولا فیہا رجلٌ ولا امرأةٌ " اور " لا حول ولا قوة الا باللہ " کے مانند میں پانچ شکلیں درست ہیں (۱) دونوں کا مفتوح ہونا (۲) دونوں کا مرفوع ہونا (۳) اول کا مفتوح اور دوسرے کا منصوب ہونا (۴) اول کا مفتوح اور دوسرے کا مرفوع ہونا (۵) اول کا مرفوع اور دوسرے کا مفتوح ہونا۔ اور بعض اوقات لا کا اسم قرینہ کی موجودگی کی بنار پر حذف کردیا جاتا ہے مثلاً لا علیک ای لا باس علیک۔

تشریح ہوالمسند الیہ بعد دخولہا ۔ یعنی ایسا اسم کہلاتا ہے جوایک تو یہ کہ لآ کے آنے کے بعد مسند الیہ واقع ہو۔ نیز لآ کے بعد بغیر کسی فصل کے آئے ۔ علاوہ ازیں یہ مسند الیہ یا تو ایسا نکرہ ہو جس کی اضافت کردی گئی ہو یا یہ مضاف کے مشابہ واقع ہو۔ اس ذکر کردہ تعریف میں " بعد دخولہا " کی قید کے ذریعے سارے مسند الیہ نکل گئے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی لآ کے ان پر آنے کے بعد مسند الیہ نہیں ہوتا۔ لائے نفی جنس کی اسم کی تعریف کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو محض اسی قدر کافی تھا مگر کیونکہ مقصد دراصل ایسے اسم کا ذکر ہے جس پر کہ نصب آتا ہے۔ اس بنا پر "یلیہا نکرۃ" کی قید بڑھائی ۔

فان کان بعد لانکرۃ مفردۃ ۔ یعنی لآ کے اسم کے نکرہ مفرد ہونے کی صورت میں وہ مبنی علی الفتح قرار دیا جائے گا۔ اس جگہ مفرد سے مقصود اس کا مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہونا ہے ۔

وان کان معرفۃً ۔ اور اگر ایسا ہو کہ نکرہ ہونے کی شرط باقی نہ رہے اور اسم لا معرفہ واقع ہو یا شرط اتصال ختم ہوگئی ہو اور اسم اور لآ کے بیچ فصل واقع ہو جائے اس سے قطع نظر کہ مضاف یا مضاف کے مشابہ ہو۔ یہ شرط برقرار ہو یا ختم ہوگئی ہو تو اس صورت میں لآ کے اسم پر ابتدا کے باعث رفع آئے گا۔ اور یہ واجب ہوگا کہ لآ اسم سمیت مکرر آئے ۔

ویجوز فی مثل لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ یعنی اس میں پانچ شکلیں درست ہیں یہاں مثل "لاحول ولا قوۃ" سے مقصود ایسی ترکیب ہے کہ جس میں لا عطف کے طور پر مکرر آیا ہو اور لا کے بعد ایسا نکرہ آیا ہو کہ درمیان میں فصل واقع نہ ہو۔

فتحہما ۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ دونوں پر فتحہ ہو اور ان میں سے ہر ایک میں آنے والا لآ نفئ جنس کا ہو۔

رفعہما ۔ دوسری شکل یہ ہے کہ دونوں پر ابتداء کے باعث رفع آئے اور اس شکل میں یہ بھی جائز ہوگا کہ انھیں ایک جملہ بنایا جائے اور یہ بھی درست ہوگا کہ دو جملے بنائے جائیں ۔

و رفع الاول ونصب الثانی ۔ یہ تیسرا سبب بیان کیا گیا کہ اس میں پہلا منصوب اور دوسرا مفتوح پڑھا جائیگا اس صورت میں یہ پہلا لآ نفئ جنس کا ہوگا اور دوسرا لآ زائدہ برائے تاکید نفی ہوگا اور لفظ "قوۃ" "حول" پر معطوف ہوگا۔ اس شکل میں بھی دونوں خبروں کے مقدر و پوشیدہ ہونے کی صورت میں یہ دو جملے قرار دئے جائیں گے اور ایک خبر کے مقدر و پوشیدہ ہونے پر ایک ہی جملہ شمار ہوگا۔

فتح الاول ورفع الثانی ۔ یہاں پہلا لا نفئ جنس کا ہونے کی بنا پر مفتوح ہوگا اور رہا دوسرا لا وہ زائدہ ہونے اور وہ محل اول پر معطوف ہونے اور ابتدا کے باعث مرفوع ہوگا۔ پھر دونوں کی خبر ایک تسلیم کرنے کی صورت میں عطف مفرد علی المفرد اور دو خبریں ہونے کی صورت میں عطف جملہ علی الجملہ ہوگا۔

ورفع الاول و فتح الثانی ۔ یہ سبب پنجم ہے ۔ اس میں اول کا مرفوع ہونا لآ کے لیس کے معنی میں ہونے کی بنا پر ہے ۔ اور دوسرے لآ کے مفتوح ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ نفئ جنس کا ہے ۔ یہ کمزور ضعیف

شکل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس لا کا عمل جو لیس کے معنی میں ہو بہت کم ہے یعنی "لاحول ولاقوۃ الاباللہ" مذکورہ ترتیب کو ایک جملہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ لائے نفی جنس کی خبر کا جہاں تک تعلق ہے وہ مرفوع ہوا کرتی ہے اور اس لا کی خبر جو لیس کے مشابہ ہو منصوب ہوا کرتی ہے، لہٰذا عطف مفرد علی المفرد کی صورت میں اگر دونوں کی ایک خبر مقدم پوشیدہ تسلیم کی جائے تو ایک اسم کا ایک ہی وقت میں اعراب مختلفہ کے ساتھ معرب ہونے کا لزوم ہوگا اور ایسا ناممکن ہے تو دونوں کے ایک جملہ بنانے کو بھی ناممکن قرار دیا جائے گا۔ پس اگر اول کو ابتداء کے باعث مرفوع مانا جائے تو اسے ضعیف قرار نہ دیں گے، اور ایک جملہ بنا لینا درست ہوگا۔

وقد یحذف اسم لا لقرینۃ الخ یعنی لائے نفی جنس کے اسم کو مثلاً "لا علیک" میں معنیٔ عموم میں اضافہ کی خاطر اکثر و بیشتر حذف کر دیتے ہیں تو ذکر کردہ مثال میں "لا علیک" دراصل "لا باس علیک" تھا۔ لا کا اسم یہاں حذف کر دیا۔ "لا علیک" سے مقصود درحقیقت وہ ہے کہ جس میں لا کے اسم کے حذف ہونے کا کوئی قرینہ موجود ہو جیسے کہ اس ذکر کردہ مثال میں قرینہ موجود ہے کہ یہاں لا کا حرف پر آنا معلوم ہو رہا ہے حالانکہ از روئے قاعدہ لا حرف پر نہیں آیا کرتا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس جگہ لا کا اسم حذف کر دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ "قد یحذف" میں جو "قد" آیا ہے وہ برائے تقلیل نہیں ہے۔

فصل خبر ما ولا المشبّھتین بلیس ھو المسند بعد دخولھما نحو ما زیدٌ قائمًا ولا رجلٌ حاضرًا وان وقع الخبر بعد الا نحو ما زیدٌ الّا قائم او تقدّم الخبر علی الاسم نحو ما قائم زیدٌ او زیدت اِن بعد مَا نحو ما اِن زیدٌ قائمٌ بَطَل العَمَلُ کما رأیتَ فی الاَمثلۃِ وھٰذہٖ لغۃ اھلِ الحِجاز امّا بنو تمیم فلا یعملونھما اصلًا قال الشاعِرُ عَن لسانِ بنی تمیمٍ۔

شعر وَمُھَفْھَفٍ کَالغُصْنِ قلتُ لَہٗ انتَسِبْ ۞ فاجابَ ماقتلُ المحبِّ حَرَامُ۔

برفع حرام

ترجمہ:۔ یہ فصل اس ما ولا کی خبر کے بیان میں ہے جو لیس کے مشابہ ہوں۔ وہ ان میں سے کسی ایک کے آنے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ مثلاً ما زید الا قائم۔ یا خبر اسم سے پہلے آئے مثلاً "ما قائمٌ زیدٌ" یا ما کے بعد اِن کا اضافہ ہو مثلاً "ما ان زیدٌ قائمٌ" تو ما کا عمل باطل و کالعدم ہو جائیگا جیسا کہ ان ذکر کردہ مثالوں میں مشاہدہ کیا۔ یہ اہل حجاز کی لغت کے مطابق ہے۔ رہے بنو تمیم تو وہ سرے سے ما و لا کو عامل ہی قرار نہیں دیتے۔ شاعر نے بنو تمیم کی لغت میں کہا ومھفھف کالغصن قلت لہ انتسب ۞ فاجاب ماقتل المحب حرام۔ (شاخ جیسی پتلی کمر والے سے میں نے ملاقات کر کے کہا۔ اپنا

نسب بیان کر۔ اس نے جواب دیا۔ دوست کا قتل کر دینا حرام نہیں)۔ حرامٌ میم کے رفع کے ساتھ۔

تشریح

وان وقع الخبر بعد الّا الخ۔ اگر خبر بعد الّا آ رہی ہو یعنی نفی کے معنیٰ الّا کے واسطہ سے ٹوٹ جائیں تو اس صورت میں مَا کا عمل کالعدم ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر یہ کہا جائے مازیدٌ الّا قائمٌ۔ وجہ یہ ہے کہ مَا کا عمل تو لیس کے مشابہ ہونے کی بنار پر ہوتا ہے اور یہ مشابہت اسوقت تک برقرار رہتی ہے کہ وہ معنیٰ نفی اور جملہ پر آئے۔ پھر معنی نفی ختم ہوگئے تو اس صورت میں مشابہت برقرار نہ رہنے کے باعث اس کا عمل بھی باقی نہ رہیگا۔

اوتقدم الخبر علی الاسم۔ اور خبر کے اسم سے پہلے آنے کی صورت میں مَا کا عمل اس کے ضعیف عامل ہونے کی بناء پر ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ترتیب کے باقی رہنے کی صورت میں عمل کرتا اور ترتیب بدل گئی تو اس کا عمل بھی باقی نہ رہا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "ماقائمٌ زیدٌ"

اوزیدت ان بعد ما۔ یعنی مَا کے بعد اگر اِنْ کا اضافہ ہو تو اس صورت میں بھی مَا کا عمل باقی نہ رہیگا۔ وجہ وہی ہے کہ مَا ضعیف عامل ہے لہذا مَا اور مَا کے معمول کے بیچ میں فصل واقع ہونے کی بنار پر اس کا عمل برقرار نہ رہا۔ مثلاً کہا جائے "ماان زیدٌ قائمٌ"، یہاں صرف مَا کے متعلق بیان کرنے اور لَا کو چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ نحاۃ کے نزدیک اِنْ کا لَا پر اضافہ صحیح نہیں۔ نحاۃ بصرہ تو اس اِنْ کو زائد کہتے ہیں اور نحاۃ کوفہ اسے نافیہ مؤکدہ قرار دیتے ہیں کہ یہ پہلی نفی کو موکد کرتا ہے۔

بطل العمل۔ یعنی اوپر ذکر کردہ تینوں شکلوں میں اس کا عمل کالعدم ہو جائے گا۔

وہذا لغۃ اہل الحجاز۔ یعنی ما ولا کی خبر واسم کے بارے میں یہ تفصیل اہل حجاز کی لغت کے اعتبار سے ہے ورنہ جہاں تک بنو تمیم کی لغت کا تعلق ہے تو مَا ولَا ان کی لغت کے اعتبار سے عامل ہی نہیں ہوتے۔

مہفہف نازک کمر والا۔ پتلے پیٹ والا۔ کہا جاتا ہے "جاریۃٌ مہفہفۃٌ" (پتلی کمر والی لڑکی)

انتسب۔ امر کا صیغہ انتساب سے۔ یعنی اپنا نسب بیان کر۔ صاحب کتاب نے یہ شعر اس بات کے استدلال میں پیش فرمایا کہ مَا جو لیس کے مشابہ ہو بنو تمیم کی لغت میں عامل نہیں ہوتا اسلئے کہ یہاں مَا کا مابعد مبتدا ہونے کے باعث مرفوع واقع ہوا۔ اور "حرام" خبر ہونے کے باعث مرفوع ہوا۔

المقصدُ الثالثُ فی المجروراتِ الاسماءُ المجرورۃُ ہیَ المضافُ الیہِ فقط وھو کلُّ اسمٍ نُسِبَ الیہ شیٌٔ بواسطۃِ حرفِ الجرِّ لفظًا نحو مررتُ بزیدٍ ویُعبَّرُ عنْ ھٰذا التركيبِ فی الاصطلاحِ بانّہٗ جارٌّ ومجرورٌ اوتقدیرًا نحو غلامُ زیدٍ تقدیرہٗ غلامٌ لزیدٍ ویُعبَّرُ عنہ فی الاصطلاحِ بانّہٗ مضافٌ ومُضافٌ الیہ ویجبُ تجریدُ المضافِ عنِ التنوینِ اومایقومُ مقامہٗ وھو نونُ التثنیۃِ والجمعِ

نحو جاءنی غلامُ زیدٍ وغُلاما زیدٍ ومسلموْ مصرٍ **واعلم** انّ الاضافةَ علی قسمین معنویّةٌ ولفظیّةٌ امّا المعنویّةُ فهی ان یکونَ المضافُ غیرَ صفةٍ مضافةٍ الی معمولِها وهی امّا بمعنی اللامِ نحو غلامُ زیدٍ اوبمعنی من نحو خاتمُ فضةٍ او بمعنی فی نحو صلوةُ اللیلِ وفائدةُ هذهِ الاضافةِ تعریفُ المضافِ اِن اُضیف الی معرفةٍ کما مرّ اوتخصیصُهُ اِن اُضیفَ الی نکرةٍ کغلامِ رجلٍ وامّا اللفظیّةُ فهی اَنْ یکونَ المضافُ صفةً مضافةً الی معمولِها وهی فی تقدیرِ الانفصالِ نحو ضاربُ زیدٍ وحَسَنُ الوجہِ وفائدتُها تخفیفٌ فی اللفظ فقط **واعلم** انّکَ اذا اَضَفتَ الاسمَ الصحیحَ اوالجاریَ مجری الصحیحِ الی یاءِ المتکلّمِ کَسَرْتَ اٰخِرَہٗ واَسْکَنْتَ الیاءَ اوفتحتَها کغلامِیَ ودلوِیَ وظبیِیَ وِاِن کان اٰخِرُ الاسم الفًا تثبتُ کعصایَ ورحایَ خلافًا للھذیلِ کعصیَّ ورحیَّ وان کان اٰخرُ الاسم یاءً مکسورًا ما قبلَها اُدغمتِ الیاءُ فی الیاءِ وفتحتَ الیاءَ الثانیةَ لئلّا یلتقیَ الساکنانِ تقول فی قاضِیْ قاضِیَّ وان کان اٰخرہٗ واوًا مضمومًا ماقبلَها قلبتَها یاءً وعملتَ کما عملتَ الاٰنَ تقولُ جاءنی مُسلِمِیَّ وفی الاسماءِ الستّةِ مُضافةً الی یاءِ المتکلّمِ تقولُ اخی وابی وحمی وھنی وفِیَ عند الاکثرِ وفمی عند قومٍ وذُوْ لا یضافُ الی مضمرٍ اصلًا وقولُ القائِلِ ع ” انما یَعْرِفُ ذَا الفضلِ مِنَ الناسِ ذَوُوْہُ “ شاذٌّ . واذا قطعتَ ھٰذِہِ الاسماءَ عن الاضافةِ قلتَ اخٌ وابٌ وحمٌ وھنٌ وفمٌ وذو لا یُقطعُ عن الاضافةِ البتة ھٰذا کلّہٗ بتقدیرِ حرفِ الجرِّ امّا ما یذکر فیه حرفُ الجرِّ لفظًا فسیاتیکَ فی القِسمِ الثالثِ اِن شاءَ اللّٰہُ تعالٰی .

ترجمہ:۔ مقصدِ سوم مجرورات کے ذکر میں. اسمائے مجرورہ وہ صرف مضاف الیہ ہوتے ہیں. اور وہ ہر ایسا اسم کہلاتا ہے کہ اس کی جانب کسی چیز کی نسبت حرف جر کے واسطے سے کی گئی ہو. لفظوں میں. مثلاً مررتُ بزیدٍ. اصطلاح میں اس ترکیب کی تعبیر جار مجرور سے کی جاتی ہے. یا تقدیراً (پوشیدہ) مثلاً ”غلامُ زیدٍ“ یہ اصل غلامٌ لزیدٍ ہے. اصطلاحاً اسے مضاف اور مضاف الیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مضاف کا تنوین سے خالی ہونا (اس پر تنوین نہ آنا) یا وہ جو تنوین کے قائم مقام ہو اس سے مضاف کا خالی ہونا واجب ہے اور تنوین کا قائم مقام نونِ تثنیہ اور نون جمع ہے. مثلاً جاءنی غلامُ زیدٍ و غلاما زیدٍ و مسلمو مصرٍ. اور واضح رہے کہ اضافت کی دو قسمیں ہیں (۱) اضافت معنویہ (۲) اضافت لفظیہ. معنویہ تو یہ ہے کہ مضاف (اور) صفت نہ الگ ہو جس کی اضافت اس کے معمول کی طرف کی گئی ہو. اور وہ یا تو بمعنی لام ہو مثلاً

" غلام زید " یا " من " کے معنی میں ہو مثلاً " خاتم فضۃ " یا " فی " کے معنی میں ہو مثلاً " صلوۃ اللیل "
اور اضافت کا فائدہ مضاف کی معرفہ کی جانب اضافت کی صورت میں اسے معرفہ بنا دینا ہے جیسا کہ گذر
چکا۔ یا نکرہ کی جانب اضافت کی صورت میں تخصیص پیدا کر دینا ہے جیسے " غلامُ رجلٍ " اور رہی اضافت
لفظیہ تو وہ یہ ہے کہ وہ مضاف ایسا اسم صفت ہو جس کی اضافت اس کے معمول کی طرف کی گئی ہو اور وہ
انفصال کی صورت میں مثلاً " ضاربُ زیدٍ " اور " حسنُ الوجہ " اندرونِ لفظ محض تخفیف کا فائدہ
دیتا ہے۔

اور واضح رہے کہ جب تم اسم صحیح یا قائم مقام صحیح اسم کی اضافت یائے متکلم کی جانب کرو گے تو اس
کے آخر کو کسرہ دو گے اور یا کو ساکن کرو گے یا فتحہ دو گے۔ مثلاً " غلامِیْ و دَلوِیْ و ظَبیِیْ۔ اور اسم کے
آخر الف ہونے کی صورت میں اسے باقی رکھا جائے گا۔ مثلاً عصایَ اور رحایَ۔ بنو ہذیل اس کے
خلاف " عصیَّ " اور " رحیَّ " کہتے ہیں۔ اور اسم کے اخیر میں یا ما قبل مکسور ہونے پر یا کا یا میں
ادغام کیا جائے گا۔ اور دوسری یا پر فتحہ لایا جائے گا تاکہ دو ساکن نہ ملیں۔ کہو گے " قاضیَّ " میں " قاضِیَّ "
اور اسم کے اخیر واؤ ما قبل مضموم ہونے کی صورت میں اسے یا سے بدلو اور عمل کرو جیسا اب تک
عمل کیا۔ کہو گے " جاء مسلمیَّ " اور ان چھ اسموں کی اضافت یائے متکلم کی جانب ہونے پر کہو گے :
" اخی ، ابی ، حمی ، ہنی اور فی " اکثر کے نزدیک اور " فمی " ایک گروہ کے نزدیک۔ اور ذو کی اضافت
ضمیر کی جانب قطعاً نہیں ہوتی۔ اور کہنے والے کا قول " انما یعرف ذاالفضل من الناس ذووہ " لوگوں میں
سے صاحب فضل ہی صاحب فضل کو پہچانتے ہیں۔ یہ شاذ کے درجہ میں ہے۔ اور ان اسماء کے
عدم اضافت کی صورت میں کہے گا " اخٌ ، ابٌ ، حمٌ ، ہنٌ ، فمٌ " البتہ ذو کی اضافت اسم جنس کی
طرف وہ برقرار رہتی ہے۔ یہ ساری تفصیل حرف جر کی تقدیر کی صورت میں ہے۔ رہا حرف جر کا لفظوں
میں آنا تو عنقریب ان شاء اللہ اس کی تفصیل قسم ثالث میں آئے گی۔

تشریح :- المقصد الثالث فی المجرورات الخ اس جگہ ایک اشکال یہ کیا گیا کہ مجرور تو محض مضاف الیہ ہے
اور تنہا ہے تو اصولی اعتبار سے " المجرورات " لانے کے بجائے موزوں یہ تھا کہ مفرد لاتے۔ جمع
لانے کا سبب کیا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ مجرور کی مختلف قسموں اور نوعوں کو دیکھتے ہوئے بجائے مفرد کے جمع لائے۔ مجرور لیا
اسم کہلاتا ہے جس میں علامت مضاف الیہ اس کے مضاف الیہ ہونے کے لحاظ سے پائی جائے اور علامت مضاف الیہ
جر کو قرار دیا گیا ہے اس سے قطع نظر کہ جر لفظاً ہو یا تقدیراً۔

ھو المضاف الیہ فقط پر اشکال | اس جگہ اشکال کیا گیا کہ اسمائے مجرور کی تعریف میں یہ حصر اپنی جگہ صحیح

نہیں معلوم ہوتا اسلئے کہ اسمائے مجرورہ کا مضاف الیہ کے علاوہ ہونا بھی مشاہد ہے۔ مثال کے طور پر "ضاربُ زیدٍ" کہ اس میں مجرور کا مضاف الیہ نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح "حسن الوجہ" ہے جمہور نحاۃ کے مسلک کے مطابق ان ذکر کردہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مجرور کا حصر فقط مضاف الیہ میں درست نہیں اور وہ اس کے علاوہ بھی ہوا کرتا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ مجرور اصلی درحقیقت مضاف الیہ ہی ہوا کرتا ہے۔ رہے مضاف الیہ کے علاوہ تو ان کا الحاق اس کے ساتھ ہوتا ہے وہ درحقیقت مجرور اصلی نہیں ہوتے۔ تو اس وضاحت کے مطابق صاحب کتاب کی عبارت کے معنی یہ ہوئے کہ اسمائے مجرورہ اصلیہ کا حصر مضاف الیہ میں ہے۔ اس کے ذریعے صاحب کتاب یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ مضاف الیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مضاف الیہ اصل (۲) ملحق مضاف الیہ۔ جس طرح کہ منصوب اور مرفوع کی دو قسمیں ہیں۔ رہا عبارت میں لفظ "فقط" تو یہ زیادہ آیا ہے اور کالعدم ہے اسلئے کہ حصر کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو ضمیر ہی سے سمجھ میں آرہا ہے۔

وھو کل اسم نسب الیہ الخ۔ یعنی ہر ایسا اسم مضاف الیہ کہلاتا ہے جس کی جانب کسی چیز کی نسبت حرف جر کے واسطے سے ہو اس سے قطع نظر کہ وہ حرف جر اندرون الفاظ ذکر کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر "مررتُ بزیدٍ"۔ اصطلاحی اعتبار سے اس ترکیب کی تعبیر جار مجرور سے کی جاتی ہے۔ یا لفظوں میں یہ ذکر نہ کیا گیا ہو لیکن اس کا اثر الفاظ میں برقرار رہا ہو۔ مثال کے طور پر "غلامُ زیدٍ" کہ یہ اصل کے اعتبار سے "غلامٌ لزیدٍ" تھا۔ تو اس جگہ لام پوشیدہ ضرور ہے لیکن الفاظ میں اس کا اثر برقرار ہے۔ اصطلاحاً اس کی تعبیر مضاف اور مضاف الیہ سے کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں "لفظاً وتقدیراً" حال واقع ہوئے ہیں اور ان کا ذوالحال حرف جر قرار دیا گیا ہے۔ اور ان میں عامل واسطہ کے معنی کو قرار دیا گیا۔

ویجب تجرید المضاف عن التنوین۔ یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ ایسی اضافت جو کہ حرف جر کو پوشیدہ مان کر ہو اس میں ایسے اسم کا ہونا ناگزیر ہے جس میں اضافت کے باعث نہ تنوین ہو اور نہ کوئی تنوین کا قائم مقام یعنی نونِ جمع اور نونِ تثنیہ۔

واعلم ان الاضافۃ علی قسمین۔ یعنی ایسی اضافت جس میں حرف جر پوشیدہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں (۱) معنویہ (۲) لفظیہ۔ معنویہ تو وہ اضافت کہلاتی ہے کہ اس میں ایسی صفت مضاف نہ ہو جو کہ اپنے معمول کی جانب مضاف ہو رہی ہو۔ یہاں پر صفت سے مقصود دراصل اسم تفضیل، صفتِ مشبہ، اسم فاعل اور اسم مفعول ہیں اور معمول سے مقصود فاعل ومفعول بہ لئے گئے۔

اما بمعنی اللام۔ لام کو پوشیدہ مان کر اضافتِ معنوی وہاں ہوا کرتی ہے جہاں پر مضاف الیہ نہ جنسِ مضاف میں سے ہو اور نہ وہ ظرفِ مضاف واقع ہوا ہو۔

او بمعنی من۔ مضاف الیہ کے جنسِ مضاف سے ہونے کی صورت میں جو اضافت ہوگی وہ مِنْ کے معنیٰ میں ہوگی

مثال کے طور پر "خاتم فضة" کہ یہ درحقیقت "خاتم من فضة" تھا۔ اس میں "مِن" پوشیدہ ہونے کے باعث اس اضافت کو اضافتِ مبنیہ کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام اضافتِ بیانیہ بھی ہے۔

او بمعنی فی۔ جہاں پر مضاف الیہ ظرفِ مضاف واقع ہو رہا ہو وہاں جو اضافت ہوگی وہ "فی" کے معنی میں ہوگی مثال کے طور پر "صلوٰۃ اللیل" کہ یہ درحقیقت "صلوٰۃ فی اللیل" تھا۔ اسے اضافتِ فیہ کہتے ہیں اور اس کا دوسرا نام اضافتِ ظرفیہ بھی ہے۔

وفائدۃ ہٰذہ الاضافۃ۔ اسم کی اضافت اگر معرفہ کی جانب ہو تو اس کے معرفہ ہونے کا فائدہ اور نکرہ کی جانب اضافت کی جائے تو اس سے تخصیص وقلتِ شرکت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ البتہ اس حکم کا نفاذ لفظ "غیر" اور اس جیسے الفاظ میں نہ ہوگا۔ کیونکہ زیادہ ابہام کے باعث معرفہ کی جانب ان کی اضافت کے باوجود یہ معرفہ نہیں ہوا کرتے۔

اما اللفظیۃ فہی ان یکون المضاف صفۃ۔ باعتبار الفاظ اضافت کی علامت یہ قرار دی گئی کہ صفت کی اضافت اپنے معمول کی جانب ہو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ معمول مفعول ہو یا وہ معمول فاعل ہو۔ مثال کے طور پر "ضارب زید" کہ اس جگہ صفت کی اضافت اپنے معمول یعنی مفعول کی جانب ہو رہی ہے اور مثال کے طور پر "حسن الوجہ" کہ اس مثال میں اضافتِ صفت فاعل کی جانب ہو رہی ہے۔

وفائدتہا تخفیف۔ یعنی باعتبار الفاظ اضافت کا صرف اس قدر فائدہ ہے کہ لفظوں میں اس کے ذریعہ تخفیف ہو جاتی ہے۔ نہ اس کے ذریعہ معرفہ بننے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی تخصیص کا۔ علاوہ ازیں بعض اوقات اس تخفیف کا وقوع محض مضاف ہی میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "ضاربُ زید کہ یہ درحقیقت "ضاربٌ زیدًا" تھا۔ اضافت کے باعث "ضاربٌ" کی تنوین گر گئی۔ اور بعض اوقات اس تخفیف کا ظہور محض مضاف الیہ میں ہوتا ہے یعنی ضمیر حذف ہو جاتی ہے۔ مثلاً "القائم الغلام" کہ یہ درحقیقت "القائم غلامُہ" تھا۔ یہاں "غلام" مضاف الیہ کی ضمیر کو محذوف کرکے "القائم" میں اسے مقدر مان کر "القائم" کی اضافت اس کی جانب کردی گئی۔ اس طرح مضاف الیہ میں تخفیف کا فائدہ ضرور حاصل ہوگیا اور بعض اوقات فائدۂ تخفیف کا ظہور مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "حسن الوجہ" کہ یہ اصل کے اعتبار سے "حسنٌ وجہہ" تھا یہاں اضافت کی بنا پر "حسنٌ" کی تنوین کو حذف کردیا گیا اور اس طرح "وجہہ" کی ضمیر کو حذف کیا گیا۔ نیز ضمیر کے بدلے معرفہ کا لام لے آئے۔

انک اذا اضفت الاسم الخ یعنی اس وقت کہ اسم صحیح یا وہ اسم جس کا الحاق اسم صحیح کے ساتھ ہوا ہو اس کی اضافت بجانب یائے متکلم ہونے کی صورت میں اسم کے اخیر حرف پر مناسبتِ یاء کے باعث کسرہ آئے گا۔ نحویوں کی اصطلاح میں اسم صحیح وہ کہلاتا ہے کہ جس کے اخیر میں حرفِ علت نہ آئے۔ مثال کے طور پر "خالد" اور ملحق بالصحیح وہ اسم کہلاتا ہے کہ جس کے اخیر میں یا تو واؤ ہو یا ایسی یاء جس کا ماقبل ساکن ہو۔ مثال کے طور پر ظبیٌ، دلوٌ۔

وان کان آخر الاسم الفا الخ۔ یعنی اگر ایسا اسم جس کی اضافت بجانب یائے متکلم ہو اس کے اخیر میں الف آرہا ہو تو اسے بدستور باقی رکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "عصایَ اور رحایَ" وجہ یہ ہے کہ یہاں بدت

کا سبب دراصل ثابت نہیں اس بنا پر اسے برقرار رکھا جائے گا۔

خلافاً للهذیل۔ بنو ہذیل اپنی لغت کے مطابق تثنیہ کے علاوہ الف یا کو یاء سے تبدیل کرکے اس کا ادغام یائے متکلم میں کردیتے ہیں مثال کے طور پر عصیّ کہ اس میں الف کو یاء سے بدل کر یا کا یا میں ادغام کردیا گیا۔

وان کان آخر الاسم یاءً الخ۔ اگر ایسا ہو کہ اسم کے اخیر میں ایسی یا آرہی ہو جس کی اضافت بجانب یائے متکلم ہو نیز اس کا ماقبل مکسور ہو تو ایسی یا کا یا میں ادغام کرتے ہوئے دوسری یاء پر فتحہ لائیں گے تاکہ دو ساکنوں کے یکجا ہونے کا لزوم نہ ہو۔

وان کان آخرہ واواً مضموماً ماقبلها۔ اور اسم کے اخیر میں ایسا واو آئے پر کہ جس کا ماقبل مضموم ہو اور اس کی بجانب متکلم اضافت ہو تو اسے یاء سے تبدیل کرکے یا کا یا میں ادغام کریں گے اور بسبب مناسبتِ یاء میم کا ضمہ کسرہ سے بدلا جائیگا اور دو ساکنوں کے یکجا ہونے سے احتراز کی خاطر یائے متکلم مفتوح ہو جائے گی۔

تقول اخی الخ۔ اصولی اعتبار سے "اخ اور اب" کی بجانب یائے متکلم اضافت کی صورت میں "اخی اور ابی" کہنا چاہیئے تھا۔ لیکن کیونکہ یہ دونوں کثرت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں تخفیف ہو اسلئے لام کلمہ جو حذف ہو کر نسیاً منسیاً کے درجہ میں پہنچ گیا ہے اسے بجانب یاء متکلم اضافت کرتے وقت نہیں لوٹائیں گے۔ مگر مبرّد دوسرے نحاۃ سے اس معاملہ میں الگ ہیں اور وہ بجانب یائے متکلم اضافت کے وقت "اخی" اور "ابی" کہتے ہیں۔ ان کی دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ثقیل کی ثقالت استعمال کی زیادتی کے باعث ختم ہو جاتی ہے۔

حمی وہنی۔ یعنی محذوف حرف کو واپس لائے بغیر بجانب یائے متکلم اضافت کی صورت میں محذوف ہی رکھینگے یہاں مبرد بھی جمہور نحاۃ کے ساتھ ہیں۔

وفی عند الاکثر۔ فوہ کو بجانب یائے متکلم اضافت کے وقت "فیّ" کہا جائے گا۔ اس میں ہا کو خلافِ قیاس حذف کردیا گیا تو اب بجائے یائے متکلم اضافت کے وقت محذوف کردہ حرف واپس نہ لائیں گے اور واؤ جو کہ اس کا عین کلمہ ہے اس کا یاء میں ادغام کرتے ہوئے فاکلمہ پر یا کی مناسبت کے باعث کسرہ لائیں گے اس طرح یہ فِیَّ ہوگیا۔ اکثر و بیشتر نحاۃ یہی کہتے ہیں۔ بعض نحویوں کے نزدیک اسے "فمی" بولنا چاہیئے۔

وذو لا یضاف الی مضمر الخ۔ اور اسمائے ستہ میں سے ذو کی اضافت بجانب ضمیر نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی وضع بجانبِ اسم جنس اضافت کی خاطر ہوئی ہے تو اس کی بجانبِ ضمیر اضافت اس کی وضع اصلی کے خلاف ہوگی۔

قول القائل، ایک اعتراض کا جواب

یہاں اشکال یہ کیا گیا کہ ذو کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ بجانب ضمیر اس کی اضافت نہیں ہوتی۔ اسلئے ذکر کردہ مصرعہ میں ذو کی بجانب ضمیر اضافت نظر آرہی ہے۔

صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذو کی بجانب ضمیر اضافت شاذ اور نہ ہونے کے درجہ

میں ہے اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے اعتراض کرنا اور اسے نظیر بنانا درست نہ ہوگا۔

واذا قطعت ہذہ الاسماء عن الاضافۃ الخ یعنی ذکر کردہ چھ اسماء میں سے پانچ کے عدم اضافت کی صورت میں ان پر اعراب حرکات کے ساتھ آئے گا مثلاً کہو گے۔ اَخٌ، اَبٌ، حَمٌ، ہَنٌ۔ البتہ ذو کا جہاں تک معاملہ ہے بجانب اسم جنس اس کی اضافت برقرار رہتی ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے گا "جاء نی رجلٌ ذو مالٍ" تو اس مثال میں مال اسم جنس ذو کے وسیلہ سے صفتِ رجلٌ واقع ہوا۔

ہذا کلہ بتقدیر حرف الجر الخ یعنی یہ ساری اضافت لفظی اور معنوی کی تفصیل حرف جر کے مقدر و پوشیدہ ہونے کی صورت میں ہے۔ رہی لفظوں میں حرف جر آنے پر کیا حکم ہوگا۔ اس کی تفصیل فرماتے ہیں کہ ان شاء اللہ قسم ثالث میں آئے گی۔

الخاتمۃ فی التوابع۔ اعلم انَّ التی مرَّتْ مِنَ الاسماءِ المعربۃ کان اعرابہا بالاصالۃ بان دخلتہا العوامِلُ من المرفوعاتِ والمنصوباتِ والمجروراتِ فقد یکونُ اعرابُ الاسم بتبعیۃِ ماقبلہ ویُسمّی التابع لانہ یتبع ماقبلہٗ فی الاعراب وھو کلُّ ثانٍ معرب باعراب سابقہٖ من جھۃٍ واحدۃٍ والتوابعُ خمسۃ اقسامٍ النّعت، والعَطفُ بالحروفِ والتّاکیدُ والبَدَل وعطفُ البیانِ

ترجمہ:۔ اس خاتمہ میں توابع کا ذکر ہے۔ واضح رہے اسمائے معربہ کے متعلق بیان کیا جا چکا کہ ان کا اعراب اصالتاً ہوتا ہے (بطور تابع ہونے کے نہیں) بایں طور کہ ان پر رفع دینے والے اور نصب دینے والے اور جر دینے والے عامل آئیں۔ بعض اوقات اعراب اسم اس چیز کے تابع ہوتا ہے جو کہ اس سے پہلے بیان کی گئی ہو اور اس اسم کو تابع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ وہ اعراب میں اپنے ماقبل کے تابع ہوتا ہے۔ اور وہ ہر معرب ثانی ہے اپنے سے پہلے اسم کے اعراب کے مطابق مقتضیٰ ایک ہونے کے لحاظ سے۔ توابع کی پانچ قسمیں ہیں (۱) نعت (۲) عطف مع الحروف (۳) تاکید (۴) بدل (۵) عطفِ بیان۔

تشریح

التوابع۔ یہ دراصل جمع تابعٌ ہے اور اسے وصف سے اسم کی جانب منتقل کیا گیا ہے۔

فقد یکون اعراب الاسم الخ یہاں دراصل یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے اعراب کی دو قسمیں ہیں (۱) اعراب بالاصالۃ (۲) اعراب بالتبعیۃ۔ اعراب بالاصالت کے معنی یہ ہیں کہ رفع و نصب و جر دینے والے عامل خود معرب اسماء پر آئیں۔ اور بالتبعیۃ کے معنی یہ ہیں کہ عامل ان معرب اسماء

پر نہ آئیں بلکہ ان اسماء سے پہلے جو اسم ہوں ان پر آئیں تو اس تفصیل کے مطابق بطور تابع جس اسم پر اعراب آئے گا وہ تابع کے نام سے موسوم ہوگا کیونکہ وہ اعراب میں اپنے سے پہلے اسم کی اقتدا کر رہا ہے۔

وہو کل ثان معرب بالاعراب الخ۔ اصطلاح نحاۃ میں تابع ہر اس ثانی کو کہا جاتا ہے جو باعتبار اعراب اپنے سے پہلے کلمے کے مطابق ہو اور اس کا اعراب اپنے سے پہلے کلمہ جیسا ہو۔ نیز دونوں کی جہت اعراب میں بھی یکسانیت ہو۔ مثال کے طور پر سابق کلمہ پر اعراب جہت فاعلیت کے اعتبار سے آئے تو کلمۂ دوم پر بھی اعراب ٹھیک اسی جہت سے آیا ہو۔ اور سابق کلمہ پر اعراب جہت مفعولیت سے آنے کی صورت میں کلمۂ دوم پر بھی اعراب اسی جہت سے آئے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں کی جہت اعراب یکساں ہو۔

کل ثان۔ یہ دراصل جنس کے درجہ میں ہے اور اس کے زمرے میں ہر مؤخر اسم آجاتا ہے۔ اور رہا "باعراب سابقہ" اس کا درجہ فصل کا ہے۔ اس قید کے ذریعہ بجز خبر مبتدا، باب علمت کے مفعول ثانی اور باب اعلمت کے مفعول سوم کے، سارے نکل گئے۔ اور پھر اس کے بعد "من جہۃ واحدۃ" کی قید سے یہ بھی نکل گئے۔ کیونکہ مثال کے طور پر خبر مبتدا اگرچہ اعراب کے اعتبار سے اس کا اور مبتدا کا اعراب یکساں ہے لیکن دونوں پر ایک ہی جہت سے نہیں آیا بلکہ مبتدا کا جہاں تک تعلق ہے اس پر رفع مسند الیہ کی جہت سے آیا اور خبر مرفوع مسند ہونے کی جہت کے اعتبار سے ہوئی۔

فصل النعت تابعٌ یَدُلُّ علیٰ معنیً فی متبوعہٖ نحو جاءنی رجلٌ عالِمٌ او فی متعلّق متبوعِہٖ نحو جاءنی رجلٌ عالِمٌ ابوہٗ ویُسمّٰی صفۃً ایضًا والقسمُ الاوّلُ یتبعُ متبوعَہٗ فی عشرۃِ اَشیاءَ فی الاعراب والتعریفِ والتنکیرِ والافرادِ والتثنیۃِ والجمعِ والتذکیرِ والتانیث نحو جاءنی رجلٌ عالِمٌ ورجلانِ عالمانِ ورجالٌ عالمون وزیدٌ العالمُ وامراۃٌ عالمۃٌ۔ والقسمُ الثانی انما یتبعُ متبوعَہٗ فی الخمسۃِ الاُوَلِ فقط اعنی الاعراب والتعریف والتنکیر کقولہٖ تعالیٰ مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ وفائدۃُ النعتِ تخصیصُ المنعوتِ ان کانا نکرتَین نحو جاءنی رجلٌ عالمٌ وتوضیحُہٗ اِنْ کانا معرفتَین نحو جاءنی زیدٌ الفاضل وقد یکونُ لمجرد الثناءِ والمدحِ نحو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وقد یکونُ للذَّمِّ نحو اعوذُ باللّٰہِ من الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وقد یکونُ لِلتّاکیدِ نحو نَفْخَۃٌ واحِدَۃٌ **واعلم** انّ النکرۃ توصفُ بالجملۃِ الخبریۃِ نحو مررتُ برجُلٍ ابوہٗ عالِمٌ او قامَ ابوہٗ والمضمرُ لا یوصفُ ولا یوصفُ بہٖ

ترجمہ:۔ یہ فصل نعت کے بیان میں ہے۔ نعت وہ تابع کہلاتا ہے جو اپنے متبوع کے معنی کی نشاندہی کرے مثلاً جاءنی رجل عالم " یا متعلق متبوع کے معنیٰ کی نشاندہی کرے مثلاً جاءنی رجلٌ عالمٌ ابوہٗ اور اس کا دوسرا نام صفت بھی ہے۔ تابع کی قسم اول دس چیزوں میں اپنے متبوع کی متابعت کرتی ہے (۱) اعراب (رفع، نصب، جر۔ (۲) معرفہ ہونا (۳) نکرہ ہونا (۴) مفرد ہونا (۵) تثنیہ ہونا (۶) جمع ہونا (۷) مذکر ہونا (۸) مؤنث ہونا۔ مثلاً جاءنی رجلٌ عالمٌ ورجلان عالمان و رجالٌ عالمون، وزید العالم وامرأۃٌ عالمۃٌ۔

اور تابع کی قسم ثانی (ذکر کردہ) محض پہلی پانچ چیزوں میں اپنے متبوع کی متابعت کرتی ہے۔ یعنی (۱) اعراب (۲) معرفہ ہونا (۳) نکرہ ہونا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد " مِنْ ہٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَہْلُہَا " (الآیۃ) اور نعت و منعوت کے نکرہ ہونے کی صورت میں نعت کا فائدہ منعوت کی تخصیص ہے مثلاً " جاءنی رجلٌ عالمٌ " اور دونوں کے معرفہ ہونے کی شکل میں اس کا فائدہ وضاحت کرنا ہے مثلاً جاءنی زیدُ الفاضل، اور بعض اوقات نعت کا مقصد محض منعوت کی ثناء و مدح ہوتا ہے مثلاً " بسم اللہ الرحمن الرحیم " اور بعض اوقات اس کا استعمال ذم کے لئے ہوتا ہے۔ مثلاً " اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم " اور بعض اوقات تاکید کے لئے آتی ہے مثلاً " نفخۃٌ واحدۃٌ "

واضح ہو کہ نکرہ جملہ خبریہ کے ساتھ بطور صفت آتا ہے۔ مثلاً " مررتُ برجلٍ ابوہ عالمٌ او قام ابوہٗ اور ضمیر نہ موصوف بنتی ہے نہ صفت۔

تشریح: النعت تابع یدل علیٰ معنیً فی متبوعہٖ الخ یعنی نعت ایسا تابع کہلاتا ہے کہ وہ متبوع یا متعلق متبوع کے وصف یا معنی کی بہرصورت نشاندہی کرے۔ ذکر کردہ تعریف میں تابع کی حیثیت جنس کی سی ہوگی اور تعریف کے باقی لفظوں کی حیثیت فصل کی سی ہوگی " بہرصورت " کی قید اس لئے بڑھائی کہ توابع میں سے مثلاً تاکید و بدل بھی بعض اوقات معنی متبوع کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن یہ نشاندہی دائمی نہیں ہوتی بلکہ بعض مادّے کے ساتھ یہ مخصوص ہے۔ اس کے برعکس نعت (صفت) خواہ کوئی سی حالت و مادہ ہو متبوع کے معنی بتاتی ہے۔

نحو جاءنی رجلٌ عالمٌ۔ یہاں " عَالِمٌ " صفت واقع ہوا ہے۔ " رجلٌ " میں علم و جہالت دونوں معنی کا احتمال تھا تو "عالم" نے صفتِ علم کی نشاندہی کردی۔

القسم الاول کی دس چیزوں میں متابعت صفت کی پہلی قسم دس چیزوں میں اپنے موصوف کی متابعت کرتی ہے (۱) اعراب۔ یعنی رفع و نصب و جر (۲) تعریف (۳) تنکیر (۴) افراد (۵) تثنیہ (۶) جمع (۷) تذکیر (۸) تانیث۔ اور صفت کی قسم ثانی صرف اول ذکر کردہ پانچ چیزوں میں متابعت کرتی ہے۔

وفائدة النعت تخصیص المنعوت الخ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ صفت موصوف کے نکرہ ہونے کی صورت میں نعت کا یہ فائدہ کم از کم ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے منعوت میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر" جاءنی رجلٌ عالمٌ" کہ یہاں" عالم" بھی نکرہ ہے اور" رجل" بھی نکرہ۔ رجل کے زمرے میں عالم اور غیر عالم دونوں آسکتے تھے لیکن" عالمٌ" صفت بیان کرنے کے باعث اس میں شرکت کم ہوگئی۔ اور اگر ایسا ہو کہ نعت (صفت) و منعوت (موصوف) نکرہ ہونے کے بجائے معرفہ واقع ہوں تو پھر اس صورت میں صفت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ منعوت (متبوع) کا ابہام و اجمال دور ہو کر وضاحت ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے" جاءنی زید الفاضل" تو الفاضل کے ذکر سے قبل" زید" میں یہ اجمال ضرور تھا کہ زید سے مراد فاضل ہے یا مقصود اس سے غیر فاضل ہے۔ پھر جب صفت بیان کردی گئی تو زید میں موجود یہ اجمال و احتمال باقی نہ رہا اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ زید سے مراد فاضل زید ہے۔

وقد یکون لمجرد الثناء۔ یعنی بعض اوقات نعت کو لانے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعہ پیدا شدہ اجمال کی وضاحت کی جائے یا شرکت دور و کم کی جائے۔ بلکہ اس کے لانے کا مقصد فقط معرفہ بنانا ہوا کرتا ہے یہ ایسے موقع پر ہوتا ہے کہ جہاں موصوف معرفہ واقع ہو اور مخاطب کو صفت کا علم موصوف کے ذکر کئے جانے سے پہلے ہی ہو مثلاً" بسم اللہ الرحمن الرحیم"۔

وقد یکون للذم الخ۔ اور بعض اوقات، صفت صرف برائے مذمت ہی آتی ہے مثلاً" اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" اس میں" الرجیم" فقط برائے ذم ہے۔

وقد یکون للتاکید الخ۔ یعنی کبھی صفت لانے کا مقصد تاکید کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا اور اس میں بھی یہ شرط لگائی کہ مخاطب کو موصوف کے ذکر کئے جانے سے قبل ہی صفت کا علم ہو۔ مثال کے طور پر" نفخۃٌ واحدۃٌ" کہ یہاں" واحدہ" کے ذکر سے قبل ہی وحدت کی نشاندہی ہو رہی ہے۔

ان النکرۃ توصف بالجملۃ الخبریۃ الخ یعنی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صفتِ نکرہ جملہ خبریہ خلافِ قیاس ہونے کے باوجود بنجاتا ہے۔

والمضمر لا یوصف ولا یوصف بہ۔ یعنی ضمیر کا جہاں تک تعلق ہے اس کا نہ موصوف ہونا درست ہے اور نہ وہ صفت واقع ہو سکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ضمیر مخاطب اور متکلم کا معاملہ ہے وہ معرفہ کی ساری قسموں کے مقابلے میں زیادہ جانی پہچانی بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ واضح بھی۔ اور یہ بات پہلے بیان کی جاچکی کہ معرفہ کی صفت لانے سے اس کی وضاحت ہی مقصود ہوا کرتی ہے۔ تو ان ضمیروں کے پہلے ہی سے واضح ہونے کی بنا پر مزید وضاحت کی احتیاج نہ رہی اور ضمیر غائب کو بھی ان دونوں ضمیروں پر محمول کرلیا تو ضمیر کا موصوف وصفت نہ ہونا بالکل واضح ہوگیا۔

فصل العطف بالحروفِ تابعٌ يُنسبُ اليه مانُسِبَ الیٰ متبوعہٖ و کلاھما مقصودان بتلك النسبة ويسمّٰى عطفَ النَّسقِ وشرطُهٗ ان يكون بينَه و بَيْنَ متبُوعِہٖ احدُ حُرُوفِ العطفِ وسیاتی ذکرھا فی القسم الثالث ان شاءَ اللهُ تعالیٰ نحوقام زیدٌ وعمرٌو واذا عُطِفَ علی الضمیر المرفوعِ المتصل یجبُ تاکیدہ بالضمیر المنفصل نحو ضربتُ اناوزیدٌ اِلا اذا فُصِلَ نحوضربتُ الیومَ وزیدٌ واذا عُطِفَ علی الضمیر المجرُور یجبُ اعادۃُ حرفِ الجر نحومَررتُ بك وبزیدٍ واعلم اَنّ المَعْطُوْفَ فی حکم المعطوف علیه اعنی اذا کان الاول صفۃً لشیءٍ اوخبرَالامر اوصلۃً اوحالًا فالثانی کذٰلك ایضًا والضابطۃُ فیہِ اَنہٗ حیثُ یجوزُ اَن یُقامَ المعطوفُ مقامَ المَعطُوفِ علیہ جازالعطفُ وحیثُ لا فلا والعطفُ علیٰ معمولَیْ عاملَیْن مختلفَیْن جائزٌ اِنْ کانَ المعطوف علیه مجرورًا مقدمًا والمعطوفُ کذٰلِكَ نحوفی الدارِ زیدٌ والحجرۃِ عمرٌو وفی ھٰذہ المسئلۃِ مذھبانِ اٰخرانِ وھُمَا اَن یجوزَ مطلقًا عندَ الفَرّاءِ ولایجوزُ مطلقًا عِندَ سِیبویہِ

ترجمہ: یہ فصل ہے حروفِ عطف کے بیان میں۔ عطف بالحروف وہ تابع کہلاتا ہے کہ اس کی جانب اس شے کی نسبت کی جائے جس کی نسبت اس کے متبوع کی جانب کی گئی ہو۔ اور نسبت کے ذریعہ ان دونوں کا ارادہ کیا گیا ہو اور اسے عطف بالنسق بھی کہتے ہیں۔ اس کی شرط یہ ہے کہ اس کے اور اس کے متبوع کے بیچ میں حروف عطف میں سے کوئی حرف آیا ہو۔ عنقریب اس کا بیان انشاء اللہ قسم ثالث میں ہوگا۔ مثلاً "قام زیدٌ وعمرٌو" اور اس کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہونے کی صورت میں اسکی تاکید ضمیر منفصل سے لانی ضروری ہوگی۔ مثلاً "ضربتُ اناوزیدٌ" البتہ اگر درمیان میں فصل کیا گیا ہو (تو تاکید ضمیر منفصل سے لانی ضروری نہ ہوگی) مثلاً "ضربتُ الیومَ وزیدٌ"۔ اور ضمیر مجرور پر عطف کی شکل میں حرف جر کا اعادہ واجب ہوگا مثلاً "مررت بک وبزیدٍ" اور واضح رہے معطوف کا حکم معطوف علیہ کا سا ہوتا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اول جب کسی چیز کی صفت یا کسی امر کی خبر یا صلہ یا حال واقع ہو تو دوسرے کا حال بھی یہی ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں کلی ضابطہ یہ ہے کہ جہاں معطوف کو معطوف علیہ کی جگہ لانا درست ہوگا تو عطف بھی جائز ہوگا اور جہاں معطوف کو معطوف علیہ کی جگہ لانا درست نہ ہوگا وہاں عطف بھی جائز نہ ہوگا۔ اور یہ درست ہے کہ دو معمولوں کے دو مختلف عاملوں کا عطف ہو۔ مگر اس میں معطوف علیہ کا مجرور مقدم ہونا شرط ہے۔ اور معطوف کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً فی الدار زیدٌ والحجرۃ عمرٌو۔ اور اس مسئلہ سے متعلق مزید دو مسلک

ہیں۔ وہ یہ کہ فراء مطلقاً درست قرار دیتے ہیں اور سیبویہ مطلقاً ناجائز

تشریح: العطف بالحروف تابع الخ۔ صاحب کتاب کے قول "تابع" میں سارے توابع داخل تھے مگر "کلاہما" کی قید کے ذریعہ دوسرے توابع نکل گئے۔ عطف بیان، تاکید اور نعت کے اس سے نکلنے کا سبب یہ ہے کہ بذریعہ نسبت ان کا ارادہ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ محض ان کے متبوع کا ارادہ ہوتا ہے اور بدل کے نکلنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے متبوع کے بغیر خود اس کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

ویسمیٰ عطف النسق۔ نسق الشئ کے معنی ہیں چیزوں کا ترتیب دار رکھنا۔ نسق الکلام کلام کو ترتیب دینا النسق۔ بالترتیب۔ اس تابع کو عطفِ نسق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں معطوف علیہ کے بعد معطوف آیا کرتا ہے تو گویا یہ چند کلموں کو مرتب کرنا اور ترتیب کے ساتھ لانا ہوا۔

وشرطہ ان یکون بینہ الخ حروف عطف میں سے کوئی سا حرف تابع و متبوع کے بیچ میں ہونا شرطِ عطف قرار دیا گیا۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "قام زیدٌ وعمروٌ" ذکر کردہ مثال میں زید متبوع اور عمر تابع ہے اور ان دونوں کے بیچ میں حروفِ عطف میں سے ایک حرف واؤ موجود ہے۔

واذا عطف علی الضمیر المرفوع المتصل الخ یعنی ضمیر مرفوع متصل پر کسی شے کا عطف کرنے کی صورت میں ضمیر المنفصل اس کی تاکید آئے گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل کا حکم تو کلمہ کے جزء کا سا ہے لہٰذا بلا تاکید عطف کی صورت میں کلمہ کے جزء پر ایک مستقل کلمہ کے عطف کا لزوم ہوگا جو ازروئے قاعدہ درست نہیں مثلاً "ضربت انا وزیدٌ" اس جگہ زید نے ضمیر مرفوع پر عطف کی خاطر فصل پیدا کرنے والی ضمیر "انا" برائے تاکید لائے۔

الا اذا فصل الخ البتہ اگر ایسا ہو کہ ضمیر مرفوع اور معطوف کے بیچ میں پہلے ہی فصل موجود ہو تو اس صورت میں تاکید کا ترک درست ہوگا کہ یہ فصل پیدا کرنے والا تاکید کی جگہ شمار ہوگا، اور عطف بلا تاکید درست قرار دیا جائیگا مثلاً "ضربت الیوم وزیدٌ" کہ اس میں "الیوم" فصل پیدا کرنے والا اور تاکید کا قائم مقام موجود ہے۔

واذا عطف علی الضمیر المجرور یجب اعادۃ حرف الجر الخ یعنی ضمیر مجرور پر عطف کی صورت میں حرف جر کا اعادہ واجب ہوگا کیونکہ جہاں تک حرف جار اور ضمیر مجرور کا معاملہ ہے شدتِ اتصال کے باعث ان کا حکم ایک کلمہ کا سا ہے۔ لہٰذا اگر حرف جار کا اعادہ نہ ہو تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ کلمہ کے ایک جزء پر ایک مستقل کلمہ کا عطف ہو اور ایسا ازروئے قاعدہ درست نہیں۔

واعلم ان المعطوف فی حکم المعطوف علیہ۔ مطلب یہ ہے کہ جو بات معطوف کے لئے درست ہوگی ٹھیک وہی بات معطوف علیہ کے لئے درست ہوگی۔ اور جو معطوف کے واسطے درست نہ ہوگی وہ معطوف علیہ کے واسطے بھی درست نہ ہوگی۔ صاحب کتاب اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معطوف علیہ کے کسی چیز کی صفت یا خبر یا صلہ یا حال واقع ہونے کی صورت میں معطوف بھی صفت یا خبر یا صلہ یا حال واقع ہوگا۔

صاحبِ کتاب اس کا ایک ضابطۂ کلیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ معطوف کو معطوف علیہ کی جگہ پر لاکر دیکھا جائے پس یہ قائم مقامی درست ثابت ہو تو اس صورت میں عطف کرنا بھی صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہ ہوگا۔

والعطف علی معمولی عاملین الخ۔ جمہور نحاۃ اس ذکر کردہ صورت میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہو کہ معطوف اور معطوف علیہ کے مجرور مقدم ہونے کی صورت میں یہ عطف درست ہوگا ورنہ درست نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر "فی الدار زید والحجرۃ عمرو" کہ اس میں مجرور اول "فی الدار" معطوف علیہ اور "زید" معطوف علیہ پر رفع ابتداء کے باعث ہے اور "الحجرۃ" اس طرح معطوف مجرور اور عمرو جو کہ معطوف ہے اس پر رفع ابتداء کی بنا پر ہے۔ ان دونوں کو دیکھا جائے تو یہ الگ الگ عاملوں کے معمول واقع ہوئے اور ان کے باہم عطف میں ایک حرف عطف واسطہ بنا ہے اور اسے جمہور (اکثر و بیشتر) نحاۃ درست فرماتے ہیں اور اس طریقے سے نہ ہونے کی صورت میں عطف صحیح نہ ہوگا۔

وفی ہذہ المسئلۃ مذہبان الخ۔ صاحبِ کتاب کہتے ہیں کہ اس بارے میں دو مسلک ہیں۔ فراء تو اس عطف کو علی الاطلاق اور کسی قید کے بغیر درست قرار دیتے ہیں اور سیبویہ اسے مطلقاً نادرست کہتے ہیں۔

فصلٌ التاکید تابع یدلُّ علی تقریر المتبوع فی ما نُسِبَ الیہ او علی شمولِ الحکم لکل فردٍ من افرادِ المتبوعِ والتاکیدُ علی قِسمَین لفظی وھو تکریر اللفظِ الاول نحو جاءنی زیدٌ زیدٌ وجَاءَ جَاءَ زیدٌ۔ ومعنوی وھو بالفاظٍ معدودۃٍ و ھی النفسُ والعینُ للواحدِ والمثنیٰ والمجموعِ باختلافِ الصیغۃِ والضمیرِ نحو جاءنی زیدٌ نفسُہٗ والزیدان انفسُہما اونفساھما والزیدونَ انفُسُھُم وَ کذٰلک عینُہٗ واعینہما او عَینَاھُمَا واعیُنُہم جاءتنی ھندٌ نفسُہا وجاءتنی الھندان انفسُہما اونفساھُما وجاءتنی الھنداتُ انفسُھنَّ وکلا وکلتا للمثنیٰ خاصۃً نحو قامَ الرجلانِ کلاھُما وقامتِ المرأتانِ کلتاھما و کُلٌّ واَجْمَعُ واَکتَعُ وابتَعُ وابصَعُ لغیرِ المثنیٰ باختلافِ الضمیرِ فی کُلٍّ والصیغۃِ فی البَوَاقی نقولُ جاءنی القومُ کلھم اَجْمَعُون اَکْتَعُوْنَ اَبْتَعُوْنَ اَبصَعُوْنَ وقامتِ النساء کلُّھُنَّ جُمَعُ کُتَعُ بُتَعُ بُصَعُ واذا اردتَ تاکیدَ الضمیرِ المرفوعِ المتصلِ بالنفسِ والعینِ یجب تاکیدہٗ بالضمیرِ المنفصلِ نحو ضربتَ انتَ نفسُکَ ولا یؤکَّدُ بکلٍّ واجمعَ الامالہٗ اجزاءٌ وَاَبعاضٌ یصحُّ افتراقُھا حِسًّا کالقومِ او حکمًا کما تقولُ اشتریتُ العبدَ کلَّہٗ ولا تقولُ اکرمتُ العبدَ کلَّہٗ واعلم اَنَّ اکتعَ وابتعَ وَابصَعَ اتباعٌ لاجمعَ ولیس لھا معنیً ھٰھُنا بدونہٖ فلا یجوز تقدیمھا علی اجمعَ ولا ذکرُھَا بدونہٖ۔

ترجمہ: یہ فصل تاکید کے بیان میں ہے۔ تاکید وہ تابع کہلاتا ہے کہ وہ متبوع کی جانب منسوب کردہ چیز میں متبوع کو ثابت کرے یا اس حکم کو ثابت کرے جو متبوع کے افراد میں سے ہر فرد کو شامل ہو۔ اور تاکید کی دو قسمیں ہیں (۱) تاکید لفظی۔ پہلے لفظ کا مکرر لانا تاکید لفظی کہلاتا ہے مثلاً جاءنی زیدٌ زیدٌ، وجاءَ جاءَ زیدٌ (۲) تاکید معنوی۔ وہ کہلاتی ہے جو ان شمار کردہ لفظوں کے ساتھ ہو۔ وہ واحد کے واسطے، "نفس" اور "عین" ہیں۔ اور تثنیہ و جمع کے لئے صیغہ وضمیر کے اختلاف کے ساتھ مثلاً "جاءنی زیدٌ نفسُہٗ والزیدان انفسہما او نفساہما والزیدون انفسہم۔ اور اسی طریقہ سے "عینہٗ واعینہما او عیناہما واعینہم۔ اور (مثلاً مؤنث) جاءتنی ہند نفسہا وجاءتنی الہندان انفسہما او نفساہما وجاءتنی الہندات انفسہن۔ اور کلا اور کلتا خصوصیت سے دونوں تثنیہ کے لئے آتے ہیں مثلاً، قام الرجل کلاہما و قامت المرأتان کلتاہما۔ اور کلٌّ اور اجمع اور اکتع اور ابتع اور ابصع تثنیہ کے علاوہ کے لئے آتے ہیں۔ "کلٌّ" میں ضمیر کے اختلاف کے ساتھ اور باقی میں اختلاف صیغہ کے ساتھ کہو گے "جاءنی القوم کلہم اجمعون، اکتعون، ابتعون، ابصعون وقامت النساء کلہن جمعٌ، کتعٌ، بتعٌ، بصعٌ۔ اور بذریعہ النفس، العین ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کے ارادہ کے وقت ضمیر منفصل سے تاکید لانا ضروری ہے مثلاً ضربتَ انتَ نفسک" اور بذریعہ "کل" اور "اجمع" تاکید نہیں کی جاتی لیکن صرف ان کی جن کے ابعاض اور اجزاء ہوں اور ان کا حسی طور پر جدا کرنا درست ہو مثلاً "قوم" یا بلحاظ حکم درست ہو جیسے تم کہو گے "اشتریتُ العبدَ کلَّہٗ" اور یہ نہیں کہو گے "اکرمتُ العبدَ کلَّہٗ" اور واضح رہے کہ اکتع، ابتع، ابصع یہ سب "اجمع" کے تابع ہیں اور اس جگہ "بلا اجمع" کے ان کے کوئی معنی نہیں۔ لہٰذا نہ ان کا "اجمع" سے پہلے لانا درست اور نہ ان کا ذکر "اجمع" کے بغیر صحیح۔

تشریح التاکید تابع الخ تاکید کے معنی استوار کرنے کے آتے ہیں۔ صاحب کتاب نے اس کا ذکر عطف کے بعد اس واسطے کیا کہ عطف کرنے والے "فا اور ثم" کا اضافہ برائے تاکید ہوا کرتا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ "کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون" (الآیۃ)

یدل علی تقریر المتبوع۔ اس قید کے ذریعہ تاکید کی تعریف سے بدل اور عطف بالحروف نکل گئے اسلئے کہ ان دونوں سے تقریر متبوع کی نشاندہی نہیں ہوتی۔ "فی ما نُسِبَ" کے ذریعہ اس تعریف سے عطف بیان اور صفت نکل گئے کیونکہ یہ دونوں تعیینِ ذات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

والتاکید علی قسمین۔ یعنی تاکید دو قسموں پر مشتمل ہے ایک کا نام تاکید لفظی ہے۔ اس میں تاکید بذریعۂ الفاظ حاصل ہوتی ہے اور دوسری قسم معنوی کہ اسمیں معنًا تاکید ہوتی ہے، لفظاً نہیں۔

وہو تکریر اللفظ الاول۔ تاکید لفظی کا جہاں تک تعلق ہے وہ پہلے لفظ کو دوبار لانے سے حاصل ہوا کرتی ہے

مثال کے طور پر کہا جائے " جاءنی زیدٌ زیدٌ "، تو اس میں دوسری مرتبہ زید کے لانے سے پہلے زید کی لفظاً تاکید مقصود ہے۔ رہی معنوی تاکید تو اس کا حصول واحد میں تو عین اور نفس کے ذریعہ ہوا کرتا ہے اور تثنیہ و جمع میں تاکید کا حصول صیغوں اور ضمیروں کے مختلف ہونے اور بدلنے سے ہوتا ہے مثلاً " جاءنی زیدٌ نفسُہٗ "، " والزیدان انفسہما، او نفساہما " " والزیدون انفسہم "، اور اسی طریقہ سے ہے " اعینہ " " واعینہما " " او عیناہما " " واعینہم " اور مثال کے طور پر مؤنث کے لئے " جاءتنی ہند نفسہا و جاءتنی الہندان انفسہما او نفساہما، و جاءتنی الہندات انفسہن "۔

وکلا وکلتا للمثنی خاصۃً۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ " کلا اور کلتا " کا استعمال تثنیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کلا کا استعمال، تو تثنیہ مذکر کے واسطے ہوا کرتا ہے اور " کلتا "، تثنیہ مؤنث کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ " مثنیٰ " کی قید کے ذریعہ مفرد اور جمع اس سے نکل گئے کہ مفرد اور جمع کو بذریعہ کلا و کلتا مؤکد نہیں کیا جائے گا۔

فی کل الخ۔ یعنی یہ سب واحد اور جمع کی تاکید کے لئے آیا کرتے ہیں۔ البتہ محض " کل " ضمیر کے اختلاف کے ساتھ آیا کرتا ہے کہ صیغۂ واحد مذکر میں " کلہا " استعمال ہوتا ہے اور صیغۂ جمع مذکر کے اندر " کلہم " اور اسی طرح صیغۂ جمع مؤنث میں " کلہن " کہا جاتا ہے۔

اذا اردت تاکید الضمیر۔ یہاں فرماتے ہیں کہ اگر ضمیر مرفوع متصل کو بذریعہ لفظ " عین " اور لفظ " نفس " مؤکد کیا جائے تو پہلے تاکید مع الضمیر المنفصل لائی جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ ضمیر متصل کو ضمیر منفصل سے مؤکد نہ کرنے کی صورت میں بعض جگہ التباسِ تاکید مع الفاعل ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر ضمیر منفصل کے ساتھ مؤکد کئے بغیر کہا جائے " زید اکرمنی نفسہٗ "، تو " نفسہٗ " کے فاعل ہونے کا پتہ نہ چلے گا اور یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ فعل میں پوشیدہ ضمیر مرفوع ہے۔ اور وہی ضمیر دراصل فاعل واقع ہوتی ہے اور " نفسہٗ " کا جہاں تک تعلق ہے وہ محض اس کی تاکید کے لئے ہے۔

اشتریت العبد کلہ۔ یعنی خریداری کے اعتبار سے عبد (غلام) کے اجزاء متفرق ہونا حکماً درست ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آدھا غلام ایک شخص خرید لے اور آدھا کوئی اور اس کے برعکس " اکرمتُ العبدَ کلہٗ " کہنا صحیح نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ اکرام کے لحاظ سے عبد کا متفرق ہونا نہ حکماً ممکن ہے اور نہ حسی لحاظ سے ممکن۔

واعلم ان اکتع۔ یہاں یہ کہتے ہیں کہ " اکتع، ابتع اور ابصع " کا ذکر محض " اجمع " کے تابع ہونے کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ اصالتاً اور اپنی مستقل حیثیت کے اعتبار سے یہ ہرگز ذکر نہیں کئے جاتے۔ اسی بنا پر نہ تو یہ " اجمع " سے پہلے آتے ہیں اور نہ انھیں بلا " اجمع " کے ذکر کرنا قوی ہوتا ہے۔

فصل البدلُ تابعٌ یُنسَبُ الیہ ما نُسِبَ الی متبوعہٖ وھو المقصودُ بالنسبۃِ دون متبوعِہٖ واقسامُ البدلِ اربعۃٌ بدلُ الکلِّ مِنَ الکلِّ وھو ما مدلولُہٗ مدلولُ المتبوعِ نحو جاءنی زیدٌ اخوکَ۔ وبدلُ البعضِ من الکلِّ وھو ما

مدلولُه جزءُ مدلولِ المتبوعِ نحو ضربتُ زيداً رأسَهٗ۔ وبَدَلُ الاشتمالِ وهو ما مدلولُه متعلِّقُ المتبوعِ کسُلِبَ زیدٌ ثوبُهٗ۔ وبَدَلُ الغلَطِ وهو ما یُذکرُ بعدَ الغلطِ نحو جاءَنی زیدٌ جعفرٌ ورأیتُ رجلاً حمارًا۔ والبدلُ اِن کانَ نکرةً من معرفةٍ یجبُ نعتُهٗ کقولہٖ تعالٰی بالنَّاصِیَۃِ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ ولا یجبُ ذٰلک فی عکسِہٖ ولا فی المتجانسَینِ۔

ترجمہ:۔ بدل وہ تابع کہلاتا ہے کہ جس کی جانب اس شے کی نسبت کیجاتی ہے جس کی نسبت اس کے متبوع کی جانب کی گئی ہو اور بذریعہ متبوع اسکا نہیں بلکہ اس کے بدل کا ارادہ کیا جاتا ہے۔
بدل چار قسموں پر مشتمل ہوتا ہے (۱) بدل الکل من الکل۔ بدل الکل اس بدل کا نام ہے کہ جس کا مدلول بعینہ وہی ہو جو کہ متبوع کا ہو مثلاً "جاءنی زیدٌ اخوک"
(۲) بدل البعض من الکل۔ وہ اس بدل کا نام ہے جس کے مدلول کی حیثیت متبوع کے مدلول کے جزء کی ہو مثلاً "ضربتُ زیداً راسہٗ"
(۳) بدل الاشتمال۔ وہ ایسا بدل کہلاتا ہے جس کا مدلول متعلق متبوع ہو مثلاً "سُلِبَ زیدٌ ثوبہٗ"
(۴) بدل الغلط۔ بدل الغلط وہ کہلاتا ہے جس کا ذکر بعد غلط کے ہو مثلاً "جاءنی زیدٌ جعفرٌ ورأیتُ رجلاً حماراً"۔ اور بدل کے معرفہ سے نکرہ ہونے کی صورت میں اس کی صفت ذکر کرنا واجب ہوگا۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ "بالنَّاصِیَۃِ ناصِیَۃٍ کاذبۃٍ" (الآیۃ) اور اس کے عکس کی صورت میں یا دونوں کے نکرہ یا معرفہ ہونے کی شکل میں صفت لانا واجب نہ ہوگا۔

تشریح البدل تابع ینسب الیہ الخ یعنی بدل ایسے تابع کا نام ہے کہ اس کے متبوع کی جس چیز کی بھی نسبت کی گئی ہو ٹھیک وہی نسبت اس کی جانب بھی ہو اور اس نسبت میں دونوں کے درمیان فرق نہ ہو۔ علاوہ ازیں یہ نسبت تابع کے واسطے بطور تمہید آئی اور اس کے ذریعہ سرے سے متبوع کا ارادہ نہ کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر "جاءنی زیدٌ اخوک" کہ اس میں آنے کی نسبت ہے۔ دراصل مقصود "اخوک" ہے اور رہا زید کا تذکرہ تو وہ فقط برائے تمہید ہے۔ اول اس تابع کی تعریف کے زمرے میں سارے توابع آرہے تھے مگر جب "ہو المقصود بالنسبۃ" کی قید لگائی گئی تو اس قید کے ذریعہ صفت، عطف بیان اور تاکید نکل گئے نیز "دون متبوعہ" کی قید کے ذریعہ عطف بالحروف نکل گیا۔ کیونکہ اس میں تابع کے ساتھ ساتھ نسبت کے ذریعہ متبوع بھی مقصود ہوا کرتا ہے۔

واقسام البدل اربعۃ۔ بدل الکل الخ صاحب کتاب بدل کی تعریف سے فراغت کے بعد بدل کی تقسیم کا آغاز

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بدل چار قسموں پر مشتمل ہے۔ ان قسموں میں سے بدل الکل میں تو باعتبار معنیٰ متبوع اور تابع میں کلیتًا اتحاد ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "جاء زید اخوک" کہ اس میں زید اور اخوک دونوں ایک ہیں۔ اور جہاں تک بدل البعض کا تعلق ہے اس میں بدل مبدل منہ کا کل نہیں بلکہ جزء ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر "ضربتُ زیدًا راسہٗ" کہ اس میں "راس" کو دیکھا جائے تو وہ زید کا جزء واقع ہوا ہے۔ اور بدل اشتمال میں بدل اور مبدل منہ کے درمیان نہ کلیت کا تعلق ہوا کرتا ہے اور نہ جزئیت کا بلکہ ان دونوں کے سوا کوئی اور تعلق ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر "سُلِبَ زیدٌ ثوبہ" کہ اس جگہ ثوب زید کو شامل ہے۔ بدل اشتمال کا یہ نام رکھے جانے کا سبب یہ ہے کہ پہلے کلام کے ذریعہ اجمالی طور پر آخر کلام کی نشاندہی ہوتی ہے تو گویا کلام اول، کلام ثانی پر مشتمل ہونے کے درجہ میں ہوا۔

رہا بدل الغلط۔ تو یہ اسے کہا جاتا ہے جس کا ارادہ مبدل منہ کے غلط بیان کرنے کے بعد کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر "جاءنی زیدٌ جعفرٌ" یہاں بولنے والا جاءنی جعفرٌ کہنا چاہ رہا تھا مگر سبقت لسانی سے "جاءنی زیدٌ" نکل گیا۔

والبدل ان کان نکرۃ۔ از روئے قاعدہ بدل اور مبدل منہ کا معرفہ ہونا بھی درست ہے اور بدل و مبدل منہ کا نکرہ ہونا بھی صحیح ہے۔ اور یہ صورت بھی درست ہے کہ مثلاً بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ یا اس کے برعکس صورت ہو۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ بدل کے نکرہ ہونے اور مبدل منہ کے معرفہ ہونے کی صورت میں نکرہ کی صفت لانا ضروری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نکرہ معرفہ کے مقابلہ میں ناقص شمار ہوتا ہے اور صفت اس بناء پر لاتے ہیں کہ مقصود غیر مقصود کے مقابلہ میں ناقص واقع نہ ہو۔

فصلٌ عطفُ البیانِ تابعٌ غیرُ صفةٍ یُوضِحُ متبوعَهٗ وهو اشهرُ اسمَیْ شیءٍ نحو قامَ ابو حفصٍ عُمَرُ رض وقامَ عبدُ اللهِ بنُ عُمَرَ رض ولا یلتبِس بالبدلِ لفظًا فی مثلِ قولِ الشاعرِ **شعر**

اَنَا ابنُ التارکِ البکریِّ بشرٍ ÷ علیهِ الطّیرُ ترقُبُهٗ وُقُوعًا

ترجمہ:۔ عطف بیان، غیر صفت وہ تابع کہلاتا ہے جس کے ذریعہ متبوع کی وضاحت ہوتی ہے اور عطفِ بیان ایک چیز کے دو ناموں میں سے زیادہ مشہور و معروف نام ہوا کرتا ہے۔ مثلاً "قام ابو حفص عمر رض و قام عبداللہ بن عمر رض" اور شاعر کے اس قول کی مانند میں اس کا التباس بلحاظ تلفظ بدل کے ساتھ نہیں ہوتا "اَنا ابن التارک البکری بشر ÷ علیہ الطیر ترقبہ وقوعًا" میں بکری بشر کو ترک کرنے والے کا لڑکا ہوں۔ حال یہ کہ اس پر پرندے منتظر ہیں اور اس پر گر رہے ہیں۔

تشریح: عطف البیان تابع الخ۔ یہاں یہ کہتے ہیں کہ عطف بیان وہ تابع کہلاتا ہے کہ وہ صفت نہ ہوتے

ہوئے بھی اپنے متبوع کی تشریح و توضیح کرے۔ اس کے صفتِ متبوع نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت کی طرح ذات متبوع سے متعلق معنی کی نشاندہی نہ کرے۔ عطفِ بیان کی ذکر کردہ تعریف کے ذریعہ دوسرے توابع نکل گئے۔ مثال کے طور پر کہا جائے "قام ابوحفص عمرؓ" اس مثال میں عمر جو کہ عطف بیان ہے حالانکہ صفتِ ابوحفص واقع نہیں ہوئی لیکن پھر بھی اس کی توضیح ضرور کر رہا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ نام اور کنیت میں یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں سے زیادہ شہرت کسے حاصل ہے۔ ان میں سے جو بھی زیادہ مشہور و معروف ہو اسے عطف بیان بنائیں گے۔

ولا یلتبس بالبدل الخ یعنی عطفِ بیان کا جہاں تک تعلق ہے اس کا التباس بدل کے ساتھ نہ باعتبار الفاظ ہوتا ہے اور نہ بلحاظ معنی۔ بعض نسخے ایسے ہیں کہ ان میں لآ کی جگہ "قد" استعمال کیا گیا۔ قد کی صورت میں بعد "لفظاً" لآ معنیً پوشیدہ مانا جائے گا اور اس وقت مطلب یہ ہوجائیگا کہ عطف بیان کا کبھی باعتبار الفاظ بدل کے ساتھ التباس ہوجاتا ہے مگر معنی کے لحاظ سے التباس نہیں ہوتا۔ یہ بات واضح رہے کہ بدل کل اور عطفِ بیان کے بیچ معنوی اعتبار سے ہر حالت میں فرق بالکل عیاں ہے کیونکہ بدل کل نسبت کے ساتھ مقصود ہوا کرتا ہے اور عطف بیان نہیں ہوتا۔ لہذا اس کے ذکر کی احتیاج نہیں اور کیونکہ عطف بیان اور بدل الکل میں الفاظ کے لحاظ سے فرق پوشیدہ تھا اس واسطے صاحب کتاب نے اسے ذکر کر دیا۔

انا ابن التارک الخ یہاں بلحاظ ترکیب "انا" تو مبتدا واقع ہوا ہے اور "ابن التارک" (بمعنی قائل) کی جانب مضاف اور التارک البکری مفعول کی طرف مضاف اور "البکری" معطوف علیہ اور "بشر" عطف بیان۔ علیہ الطیر، التارک کا مفعول ثانی جبکہ "التارک" مصیر کے معنی میں ہو "ترقبہ" الطیر سے حال اور "وقوعا" جمع واقع، ترقبہ کی ضمیر سے حال واقع ہوا ہے۔

الباب الثانی فی الاسمِ المبنیّ وھو اسمٌ وَقعَ غیرَ مُرکبٍ مَعَ غیرہٖ مثلُ ا ب ت ث ومثل واحد واثنان وثلثۃ وکلفظۃِ زید وحدہٗ فانہٗ مَبنِیٌّ بالفِعل علی السُّکون ومُعرَبٌ بالقُوّۃ اوشابہ مَبنِیَّ الاصلِ بانْ یکونَ فی الدلالۃ علی معناہُ مُحتاجًا الی قرینۃٍ کالاشارۃِ نحوھٰؤُلاءِ ونحوھا اویکونَ علی اقلَّ مِن ثلثۃِ احرفٍ اوتضمّنَ معنی الحروفِ نحوذا ومَن واحَدَ عشَرَ الی تِسعۃَ عشَرَ ــــــــ وھٰذا القسمُ لایصیرمُعرَبًا اصلاً وحُکمہٗ ان لایختلِفَ اٰخرہٗ باختلاف العوامِلِ وحرکاتُہٗ تسمّی ضمًّا وفتحًا وکسرًا وسُکونُہٗ وقفًا وھوعلی ثمانیۃِ انواعٍ المضمراتُ واسماءُ الاِشاراتِ والموصُولاتُ و اسماءُ الافعال والاصواتُ والمرکباتُ والکنایاتُ وبعضُ الظروفِ

ترجمہ:- باب دوم اسم مبنی کا بیان۔ مبنی وہ اسم کہلاتا ہے جو اس طرح آئے کہ وہ غیر کے ساتھ مرکب نہ ہو۔ مثلاً "اَ، بَ، تَ، ثَ" اور مثلاً "واحد، اثنان، ثلثۃ" اور مثلاً لفظ "زید" جبکہ وہ تنہا ہو تو وہ بالفعل تو سکون پر مبنی اور وہ بالقوہ (باعتبار اہلیت وصلاحیت) معرب ہے۔ یا یہ کہ اس کی مبنی الاصل کے ساتھ بایں طور مشابہت ہو کہ اسے اپنے معنیٰ کی نشاندہی میں قرینہ کی احتیاج ہو مثلاً "اسمارہ" مثال کے طور پر "ہٰؤلاء" اور اس جیسے دوسرے اسمائے اشارہ۔ یا یہ کہ اس میں تین حرف سے کم ہوں یا وہ حرف کے معنی پر مشتمل ہو۔ مثلاً "ذا" اور "مَن" اور "احدعشر، تسعۃ عشر" تک۔ اور یہ قسم نہ بالفعل معرب ہوتی ہے اور نہ بالقوہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عاملوں کے بدلنے سے نہ بدلے۔ اس مبنی کی حرکات ضمہ، فتحہ اور کسرہ ہوتی ہیں۔ اور مبنی کے سکون کا نام وقف ہے۔ اس کی آٹھ قسمیں ہیں۔

(۱) ضمائر (۲) اسمائے اشارات (۳) اسمائے موصولات (۴) اسمائے افعال (۵) اسمائے اصوات (۶) اسمائے مرکبات (۷) اسمائے کنایات (۸) بعض ظروف

تشریح:- الباب الثانی فی الاسم المبنی الخ باب اول معرب سے متعلق تھا۔ صاحب کتاب اس سے فراغت کے بعد اب اسم مبنی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ صاحب کتاب نے باب دوم مبنی ہی کے بیان کے لئے متعین فرمایا۔ "مبنی" صیغہ اسم مفعول "مَرمِیٌّ" کے وزن پر۔ یہ قرار کے معنیٰ میں آتا ہے۔ کیونکہ مبنی کا آخر عاملوں کے بدلنے سے نہیں بدلتا بلکہ وہ یکساں حال پر برقرار رہتا ہے اس لئے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔

وھو اسم وقع غیر مرکب الخ۔ مبنی کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ جسے اس کے عامل کے ساتھ ملایا نہ جائے مثلاً اَ، بَ، تَ، ثَ اور عدد کے اسماء واحد، اثنان وغیرہ۔ یا خالد وغیرہ جبکہ انھیں کسی دوسرے کے ساتھ نہ ملایا جائے۔

(۲) مبنی کی قسم دوم بالقوہ یعنی اپنی اہلیت وصلاحیت کے اعتبار سے معرب اور بالفعل مبنی ہے۔

بان یکون فی الدلالۃ علی معناہ۔ صاحب کتاب یہاں اسم کے مشابہ بالمبنی ہونے کی وجہیں ذکر کر رہے ہیں۔

کالاشارہ۔ یہ وجود قرینہ کی مثال بیان فرمائی گئی۔ یعنی جس طریقہ سے حروف کو مدخول کی احتیاج ہوتی ہے ایسے ہی اسمائے اشارہ "ہٰؤلاء" وغیرہ کا حال ہے اور اسمائے اشارہ کو بھی وجود قرینہ کی احتیاج ہے۔

او یکون علی اقل من ثلثۃ احرف۔ یہ "بان یکون فی الدلالۃ" پر معطوف ہے۔ یعنی یا یہ ہو کہ اس کے حروف کی تعداد تین سے کم ہو یا یہ کہ وہ حروف کے معنی کو شامل ہو۔ مثال کے طور پر "ذا" اور "مَن" کہ یہ دونوں تین حروف سے کم پر مشتمل ہیں اور ان کی "مِن" اور "فی" کے ساتھ مشابہت پائی گئی۔ پس انہیں مبنی قرار دیا جائیگا۔ اور اس طریقہ سے "احدعشر" سے "تسعۃ عشر" تک کہ ان مثالوں میں واؤ جو حرفِ عطف ہے اس کے معنی موجود رہتا۔ اس لئے کہ مثلاً "احدعشر" یہ درحقیقت "احد وعشر" ہے اور یہ واؤ دراصل معنیٔ حرفِ عطف پر مشتمل ہے۔ تو معنیٔ

حرف پر مشتمل ہونے کے باعث یہ مبنی ہوگا۔

وہذا القسم لایصیر معربا الخ یعنی یہ قسم جس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہے وہ قطعی طور پر معرب نہیں ہوا کرتی۔ نہ وہ بالقوہ معرب ہوتی ہے اور نہ بالفعل۔

وحکمہ ان لایختلف الخ "حکمہ" میں موجود ضمیر مبنی کی دوسری قسم کی جانب لوٹ رہی ہے یعنی یہ حکم اس مبنی کا قرار دیا جائے گا جس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت ہو۔

صاحب کتاب کے "باختلاف العوامل" کہنے کا سبب یہ ہے کہ مبنی کا آخر عاملوں کے بدلنے سے نہیں بدلتا بلکہ از خود بدل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "من امرر" "من زید"۔ ان ذکر کردہ مثالوں میں "من" استفہامیہ مبنی ہونے کے باوجود بدل رہا ہے مگر اس تبدیلی میں عوامل کی تبدیلی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

وحرکاتہ تسمی الخ حرکات مبنی کی تعبیر "القاب" سے بھی کیجاتی ہے۔ اور حرکاتِ معرب کی تعبیر "انواع" کے نام سے کیجاتی ہے۔ ضمہ کو ضمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں اور ضمہ کے معنی ہی ملانے کے آتے ہیں۔ اور معنیٔ فتحہ ہے کھلنا اور اس کی ادائیگی کے وقت منھ کھل جاتا ہے اس واسطے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ اور کسرہ کا نام کسرہ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے ادا کرتے وقت نیچے کا ہونٹ سکڑ جایا کرتا ہے۔

وہو علیٰ ثمانیۃ انواع الخ۔ "ہو" ضمیر بجانب مبنی لوٹ رہی ہے۔ یعنی مبنی کی علی الاطلاق آٹھ قسمیں ہیں۔ اور ضمیر کے مبنی کی جانب لوٹنے کا سبب یہ ہے کہ اگر اسے اس اسم کی جانب لوٹایا جائے جس کی مشابہت مبنی الاصل سے ہو تو "اصوات" کا ان قسموں سے خارج ہونا لازم آتا ہے جبکہ ان قسموں کے زمرے میں ہیں۔ اور انکے مبنی ہونے کا سبب مشابہت نہیں بلکہ ان کے مبنی ہونے کی وجہ غیر کے ساتھ مرکب نہ ہونا ہے۔

ایک اشکال کا جواب اگر کسی کو یہ اشکال پیش آئے کہ اصوات کا جہاں تک تعلق ہے ان کی وضع برائے معانی نہیں بلکہ محض طبعًا ان سے معانی کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ کیونکہ اسمار نہیں تو ان کو اسم مبنی کی قسموں میں شامل کرنا کس طرح درست ہوگا

تو اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ فی الحقیقت اسمار تو نہیں مگر اسمار کے ساتھ ان کا الحاق ضرور ہے وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ اسمار کے مانند فائدہ کا حصول ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر انہیں اسم مبنی کے زمرہ میں رکھا گیا۔

الاصوات۔ اسے یا تو بدل ہونے کے باعث مجرور قرار دیں گے یا اس کے اسمار پر عطف کے باعث مرفوع قرار دیں گے۔

"وبعض الظروف" پر اشکال اس جگہ اشکال یہ کیا گیا کہ صاحب کتاب نے لفظ "بعض" کا اضافہ کس مصلحت سے کیا۔

اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ اکثر و بیشتر اسمار ظروف کے مبنی نہ ہونے کی وجہ سے صاحب کتاب نے اظہار حقیقت

کی خاطر لفظ "بعض" بڑھایا ہے۔ اور اس جواب پر یہ اشکال درست نہ ہوگا کہ "اَیٌّ" اور "اَیَّۃٌ" جن کا شمار اسمائے موصولہ میں ہے انھیں "بعض" کے ساتھ مقید کیوں نہیں کیا۔ ان میں ترک کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اسمائے موصولہ مبنی ہیں تو قاعدۂ مقررہ "للاکثر حکم الکل" کے اعتبار سے گویا سارے ہی مبنی ہوئے۔

فصلٌ اَلْمُضْمَرُ اِسْمٌ وُضِعَ لِیَدُلَّ عَلٰی مُتَکَلِّمٍ اَوْ مُخَاطَبٍ اوغائب تقدّم ذکرہٗ لفظًا اومعنیً اوحکمًا وھو علٰی قسمین متصل وھو ما لا یستعمل وحدہٗ اِمّا مرفوعٌ نحو ضَرَبْتُ الٰی ضَرَبْنَ اومنصوبٌ نحو ضَرَبَنِی الٰی ضَرَبَھُنَّ وَاِنَّنِیْ اِلٰی اِنَّھُنَّ اومجرورٌ نحو غُلَامِی ولِیْ اِلٰی غلامِھِنَّ ولَھُنَّ ومُنفصِلٌ وھو ما یُستعمَلُ وحدہٗ اِمّا مرفوعٌ نحو اَنَا الٰی ھُنَّ اومنصوبٌ نحو اِیَّایَ الٰی اِیَّاھُنَّ فذٰلک سِتُّوْنَ ضمیرًا **واعلم** اَنَّ المرفوعَ المتّصلَ خاصۃً یکونُ مستترًا فی الماضی لِلغائبِ والغائبۃِ کَضَرَبَ ای ھو وضَرَبَتْ ای ھی وفی المضارِع المتکلّم مطلقًا نحو اَضْرِبُ ای انا ونضرِبُ ای نحن وللمخاطب کتَضْرِبُ ای انت وللغائبِ والغائبۃِ کیَضْرِبُ ای ھُوَ وتَضرِب ای ھِیَ وفی الصِّفۃِ اَعنِی الاسمَ الفاعِلِ والمفعُوْلِ وغیرھما مطلقًا ولایجوز استِعمالُ المنفصِلِ اِلّا عندَ تعذُّرِ المتصِلِ کاِیّاکَ نعبُدُ وماضَرَبَکَ اِلّا اَنَا وانا زیدٌ وما انت الا قائمًا **واعلم** اَنَّ لہم ضمیرًا یقعُ قبلَ جُملۃٍ تُفسِرُہٗ ویُسمّٰی ضمیرَ الشانِ فی المذکرِ وضمیرَ القِصّۃِ فی المؤنثِ نحو قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ واِنّھا زینبُ قائمۃٌ ویدخل بین المبتدأ والخبر صیغۃُ مرفوعٍ مُنفصِلٍ مطابِقٍ للمبتدأ اِذا کان الخبرُ معرفۃً اوافعل من کذا ویُسمّٰی فصلًا لِاَنّہٗ یفصِلُ بینَ الخبَرِ والصِّفۃِ نحو زیدٌ ھوالقائم وکانَ زیدٌ ھُوَ افضلُ مِن عمرٍو وقال اللّٰہُ تعالٰی کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِم

ترجمہ: یہ فصل مضمر کے بیان میں ہے۔ ضمیر وہ اسم ہے جس کی وضع اس واسطے کی گئی کہ وہ ایسے متکلم یا مخاطب یا غائب کی نشاندہی کرے جس کا ذکر اس سے قبل لفظًا یا معنًا یا حکمًا ہو چکا ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل ضمیر متصل وہ ضمیر کہلاتی ہے کہ جس کا استعمال تنہا نہ ہوتا ہو۔ یا وہ مرفوع کی ضمیر ہوگی مثلاً ضربتُ سے ضربنَ تک یا منصوب کی ہوگی مثلاً "ضربنی" سے "ضربھن" تک اور "اِنّنی" سے "اِنّھنّ" تک۔ یا وہ مجرور ہوگی مثلاً غلامی، لی، غلامھن اور "لھن" تک۔

(۲) ضمیر منفصل۔ یہ وہ ضمیر کہلاتی ہے جس کا تنہا استعمال ہوتا ہو ضمیر مرفوع مثلاً "اَنَا" سے "ھُنَّ" تک یا منصوب مثلاً "اِیّایَ" سے "اِیّاھُنَّ" تک تو یہ کل ساٹھ ضمائر ہیں اور واضح رہے کہ ضمیر مرفوع متصل خصوصیت

کے ساتھ ماضی غائب مذکر و مؤنث میں مستتر ہوا کرتی ہے مثلاً ضرب اے ہُوَ ضرب اور ضربتْ ای ہِیَ ضربتْ اور (اسی طرح) مضارع متکلم میں مطلقاً مثلاً "اضربُ" اے أنا اضربُ" اور "نضربُ" ای "نحن نضربُ" اور مخاطب کے لئے (استعمال ہوتی ہے) مثلاً "تضربُ" اے انت، اور مضارع مذکر و مؤنث غائب کے لئے مثلاً "یضربُ" اے "ہو" "تضرب" اے "ہی"۔ اور صفت یعنی اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہا میں مطلقاً استعمال ہوتی ہے۔ اور ضمیر منفصل کا استعمال اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ ضمیر متصل کا لانا دشوار ہو مثلاً "ایاک نعبد" اور "ماضربک الا انا" (تجھے زدوکوب نہیں کیا مگر میں نے) "وانا زیدٌ و ما انت الا قائمًا"۔

اور واضح رہے کہ اہل عرب میں ایک ضمیر استعمال ہوتی ہے جو ایسے جملہ سے قبل آیا کرتی ہے جو اس ضمیر کی وضاحت کر رہا ہو۔ مذکر میں اس ضمیر کا نام ضمیر الشان ہے اور مؤنث میں یہ ضمیر القصہ کہلاتی ہے۔ مثلاً "قل ہو اللہ احد" و "انہا زینبُ قائمۃٌ"۔ اور مرفوع منفصل کا صیغہ مبتدا و خبر کے بیچ میں مبتدا کے مطابق آیا کرتا ہے بشرطیکہ خبر معرفہ واقع ہو یا افعل یعنی اسم تفضیل ہو جو مِن کے ساتھ استعمال ہو اور اس کا نام فصل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ خبر و صفت کے درمیان فصل واقع ہوتا ہے مثلاً زیدٌ ہو القائم" "وکان زیدٌ ہو افضل من عمرٍو" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "کنت انت الرقیب علیہم"

تشریح المضمر اسم وضع الخ صاحب کتاب کے ضمیر کو سارے مبنیات پر مقدم کرنے اور پہلے لانے کا سبب یہ ہے کہ اس کے سارے افراد بالا تفاق مبنی شمار ہوتے ہیں اور اس کے مبنی ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ باعتبار احتیاج اس کی حروف سے مشابہت ہے۔ جس طریقہ سے حروف کو اپنے معنی کی نشاندہی کے لئے متعلق کی احتیاج ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طریقہ سے ضمیر کو بھی متعلق کی احتیاج ہوتی ہے اور ضمیر غائب ہونے کی صورت میں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے قبل اس کا ذکر ہوا ہو مثال کے طور پر کہا جائے "ضرب عمرو غلامہ" اور ضمیر مخاطب یا متکلم کی ہونے پر ضرورت خطاب کی ہوا کرتی ہے۔ یہاں "تقدم ذکرہ" صفت غائب واقع ہوئی ہے اور "لفظاً او معنًا او حکمًا" کے ذریعہ اس مرجع کی تفصیل بیان کی گئی۔

وہو علیٰ قسمین الخ۔ یہاں ضمیر کی قسمیں بیان کرتے ہیں کہ یہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ضمیر متصل اور ضمیر منفصل۔ ضمیر متصل تو اسے کہا جاتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل نہ ہو اور وہ تنہا دوسرے لفظ کو ملائے بغیر استعمال نہ ہوتی ہو۔ اور ضمیر منفصل اسے کہا جاتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل ہو اور اس کا استعمال دوسرے لفظ کو ملائے بغیر بھی ہوتا ہو مثلاً کے طور پر "ہُوَ" وغیرہ۔

اما مرفوع الخ یہاں یہ بتاتے ہیں کہ ضمیر متصل کی تین قسمیں ہیں (۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور۔ اور ضمیر منفصل کی دو قسمیں ہیں (۱) مرفوع (۲) منصوب۔ ضمیر مجرور کبھی منفصل نہیں آتی۔ اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ ضمیر میں

اصل تو یہی ہے کہ وہ متصل ہو منفصل نہ ہو۔ اور مجرور ضمیر کا جہاں تک تعلق ہے اس میں متصل ہونے سے رکاوٹ بننے والی کسی چیز کا وجود نہیں اسلئے وہ دائمی طور پر متصل ہی آیا کرتی ہے، منفصل کبھی نہیں آتی۔ اس طرح ساری ضمیریں پانچ اقسام پر مشتمل ہوئیں۔

ان المرفوع المتصل خاصۃً یکون مستتراً الخ۔ واضح رہے کہ ضمیر کی دو قسمیں ہیں (۱) ضمیر بارز (۲) ضمیر مستتر۔ ضمیر بارز اسے کہا جاتا ہے کہ جس کا لفظوں میں تلفظ ہو اور ضمیر مستتر وہ کہلاتی ہے کہ جس کا لفظوں میں تلفظ نہ ہو بلکہ باعتبار حکم وہ لفظ کے درجہ میں ہو۔

یہاں صاحب کتاب یہ ظاہر فرمانا چاہ رہے ہیں کہ وہ کون کون سے صیغے ہیں جن میں ضمیر متصل مستتر و پوشیدہ ہوا کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ماضی میں واحد مذکر اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں ضمیر متصل پوشیدہ ہوتی ہے بشرطیکہ اسم ظاہر کی جانب ان کی اسناد نہ ہو۔ اور اسی طرح مضارع متکلم کے صیغہ میں ضمیر پوشیدہ ہوا کرتی ہے خواہ صیغۂ واحد متکلم ہو یا جمع متکلم۔ اور خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ ایسے ہی مضارع مذکر غائب و مؤنث غائب اور مضارع مخاطب واحد مذکر میں ضمیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ ضمیر مرفوع متصل جس کی اسناد اسم ظاہر کی جانب نہ ہو۔ صفت کے صیغہ میں علی الاطلاق پوشیدہ ہوا کرتی ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ اسم مفعول ہو یا اسم تفضیل یا صفت مشبہ یا اسم فاعل نیز وہ چاہے مؤنث ہو اور چاہے مذکر۔

ایک اشکال کا جواب | اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ "ضاربان" میں دیکھا جائے تو الف پوشیدہ ہے اور اسی طرح "ضاربون" میں واؤ پوشیدہ ہے تو اس طرح اندرون صفت علی الاطلاق تو ضمیر پوشیدہ نہ ہوئی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اصولی اعتبار سے ان دونوں پر ضمیر کا اطلاق ہی صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ضمیر میں تغیر نہیں ہوا کرتا اور ان دونوں میں تغیر ہوتا ہے۔

ولا یجوز استعمال المنفصل الخ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ضمیر منفصل صرف اسی جگہ استعمال کی جا سکتی ہے جہاں کہ متصل ضمیر کا لانا دشوار ہو۔ وجہ یہ کہ ضمیر کی وضع اختصار کی خاطر ہوئی اور ضمیر متصل میں بمقابلہ ضمیر منفصل اعلیٰ درجہ کا اختصار ہوتا ہے۔

کایاک نعبد۔ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض اوقات ضمیر کو اس کے عامل سے پہلے حصر کے ارادہ سے لانے کے باعث بھی تعذر پیدا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "ایاک نعبد" میں ضمیر اس کے عامل سے متصل کرنے اور تقدیم ترک کر دینے کی شکل میں وہ حصر جس کا ارادہ کیا گیا ہے برقرار نہ رہے گا

وما ضربک الا انا۔ یہاں تعذر کا سبب دوم بیان کیا جا رہا ہے کہ بعض اوقات تعذر کا باعث ضمیر متصل اور اس کے عامل کے درمیان فصل ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ فصل کسی مقصد کی خاطر ہو۔ جیسے یہ ذکر کردہ مثال کہ یہاں ضمیر متصل ہونے کی صورت میں مقصد فوت ہو جائیگا۔

وانا زید ۔ یعنی بعض اوقات ضمیر متصل کے تعذر کا سبب عامل کا حرف ہونا اور ضمیر کا مرفوع ہونا ہوا کرتا ہے۔ اسلئے کہ از روئے قاعدہ ضمیر مرفوع کا حرف سے اتصال متعذر ہوتا ہے۔

واعلم ان لہم ضمیرا ۔ ہُم کا مرجع اہل عرب قرار پائیں گے یا نحوی۔ خلاصہ یہ کہ جملہ سے پہلے خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ ایک غائب کی ضمیر ہوا کرتی ہے اس کا نام مفرد مذکر ہونے کی صورت میں ضمیر شان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "قل ہو اللہ احد" اور مفرد مؤنث ہونے کی شکل میں اس کا نام ضمیر قصہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "انہا زینب قائمۃ"

ویدخل بین المبتدأ والخبر ۔ مبتدا اور خبر کے بیچ میں آنے والا صیغہ جو مرفوع متصل کا آتا ہے وہ مذکر و مونث ہونے اور صیغۂ متکلم و مخاطب و غائب ہونے میں عین مبتدا کے موافق ہوا کرتا ہے۔

اذا کان الخبر معرفۃ الخ یہاں صاحب کتاب یہ شرط بیان کرتے ہیں کہ مرفوع منفصل کا صیغہ اس صورت میں آئے گا جبکہ خبر یا تو معرفہ واقع ہو۔ کیونکہ نکرہ ہونے کی شکل میں صفت اور خبر میں التباس ہی سرے سے پیدا نہ ہوگا کہ اسے دور کرنے کی خاطر اس کی احتیاج ہو کہ مرفوع منفصل کا صیغہ لایا جائے یا یہ کہ خبر ایسی ہو جو اسم تفضیل ہو اور اس میں "من" کا استعمال ہوا ہو۔ کیونکہ اس کا حکم بھی معرفہ کا سا ہوگا۔

ویسمی فصلاً الخ ۔ اس صیغہ کی تعبیر فصل کے نام سے کرتے ہیں۔ فصل کے معنی دراصل فرق کے آتے ہیں۔ یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے باعث صفت و خبر کے بیچ میں فرق واقع ہوتا ہے۔

نحو زید ہو القائم ۔ وکان زیدٌ ہو افضل من عمرو الخ ۔ صاحب کتاب کئی مثالیں لاکر اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ صیغہ میں اس کے آنے کی دو صورتیں ہیں یعنی یہ یا تو لفظی عامل کے آنے سے قبل آئے مثلاً "زید ہو القائم" دوم یہ کہ لفظی عامل کے آنے کے بعد آئے مثلاً "زید ہو افضل من عمرو" اور ارشاد ربانی "کُنتَ انتَ الرقیب علیہم" الآیۃ

فصلٌ اسماءُ الاشارۃِ ما وُضِعَ لِیدُلَّ علیٰ مُشارٍ الیہ وھی خمسۃُ الفاظٍ لِستّۃِ مَعانٍ وذٰلِکَ ذَا للمذکرِ و ذَانِ وذَیْنِ لمثناہُ وتَا وتِی و ذِی وتِہ وذِہ وتِھی و ذِھی للمؤنثِ وتَانِ وتَیْنِ لمثناہُ واُولاءِ بالمدِّ والقصرِ لجمعھما وقد یلحقُ باوائلِھا ھاءُ التنبیہِ نحو ھٰذا وھٰذانِ وھٰؤلاءِ ویتّصِلُ باواخرِھا حرفُ الخِطابِ وھو ایضاً خمسۃُ الفاظٍ لِستّۃِ معانٍ نحو لَکَ، کُما، کُم، لکِ کُنَّ، فذٰلِکَ خمسۃٌ وعِشرونَ الحاصلُ مِن ضَرْبِ خمسۃٍ فی خمسۃٍ وھی ذاکَ الیٰ ذاکُنَّ وذانِکَ الیٰ ذانِکُنَّ وکذٰلِکَ البواقی **واعلم** انَّ ذَا لِلقریبِ و ذٰلِکَ للبعیدِ وذاکَ للمتوسِّطِ۔

ترجمہ :۔ یہ فصل اسمائے اشارہ کے بیان میں ہے۔ اسمائے اشارہ وہ اسم کہلاتے ہیں جن کی

وضع اسلئے ہوئی ہو کہ وہ مشار الیہ (جس کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہو) کو بتائیں۔ یہ چھ معنی کے لئے پانچ الفاظ آتے ہیں۔ ان میں سے ذَا مذکر کے لئے اور ذَانِ وذَیْنِ اس کے تثنیہ کے لئے اور تَا وتِی وذِی وتِہ وذِہ وتِہِی وذِہِی مؤنث کے لئے اور تَانِ اور تَیْنِ اس کے تثنیہ کے لئے اور اولآء مدا و قصر کے ساتھ ان مذکر و مؤنث اسمار کی جمع کے لئے۔ اور بعض اوقات ان کے شروع میں ہَا تنبیہ لائی جاتی ہے۔ مثلاً ہٰذَا و ہٰذَانِ و ہٰؤلَاء۔ اور ان کے اخیر میں حرف خطاب بھی آتا ہے۔ خطاب کے الفاظ چھ معانی کے لئے پانچ آتے ہیں مثلاً "کَ، کُمَا، کُمْ، کِ، کُنَّ" تو یہ پانچ کو پانچ میں ضرب دینے پر کل پچیس ہوئے اور یہ ہیں ذَاکَ سے ذَاکُنَّ تک اور ذَانِکَ سے ذَانِکُنَّ تک۔ اور ایسے ہی باقی۔ اور واضح رہے کہ ذَا قریب کے لئے اور ذٰلِکَ بعید کے لئے اور ذَاکَ متوسط کے لئے آتا ہے۔

تشریح: اسماء الاشارۃ ما وضع الخ۔ یعنی اسم اشارہ ایسا اسم کہلاتا ہے جس کا وضع کرنا مشار الیہ کی نشاندہی کی خاطر ہو یہاں لفظ مَا جنس واقع ہوا ہے اور لیدلّ کی حیثیت فصل کی ہے اس کے ذریعہ اسمائے اشارہ کی تعریف سے دوسرے اسمار نکل گئے۔

ایک اعتراض کا جواب یہاں یہ اعتراض کیا گیا کہ اسمائے اشارہ کی ذکر کردہ تعریف سے دوسرے اسمار اس صورت میں نکلتے ہیں جبکہ بذریعہ مشار الیہ معنیٰ اصطلاحی مقصود ہوں۔ مگر اصطلاحی معنیٰ مراد لئے جانے کی شکل میں دَور کا لزوم ہوتا ہے اور لغوی معنیٰ مقصود ہونے کی صورت میں سرے سے یہ تعریف ہی صحیح نہیں اسلئے کہ اس تعریف کی رُو سے اس کے زمرے میں لام ذہنی اور ضمیر غائب شامل ہو جاتے ہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اشارہ کے ذریعہ مقصود دراصل حسّی مشار الیہ ہے یعنی بذریعہ اعضاء وجوارح مشار الیہ کی جانب اشارہ کیا جائے۔ اور لام ذہنی وضمیر غائب کا جہاں تک تعلق ہے ان میں بجانب مرجع جو اشارہ ہوتا ہے وہ ذہنی ہوا کرتا ہے اور حسی اشارہ کا وہاں وجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ اعتراض واشکال درست نہیں۔

ایک اور جواب اس کا یہ دیا گیا کہ اسے محمول علی المجاز کیا جائے گا کہ اس کے اندر محسوس مشاہد کے درجہ میں غیر محسوس شمار ہوتا ہے۔ رہی اسم کے مبنی ہونے کی وجہ تو اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ اسمائے اشارہ کیونکہ باعتبار وضع حروف کی طرح ہوتے ہیں مثال کے طور پر ذَا۔ اس بنار پر یہ سارے مبنی شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے احتیاج میں حروف کیساتھ ان کی مشابہت کہ جیسے حروف کو دوسروں کی احتیاج ہوتی ہے ایسے ہی انھیں بھی قرینۂ اشارہ کی احتیاج ہوا کرتی ہے۔

وہی خمسۃ الفاظ لستۃ معان۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اسمائے اشارات کی تعداد پانچ ہے۔ چھ معانی کے لئے اسلئے کہ مشار الیہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ یا مذکر ہوگا اور یا مؤنث۔ بہر صورت اس کی تین حالتیں ہونگی یعنی یا وہ مفرد ہوگا یا تثنیہ یا جمع تو اس طریقہ سے یہ کل چھ معانی ہوئے۔ مگر اولآء جمع مذکر وجمع مؤنث دونوں کے لئے آتا

ہے۔ اس بنا پر چھ معانی کے لئے اسمائے اشارہ کی تعداد پانچ ہوگئی۔

ذا للمذکر۔ واحد مذکر کے واسطے ذا آتا ہے۔ نحاۃ کوفہ کے نزدیک اسم اشارہ مفرد مذکر کے لئے درحقیقت محض ذال ہے اس میں الف بڑھادیا گیا۔

وذان و ذین لمثناہ۔ ذین برائے مذکر مشار الیہ ہے۔ بحالت رفعی ذان استعمال ہوتا ہے اور نصبی و جری حالت میں ذین مستعمل ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا شمار معرب میں ہوگا یا مبنی میں۔ بعض انھیں معرب قرار دیتے ہیں اور معرب قرار دینے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بحالت نصبی و جری ذان کا الف یائے سے تبدیل ہوجاتا ہے ٹھیک اس طرح جیسے دوسرے مثنیٰ اسماء بدل جاتے ہیں۔ اور بعض حضرات انھیں مبنی قرار دیتے ہیں کیونکہ مبنی ہونے کی علت ان میں موجود ہے بلکہ اس سے بڑھ کر زجاج نحوی تو سارے اسمائے مثنیٰ کو مبنی قرار دیتے ہوئے اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سارے مثنیٰ اسماء کیونکہ حرف کے معنی پر مشتمل ہیں اس واسطے یہ مبنی ہیں۔

واضح رہے کہ ذان اور ذین کا بدلنا اور ان کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا عوامل کے مختلف ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ "ذان" کی وضع تثنیہ مرفوع کے واسطے ہوئی ہے اور "ذین" منصوب اور مجرور کے تثنیہ کی خاطر وضع کیا گیا اور ان کا معرب کی ہیئت میں ہونا اتفاقی امر ہے ارادتاً ایسا نہیں کیا گیا۔ بعض صورتوں میں تو ایسا ہے کہ "ذان" ہی کا استعمال تینوں حالتوں (رفعی، نصبی، جری) میں ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالے "ان ہذان لساحران" الآیۃ۔

وتا وتی۔ واضح رہے کہ واحد مؤنث کی جانب اشارہ کی خاطر کئی الفاظ وضع کئے گئے ہیں جنھیں صاحب کتاب نے کتاب میں بیان فرمایا۔ مگر ان میں اصل و اساس کی حیثیت کس کو حاصل ہے اس بارے میں نحویوں کی رائیں مختلف ہیں بعض ذی کو اصل قرار دیتے ہیں اسلئے کہ ذا برائے واحد مذکر اس کے مقابلے میں آیا کرتا ہے اور بعض کے نزدیک تا اصل ہے اور بعض نحاۃ دونوں ہی کو اصل قرار دیتے ہیں۔ تہ اور ذہ میں موجود الف اور یاء کو ہا سے تبدیل کر دیا اور تہی اور ذہی میں کیا گیا کہ الف و یا ہا سے تبدیل کرکے یائے تحتانیہ کا اضافہ کر دیا گیا۔

واولاء۔ یہ دو طریقہ پر مستعمل ہے یعنی مد کے ساتھ اور کھینچ کر بھی پڑھا جاتا ہے اور قصر کے ساتھ یعنی کھینچے بغیر بھی۔ بغیر کھینچے پڑھنے کی صورت میں اسے یاء کے ساتھ لکھنا چاہئے اور کھینچ کر پڑھنے کی شکل میں مع الکسرہ۔ یہ برائے جمع استعمال ہوا کرتا ہے اس سے قطع نظر کہ جمع مذکر کی ہو یا مونث کی نیز اس سے قطع نظر کہ یہ جمع عاقل کی ہو یا غیر عاقل کی۔

وقد یلحق باوائلہا ہاء التنبیہ۔ یعنی اسمائے اشارہ کی ابتداء میں تنبیہ کی ہاء لے آتے ہیں کیونکہ بذریعہ اشارہ مخاطب کو تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس بناء پر ہاء تنبیہ آغاز میں لاتے ہیں تاکہ مخاطب اصل مقصود سے غفلت نہ برتے مثلاً، ہذا، ہذان، ہؤلاء۔

ویتصل باواخرہا حرف الخطاب۔ یعنی اسمائے اشارہ کے اواخر میں حرف خطاب بھی لاتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ

مخاطب کے مفرد ہونے یا تثنیہ یا جمع ہونے اور مذکر یا مؤنث ہونے کی نشاندہی ہو۔ اس حرف خطاب کا نام کاف ہے کاف کے حرف ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسم ظاہر کا اس کا قائم مقام بننا اور اس کی جگہ آنا ممنوع ہے۔ اس کے اسم ہونے کی صورت میں اسم ظاہر کا اس کا قائم مقام بننا اور اس کی جگہ آنا ——— درست ہوتا۔ دوم اس کے حرف ہونے کی ایک علامت اس کا مستقل بالمفہوم نہ ہونا بھی ہے۔

وهو ایضاً خمسة الفاظ لستة معان۔ یعنی چھ معانی کے لئے حروف خطاب کی کل تعداد پانچ ہے۔ پانچ کا سبب یہ ہے کہ "کُمَا" برائے تثنیہ مذکر و مونث دونوں کے واسطے ہوتا ہے کَ برائے مفرد مذکر کُمَا برائے تثنیہ مذکر و مونث کُمْ برائے جمع مذکر کِ برائے واحد مؤنث۔ کُنَّ برائے جمع مؤنث۔

واعلم ان ذا۔ ذَا کا استعمال مشار الیہ قریب کے لئے ہوتا ہے کیونکہ اس میں حروف کم ہیں اور ذلکَ کا استعمال مشار الیہ بعید کے واسطے ہوا کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حروف زیادہ ہیں اور ذاکَ کا استعمال متوسط کے واسطے ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ حروف کے اعتبار سے اس میں توسط ہے۔

فصل الموصُول اسمٌ لایَصلُحُ ان یَکُونَ جُزْءًا تامًا مِن جملةٍ اِلّابصلَةٍ بَعدَہٗ والصِلَةُ جملةٌ خبریّةٌ ولابدَّ من عائدٍ فیها یعودُ الی الموصُول مثالُہٗ اَلّذِی فی قولنا جَاءَ الَّذِی ابوہٗ قائِمٌ اوقامَ ابوہٗ وَالذی للمذکر واللذان والَّذِیْنَ لمثناہٗ والتی للمؤنّثِ واللتانِ واللتین لمثناها والَّذِیْنَ و الاُلٰی لجمعِ المذکرِ واللاتی واللواتی و اللاءِ واللائی لجمعِ المؤنثِ و مَا ومَن واَیٌّ واَیَّةٌ وذو بمعنی الّذی فی لغة بنی طی کقول الشاعر شعر

فَاِنَّ الماءَ ماءُ ابی وجدّی	وبیری ذو حفرتُ وذو طویتُ

ای الذی حفرتُہٗ والذی طویتُہٗ والالفُ واللامُ بمعنی الذی صلتُہٗ اسمُ الفاعِلِ واسمُ المفعول نحوجاءنی الضاربُ زیدًا ای الذی یَضْرِبُ زیدًا اوجاءنی المضروبُ غلامُہٗ ویجوزُ حذفُ العائِدِ مِنَ اللفظِ ان کانَ مفعولًا نحوقام الذی ضَرَبْتُ ای الذی ضربتُہٗ واعلم اَنَّ اَیًّا و اَیَّةً معربةٌ الا اذاحُذِفَ صدرُ صِلتِها کقولہ تعالٰی ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرحمٰنِ عِتِیًّا ای هو اشدُّ۔

ترجمہ :۔ یہ فصل اسم موصول کے بیان میں ہے۔ موصول ایسا اسم کہلاتا ہے جو بغیر صلہ کے جزء تام نہ

بن سکے۔ اسم موصول کا صلہ جملہ خبریہ ہوا کرتا ہے اور اس میں ایسی چیز کا ہونا ناگزیر ہے (خواہ وہ ضمیر ہو یا کوئی اور) جو کہ اسم موصول کی جانب لوٹتی ہو۔ اس کی مثال ہمارے قول "جاء الذی ابوہٗ قائم" یا "قام ابوہٗ" میں "الذی" ہے۔ اور "الذی" برائے واحد مذکر اور "اللذان" اور اللذین" برائے تثنیہ مذکر اور "التی" برائے مونث اور "اللتان" اور "اللتین" برائے تثنیہ مونث ہیں۔ اور "الذین" اور "الأُلی" برائے جمع مذکر اور "اللاتی" اور "اللواتی" "اللاء" "اللائی" برائے جمع مونث ہیں اور ما، من، ایّ، ایّۃ الذی کے معنیٰ میں آتے ہیں۔ اور ذو بنی طے کی لغت میں بمعنی الذی آتا ہے۔ مثلاً شاعر کا قول

فَاِنَّ الْمَاءَ مَاءُ اَبِیْ وَجَدِّیْ ✦ وَبِئْرِیْ ذُوْ حَفَرْتُ وَذُوْ طَوَیْتُ

اے الذی حفرتہ والذی طویتہ۔ (تحقیق وہ میرے باپ دادا کا پانی ہے، اور وہ میرا کنواں ہے جسے میں نے کھودا اور جس کی منڈیر میں نے تیار کی) اور وہ الف ولام جو بمعنی "الذی" ہو اسم فاعل اور اسم مفعول اس کا صلہ آیا کرتا ہے مثلاً "جاءنی الضاربُ زیداً"، اے الذی یضرب زیداً۔ یا "جاءنی المضروب غلامہٗ" اور یہ جائز ہے کہ عائد کے مفعول ہونے کی صورت میں اسے لفظ سے حذف کر دیا جائے مثلاً "قام الذی ضربتُ"، ای الذی ضربتہٗ۔

اور واضح رہے کہ "ایّا" اور "ایّۃ" معرب شمار ہوتے ہیں لیکن اگر ان کا صلہ حذف کر دیا گیا ہو (تو مبنی ہو جائیں گے) جیسے ارشاد باری تعالیٰ "ثم لننزعنّ من کل شیعۃٍ ایّھم اشدُّ علی الرحمٰن عتیّا۔ اے ہو اشد۔

تشریح: الموصول اسم الخ واضح رہے کہ حروف سے مشابہت کے باعث اسم موصول کا شمار مبنی میں ہوتا ہے اور جس طریقہ سے حروف کو دوسرے کی احتیاج ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح اسم موصول کو بھی صلہ کی احتیاج ہوا کرتی ہے۔

والصلۃ جملۃ خبریۃ الخ صاحب کتاب صلہ کے متعلق فرما رہے ہیں کہ صلہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ جملہ خبریہ ہوا کرتا ہے۔ اور صلہ کے جملہ خبریہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو تعریف مجہول بالمجہول لازم آئے گی اور یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ رہی یہ بات کہ صلہ کے واسطے یہ کیوں ناگزیر ہے کہ وہ جملہ ہو، تو دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ صلہ برائے بیانِ موصول ہوا کرتا ہے اور موصولات کی وضع کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے۔ اور اس مقصد وغرض کی تکمیل کے لئے یہ لازم ہے کہ صلہ جملہ واقع ہو اور از روئے ضابطہ موصول کا صلہ جملہ انشائیہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جملہ خبریہ ہی ہوا کرتا ہے۔

ولابد من عائد فیھا یعود الخ۔ یہاں صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ صلہ میں یہ ضروری ہے کہ ایک عائد ہو۔ بیشتر یہ عائد ضمیر ہی ہوا کرتی ہے اور بجانبِ موصول لوٹا کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صلہ کی اپنے موصول سے ملکر ایک مستقل

جملہ کی حیثیت ہوتی ہے تو صلہ وموصول میں باہمی ربط کی خاطر ضمیر کا ہونا ناگزیر ہوا۔ اس ربط کے ذریعہ باہمی اجنبیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر "جاء الذی ابوہ قائم" کہ اس میں "الذی" تو موصول واقع ہوا اور موصول کا صلہ باقی جملہ یعنی "ابوہ قائم" ہے۔ ابوہٗ میں ضمیر عائد بجانب الذی لوٹے گی اور موصول مع صلہ فاعل "جاء" واقع ہوگا یہ بات واضح رہے کہ اکثر و بیشتر عائد ضمیر ہی واقع ہوتی ہے مگر بعض اوقات اسم ظاہر مضمر کا قائم مقام ہوکر عائد بنجاتا ہے۔ مثال کے طور پر "جاء الذی ضرب عمرو" یہاں اسم ظاہر یعنی عمر بطور عائد ضمیر کا قائم مقام ہے۔

والذی للمذکر الخ یعنی "الذی" برائے واحد مذکر "التی" برائے واحد مؤنث اور بحالت رفع اللذان اور اللتان برائے تثنیہ مذکر و تثنیہ مؤنث اور اسی طریقہ سے "اللذین" اور "اللتین" بحالت نصب و جر برائے تثنیہ مذکر اور برائے تثنیہ مؤنث۔ "اولیٰ" فعلیٰ کے وزن پر برائے جمع مذکر و جمع مؤنث آتا ہے۔

وذو بمعنی الذی۔ بنوطے کی لغت کے اعتبار سے اسم موصول شمار ہوتا ہے اور یہ بمعنی "الذی" ہوا کرتا ہے بنوطے کی لغت کی صراحت اس بنا پر کی گئی کہ لغتِ بنوطے کے علاوہ لغات میں اسے موصول قرار نہیں دیا گیا واضح رہے کہ "ذو" کے دو معنی آتے ہیں (۱) مال والا۔ اسے معرب شمار کیا گیا (۲) "ذو" الذی اور التی کے معنی میں۔ یہ محض بنوطے کی لغت کے اعتبار سے ہے اور مبنی شمار ہوتا ہے۔ نیز اس کا استعمال واحد، تثنیہ، جمع مذکر و مونث، غائب و حاضر تمام کے واسطے ہوتا ہے۔

فان الماء۔ یہ شعر کہنے والا سنان ابن مجل طائی ہے جو بنوطے میں سے ہے۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ پانی اور یہ کنواں جسے میں نے کھود کر اس کی منڈ تیار کی یہ کوئی نیا نہیں بلکہ یہ پانی تو مجھے آبائی طور پر وراثتاً ملا ہے اس لئے نزاع درست نہیں۔

والالف واللام۔ یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ الف اور لام بھی اسم موصول ہے اور یہ اسم فاعل یا اسم مفعول پر آتا ہے اور جس پر یہ آتا ہے اس کے لحاظ سے "الذی" یا التی یا اللتان یا اللذان یا اللذین یا اللائی کے معنی میں ہو جاتا ہے اور اس اسم فاعل یا اسم مفعول کو اس کا صلہ قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے، "جاء نی الضارب زیدًا" اس مثال میں "الضارب" میں الف لام "الذی" کے معنی میں ہے۔

ویجوز حذف العائد۔ یعنی صلہ میں موجود ضمیر جو بجانب موصول راجع ہوتی ہے اگر وہ مفعول ہو تو یہ درست ہے کہ اس کا تلفظ نہ ہو اور لفظاً کلام سے فاضل و زائد ہونے کی بنا پر حذف کر دی جائے البتہ اگر اس حذف کے سلسلہ میں کوئی مانع پایا جائے تو ایسی صورت میں یہ درست نہ ہوگا کہ مفعول کی ضمیر حذف کر دی جائے اور ضمیر کے بجائے مفعول فاعل ہونے کی شکل میں اسے حذف کر دینا درست نہ ہوگا۔ اور ضمیر مرفوع کے مبتدا ہونے پر اس صورت میں حذف صحیح ہوگا جبکہ اس مبتدا کی خبر نہ تو جملہ واقع ہو اور نہ ظرف۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ بعد "ایٌّ" خبر مرفوع حذف کر دی جائے۔

ان ایا وایۃ معربتہ۔ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں سوائے ایک شکل کے اور ساری شکلوں میں

معرب ہوا کرتے ہیں۔ اور ایک شکل مبنی ہونے کی یہ ہے کہ ان کے صلہ کا پہلا جزء حذف کر دیا گیا ہو۔ نیز یہ مضاف واقع ہوں۔

واضح رہے کہ " ایٌّ " اور " ایّۃٌ " کے چار حال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک یا تو مضاف واقع ہوگا یا مضاف واقع نہ ہوگا۔ مضاف واقع نہ ہونے کی صورت میں وہ معرب قرار دیئے جائیں گے اس سے قطع نظر کہ صلہ کا اول حصہ ذکر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ اور مضاف ہونے کی صورت میں اگر صلہ کا اول حصہ ذکر نہ کیا گیا ہو تو یہ مبنی قرار دیئے جائیں گے۔ مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ " ثم لننزعن من کل شیعۃ ایّھم اشد علی الرحمٰن عتیّا " اے ایّھم ھو اشد، اس موقعہ پر " ایّھم " مرفوع پڑھا جائے گا اور مبنی ہوگا کیونکہ ذکر کردہ مثال میں صلہ کا اول حصہ ذکر نہیں کیا گیا۔

فصل اسماءُ الأفعال ھُوَ کُلُّ اسمٍ بمعنی الأمرِ والماضی نحو رُوَیدَ زیدًا ای اَمْھِلْہُ وھَیْھَاتَ زیدٌ ای بَعُدَ اوکانَ علی وزنِ فَعَالِ بمعنی الامر وھو من الثلاثی قیاسٌ کنزالِ بمعنی اُنْزُلْ وتراکِ بمعنی اُتْرُکْ ویلحق بہ فعالِ مصدرًا معرفۃً کفجارِ بمعنی الفجورِ اوصفۃً للمؤنثِ نحو یا فساقِ بمعنی فاسقۃٍ ویا لکاعِ بمعنی لاکعۃٍ اوعلمًا للاعیانِ المؤنثۃِ کقطامِ وغلابِ وحضارِ وھٰذہِ الثلثۃُ لیستْ من اسماءِ الافعالِ وانما ذُکِرتْ ھٰھنا للمناسبۃ

ترجمہ:۔ یہ فصل اسمائے افعال کے بیان میں ہے۔ ہر ایسا اسم کہلاتا ہے جو امر اور ماضی کے معنی میں ہو مثلاً " رُوَیدَ زیدًا " اے امہلہ، (زید کو مہلت عطا کر) " ھیہات زیدٌ " اے " بعد " (زید دور ہوگیا) یا بروزن فعال بمعنی امر ہو اور وہ ثلاثی مجرد سے قیاس ہوا کرتا ہے مثلاً " نزال " بمعنی انزل اور تراک بمعنی اترک۔ اور اس کے ساتھ فعال بمعنی مصدر معرفہ کا الحاق کیا جاتا ہے۔ مثلاً فجار بمعنی فجور۔ یا یہ کہ وہ بمعنیٰ صفت مؤنث ہو مثلاً فساق بمعنی فاسقۃ اور " یالکاع " بمعنی لاکعۃ یا مؤنث کے لئے علم ہو۔ مثلاً " قطام " اور " غلاب " اور حضار " اور ان تینوں کا شمار اسمائے افعال میں نہیں ہوتا۔ اور یہاں ان کا ذکر مناسبت کے باعث کیا گیا۔

تشریح:۔ اسماء الافعال۔ صاحب کتاب کے اسمائے اصوات پر اسمائے افعال کو مقدم کرنے اور انھیں پہلے لانے کا سبب یہ ہے کہ اسمائے افعال کے مبنی ہونے کا سبب اسمائے اصوات کے مبنی ہونے کے سبب سے زیادہ قوی ہے اس کے قوی ہونے کی عنقریب وضاحت ہوجائے گی۔

ہو کل اسم بمعنی الامر والماضی الخ واضح رہے کہ " اسمائے افعال " ترکیب کے اعتبار سے مبتدا واقع ہوا ہے اور ضمیر " ہو " فصل واقع ہوئی ہے ۔

ایک اشکال کا جواب

اس جگہ ایک اشکال یہ کیا گیا کہ " ہو " تو مفرد ضمیر ہے اور اسمار اسم کی جمع ۔ اور مفرد ضمیر کا جمع کی طرف لوٹنا درست نہیں ۔ اس قاعدہ کی رو سے یہاں ضمیر مفرد نہ لانی چاہئے تھی ۔

اس کا جواب دیا گیا کہ یہاں مفرد ضمیر جو اسمار کی جانب لوٹ رہی ہے وہ بتاویل کُل واحد لوٹ رہی ہے ۔ یا یہ کہ ضمیر اسمار کی جانب راجع نہیں بلکہ اس کے ضمن میں موجود مفرد اسم کی جانب لوٹ رہی ہے ۔ رہا یہ سوال کہ صاحب کتاب کے " اسمار " جمع لانے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ " اسم الفعل " بھی کہہ سکتے تھے ۔

تو دراصل یہاں جمع اس مصلحت کی خاطر لائے تاکہ اس باب میں اسمائے افعال کے سارے مسائل آجائیں ۔

اسمائے افعال کے مبنی ہونے کا سبب

اسمائے افعال کے مبنی ہونے کی حقیقی وجہ ان کا مبنی الاصل کی جگہ میں آنا ہے ۔ مثال کے طور پر " روید زیدًا " کہ یہاں " روید " موضع " امہل " میں آیا ہے ۔ اور اسی طریقہ سے " ہیہات " موضع " بَعُدَ " میں آیا ہے ۔

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ صاحب کتاب کی اسمائے افعال کی ذکر کردہ تعریف سے پتہ چلتا ہے کہ اسمائے افعال کا بمعنیٔ امر و ماضی حصر ہے جبکہ یہ درست نہیں بلکہ یہ بمعنیٔ مضارع بھی آیا کرتے ہیں ۔

اس کا جواب دیا گیا کہ جو بمعنی مضارع آتا ہے وہ بھی دراصل بمعنی ماضی ہوا کرتا ہے ۔ مجازی طور پر اس کی تعبیر مستقبل سے کردی جاتی ہے ۔

نحو روید زیدًا اے امہلہ ۔ یہ یہاں ایسے اسم کی مثال بیان کی گئی جو بمعنیٔ امر ہے ۔ اسے مصدر سے نقل کیا گیا ہے ۔ نیز متعدی ہے ۔ اس کے بعد جو مثال " ہیہات زیدًا ای بَعُدَ " ذکر کی گئی یہ ایسے اسم فعل کی مثال بیان کی گئی جو بمعنی ماضی بھی ہے اور لازم بھی ۔

واضح رہے کہ نحویوں کا اعراب اسمائے افعال کے متعلق اختلافِ رائے ہے ۔ ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ ابتدار کے باعث یہ رفع کی جگہ میں ہیں ۔ پس ان کا الحاق ان کے فاعل سے کرکے انھیں خبر جملہ کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے ۔ اور بعض دیگر نحاۃ کہتے ہیں کہ مصدر ہونے کے باعث نصب کی جگہ میں ہیں پس اس بنار پر کہا جائیگا کہ " رویدا " " رَوادًا " کی جگہ آیا ہے ۔ بعض شراح فرماتے ہیں کہ ان کے بمعنیٔ امر و ماضی ہونے کے باعث ان کے لئے امر و ماضی کا سا حکم ہوگا ۔

او کان علی وزن فعال ۔ سارے اسمائے افعال سے ایک صیغۂ فعال بمعنی امر ثلاثی مجرد سے از روئے قیاس آتا ہے مثلاً " نزال " " اُنزِل " کے معنی میں اور اسی طرح " تراک " " اُترُک " کے معنی میں ۔

ویلحق بہ فعال مصدرًا ۔ خلاصہ یہ کہ جیسے ایسے فعال کا مبنی ہونا متفق علیہ ہے جو امر کے معنی میں ہو ۔ اسی

طریقہ سے اس فعال کا بنی ہونا بھی متفق علیہ ہے جو کہ دراصل مصدر معرفہ سے معدول ہو مثلاً" فجار" بمعنی " الفجور"۔
اسی طرح صفتِ مؤنث سے معدول " فعال " بھی مبنی شمار ہو گا۔
او علماللاعیان المؤنثہ۔ یا ایسے افعال بھی مبنی قرار دئے جائینگے جو اعیانِ مؤنثہ کا علم واقع ہوں مثلاً" قطام "
غلاب " حضار"۔ حالانکہ حقیقی اعتبار سے ان کا شمار اسمائے افعال میں نہیں۔

ایک سوال کا جواب

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوا کہ جب ان کا شمار اسمائے افعال میں نہیں تو پھر انھیں اسمائے افعال کی فصل کے اندر بیان کرنے کی کیا احتیاج تھی ؟
صاحبِ کتاب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ انھیں اس فصل میں ذکر کرنے کا سبب دراصل یہ ہے کہ بلحاظ وزن وعدل ان کی مناسبت فعال بمعنیٰ امر سے پائی جاتی ہے۔

فصل الاصواتُ کلُّ لفظٍ حُکِیَ بہٖ صوتٌ کغَاقِ لصَوتِ الغراب اوصُوِّت بہٖ البھائمُ کنِخّ لاناختہِ البعیرِ **فصل** المرکباتُ کلُّ اسمٍ رُکِّبَ مِن کلمتَین لیسَتْ بینھُمانسبۃٌ فان تَضمّنَ الثانی حرفاً یجبُ بناؤُھُما علی الفتحِ کاحَدَ عَشَرَ الیٰ تسعۃ عشر الا اثنی عشر فانھا معربۃٌ کالمثنّی و ان لم یتضمن ذلک ففیھا لغاتٌ افصحُھا بناء الاولِ علی الفتحِ واعراب الثانی غیرَ مُنصرف کبَعْلبَکَّ نحو جاءنی بعلبکُّ ورأیتُ بعلبکَّ ومررتُ ببعلبکَّ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل اصوات کے بیان میں ہے۔ اس کا اطلاق ہر ایسے لفظ پر ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ کوئی آواز نقل کی گئی ہو مثلاً " غاق " کوے کی آواز کے لئے یا وہ جن کے ساتھ چوپاؤں کو آواز دی جائے مثلاً " نخ " کا استعمال اونٹ بٹھانے کی خاطر۔
یہ فصل مرکبات کے بیان میں ہے۔ مرکبات کا اطلاق ہر ایسے اسم پر ہوتا ہے جو ایسے دو کلموں سے مرکب ہو جن کے درمیان نسبت نہ ہو۔ پس دوسرے کلمہ کے حرف ہونے کی صورت میں ان دونوں کا مبنی بر فتحہ ہونا واجب ہوگا مثلاً " اَحَدَ عَشَرَ " سے " تسعۃ عشر " تک۔ البتہ " اثنا عشر " مثنیٰ کی طرح معرب ہونے کی بناء پر اس سے مستثنیٰ ہے۔ اور دوسرے کلمہ کے حرف پر مشتمل نہ ہونے پر اس کے متعلق کئی لغات ہیں۔ ان میں زیادہ فصیح پہلے کلمہ کا مبنی اور دوسرے کلمہ کا معرب ہونا قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ غیر منصرف ہو مثلاً " بعلبک " جیسے " جاءنی بعلبکُّ ۔ ورأیتُ بعلبکَّ ۔ و مررتُ ببعلبکَّ ۔

تشریح الاصوات ۔ جمع صوت بمعنی آواز۔ اصوات کے مبنی ہونے کا سبب ان کا ترکیب میں واقع نہ ہونا ہے اگر کسی جگہ یہ اندرونِ ترکیب آئیں تو پھر ان میں کوئی تصرف حکایات مقصودہ باقی رکھنے کی خاطر نہیں کیا جاتا۔

ایک اشکال کا ازالہ اس کا حقیقی سبب کیا ہے کہ اصوات کو تو بوقتِ ترکیب مبنی قرار دیا جاتا ہے اور اس کے برعکس حروف کے اسم مثلاً اسم تا وغیرہ معرب قرار دیے جاتے ہیں جبکہ تا وغیرہ کے اسم ہونے کی بنا پر انہیں مبنی قرار دیا جانا چاہیئے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اسمائے حروف دراصل اپنے اپنے مسمیٰ کے لئے اسی طریقہ سے وضع کئے گئے۔ جیسے مثلاً " رجل " بمقابلہ اپنے مسمی کے۔ تو جیسے "رجل" عدم ترکیب کی صورت میں مبنی قرار دیا جاتا ہے اور بوقتِ ترکیب معرب ٹھیک ایسا ہی ان کا حال ہے۔ رہے اصوات تو یہ دراصل مسمیٰ کے لئے وضع نہیں کئے گئے اور بوقت ترکیب ان کے ذریعہ مسمیٰ مقصود نہیں ہوتا بلکہ یا مقصود محض حکایتِ صوت ہوا کرتی ہے یا اس کے ذریعہ جانور کو آواز دینے کا ارادہ ہوتا ہے۔

کل لفظ حکی الخ۔ یہاں یہ کہتے ہیں کہ "صوت" ایسا لفظ کہلاتا ہے جس کے ذریعہ کسی کی آواز نقل کی جائے مثال کے طور پر" غاق " یہ کوے کی آواز کی نقل کے لئے آیا کرتا ہے۔ یا اس کے ذریعہ چوپاؤں میں سے کسی کو آواز دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر" نخ " کہ اس کا استعمال اونٹ کو بٹھانے کی خاطر ہوا کرتا ہے۔

واضح رہے کہ اس جگہ لفظ " بہائم " مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ورنہ دراصل وہ لفظ ہیں جن کے ذریعہ چرندوں پرندوں اور دیوانوں کو آواز دیتے ہیں کہ انھیں بھی صوت کی قسم دوم میں داخل قرار دیا جاتا ہے۔

المرکبات کل اسم الخ اس جگہ یہ اشکال کیا گیا کہ یہ صحیح نہیں کہ "کل اسم" کو "المرکبات" پر محمول کیا جائے۔ اسلئے کہ محمول کرنے کی صورت میں ہر اسم کے مرکبات ہونے کا لزوم ہوگا۔ اور ہر اسم کو مرکبات کے زمرے میں داخل کرنا ممکن نہیں۔ تو صاحب کتاب کی یہ عبارت درست نہ رہی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ "المرکبات" میں آنے والا لام دراصل جنس کا ہے اور مرکبات میں معنیٰ جمع لینا درست نہیں بلکہ یہ بمعنیٰ کل اسم المرکب ہے۔

فان تضمن الثانی حرفاً الخ یعنی جزو دوم کے کسی حرف پر مشتمل ہونے کی صورت میں اس کے دونوں اجزار مبنی قرار دئے جائیں گے۔ پہلا جزر تو اس بنیاد پر کہ اسے دوسرے جزر کی احتیاج ہے اور یہ بر بنائے ضرورت اس کی مشابہت حرف سے ہوگئی اور دوسرا جزو اسواسطے کہ مبنی الاصل یعنی خمسۃ عشر وغیرہ کا دوسرا جزو حرف پر مشتمل ہے البتہ اثنیٰ عشر اور اثنتیٰ عشر کہ انھیں معرب قرار دیا جاتا ہے۔

وان لم یتضمن ذلک الخ یعنی جزدِ دوم کے حرف پر مشتمل نہ ہونے کی صورت میں وہ تو معرب شمار ہوگا اور زیادہ فیصح لغت کی رُو سے پہلا جزر مبنی قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ کلمہ کے وسط میں آرہا ہے اور رہا دوسرا جزر وہ

معرب اور منصرف ہو جائے گا۔

فیہا لغات۔ اسم مرکب سے متعلق چار لغات موجود ہیں اور وہ چار حسب ذیل ہیں۔

(۱) ان دونوں میں سے ہر جزء باعتبار اعراب مضاف اور مضاف الیہ کی طرح ہو۔ نیز دوسرا جزء غیر منصرف ہو۔ پس اول کا رفع مع الضمہ، نصب مع الفتحہ اور جر مع الکسرہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ عامل کے تقاضے کے مطابق مرکب کا اعراب ہوگا۔ اور جزء دوم غیر منصرف ہونے کی بنار پر بحالت جر بھی منصوب رہے گا۔

(۲) جزء اول کا اعراب عوامل کے مطابق ہو یعنی رفع مع الضمہ، نصب مع الفتحہ، جر مع الکسرہ اور دوسرا جزء منصرف کہ دائمی طور سے اس پر اعراب جر مع الکسرہ ہو۔

(۳) دونوں جزء فتحہ پر مبنی ہوں۔

(۴) چہارم وہی ہے جسے کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

فصل الكنايات هي اسماءٌ تدلُّ على عددٍ مبهمٍ وهي كم وكذا اوحديثٍ مبهمٍ وهو كَيْتَ وذَيْتَ واعلم انَّ كم على قسمَيْنِ استفهاميةٌ ومَابعدَها منصوبٌ مفردٌ على التميز نحو كَمْ رجُلاً عندَكَ وخبريةٌ ومابعدَها مجرورٌ مفردٌ نحو كم مالٍ انفقتَهُ او مجموعٌ نحو كم رجالٍ لقيتُهُمْ ومعناه التكثيرُ وتدخُلُ من فيهما تقول كم من رَجُلٍ لقيتَهُ وكم من مالٍ انفقتَهُ وقد يُحذَفُ التميزُ لقيامِ قرينةٍ نحو كم مالُكَ اى كم ديناراً مالكَ وكم ضربتَ اى كم ضربةٍ ضربتَ واعلم انَّ كم في الوَجْهَيْنِ يقعُ منصُوبًا اذا كان بعدَهُ فعلٌ غيرُ مشتغِلٍ عَنْهُ بضميرِه نحو كم رجلاً ضربتَ وكم غلامٍ ملكتَ مفعولاً بهٖ ونحو كم ضربةً ضربتَ وكم ضربةٍ ضربتَ مصدرًا وكم يومًا سرتَ وكم يومًا صمتُ مفعولاً فيهِ ومجرورًا اذا كانَ قَبْلَهُ حَرفُ جَرٍّ او مضافٌ نحو بِكَمْ رَجُلاً مررتَ وعلى كَمْ رَجُلٍ حكمتَ وغلامَ كم رجُلاً ضربتَ ومالُ كم رجُلٍ سَلَبْتَ ومرفوعًا اذا لم يكنْ شيئًا من الامرين مبتدأً ان لم يكنْ ظرفًا نحو كم رجُلاً اخوكَ وكم رجُلٍ ضربتَهُ وخبرًا ان كان ظرفًا نحو كم يَوْمًا سَفَرُكَ وكم شهرٍ صَوْمِي ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل کنایات کے بیان میں ہے۔ یہ وہ اسمار کہلاتے ہیں جن کے ذریعہ مبہم عدد کی نشاندہی ہوتی ہو۔ یہ ہیں کم و کذا۔ یا کسی مبہم بات کی نشاندہی کرتے ہوں۔ یہ ہیں کیت و ذیت۔ واضح رہے کہ کم

کی دو قسمیں ہیں (۱) کم استفہامیہ۔ اس کا اطلاق اس اسم پر ہوتا ہے کہ اس کے بعد تمیز کے باعث مفرد منصوب ہو مثلاً "کَمْ رجلاً عندک"۔

(۲) کم خبریہ۔ اس کا اطلاق اس اسم پر ہوتا ہے جس کے بعد مجرور مفرد ہو۔ مثلاً کم مالٍ انفقتہٗ، یا مجموع مجرور ہو مثلاً "کم رجالٍ لقیتہم" یہ تکثیر کے معنی میں آتا ہے اور "من" ان دونوں کی تمیز پر آتا ہے۔ کہو گے: کم من رجلٍ لقیتہٗ، وکم من مالٍ انفقتہٗ، اور بعض اوقات تمیز قرینہ پایا جانے کے باعث حذف کردی جاتی ہے مثلاً "مالک" اے کم دیناراً مالک۔ وکم ضربتَ اے کم ضربۃً ضربتَ" اور واضح رہے کہ کم کے آنے کی دو شکلیں ہیں۔ اگر اس کے بعد ایسا فعل آئے کہ جو اس کی ضمیر کے باعث اس سے اعراض کرنے والا نہ ہو تو وہ منصوب ہوگا۔ مثلاً "کم رجلاً ضربتَ وکم ضربۃً ضربتَ۔ مصدر مفعول مطلق ہونے کے باعث اور "کم یوماً سرتَ، وکم یوماً صمتُ" مفعول فیہ ہونے کے باعث۔ اور اگر اس سے پہلے حرف جر ہو یا یہ کہ مضاف ہو تو وہ مجرور ہوگا مثلاً "بکم رجلاً مررتَ، وعلیٰ کم رجلٍ حکمتُ وغلام کم رجلاً ضربتَ ومالُ کم رجلٍ سلبتُ" اور ذکر کردہ دونوں چیزیں (منصوب ومجرور) مبتدا نہ ہونے کی صورت میں یہ مرفوع ہوگا بشرطیکہ ظرف واقع ہو۔ مثلاً "کم رجلاً اخوک" وکم رجلٍ ضربتُہٗ۔ اور ظرف ہونے کی صورت میں یہ خبر واقع ہوگا مثلاً کم یوماً سفرک وکم شہرٍ صومی"۔

تشریح:- الکنایات۔ جمع کنایہ۔ یعنی لفظ بول کر غیر مدلول کا ارادہ کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے "زیدٌ کثیر الرماد" اور مراد اس سے یہ لیا جاتا ہے کہ زید کریم ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں کنایہ کی تعبیر یوں بھی ہوسکتی ہے کہ کسی چیز کو کسی مقصد کی خاطر ایسے الفاظ سے بولنا جو معنی کی نشاندہی میں واضح نہ ہوں۔ مگر اس جگہ مقصود یہ مصدری معنی سرے سے ہیں ہی نہیں بلکہ دراصل حاصل مصدر مقصود ہے یعنی ایسے اسماء جن سے کنایہ کا کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی سارے نہیں بلکہ محض بعض ہی مراد ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بعض اسماء کا شمار معرب میں ہوتا ہے۔

وہی کم وکذا۔ یعنی بذریعہ عدد کنایہ کی خاطر کم اور کذا استعمال کئے جاتے ہیں۔ پھر کم دو قسموں پر مشتمل ہے۔ (۱) کم استفہامیہ (۲) کم خبریہ۔ کم استفہامیہ کے مبنی ہونے کی بنیاد اس کا حرف استفہام کے معنی کو شامل ہونا ہے۔ رہا کم خبریہ تو وہ مبنی ہونے میں اسی پر محمول ہوا کرتا ہے اور کذا میں کاف برائے تشبیہ ہے ذا اسم اشارہ۔ اور ان دونوں کا شمار مبنی میں ہوتا ہے لہذا قاعدہ کے مطابق ان دونوں سے مرکب شدہ چیز بھی مبنی ہی قرار دی جائے گی۔

وہو کیتَ وذیتَ۔ ان دونوں کا استعمال کلام میں کنایہ کی خاطر ہوتا ہے اور انہیں مبنی قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے مبنی ہونے کا سبب ان کا جملہ کی مقرر جگہ میں آنا ہے اور جملہ کا شمار بوقت تقسیم مبنی ہی میں ہوا کرتا ہے۔

وما بعدہا منصوب مفرد الخ یعنی جہاں تک کم استفہامیہ کی تمیز کا تعلق ہے وہ مفرد ہوا کرتی ہے۔

مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کم رجلاً عندک۔ رہی کم خبریہ کی تمیز کی حالت تو وہ بعض اوقات مجرور مفرد آتی ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "کم مالٍ انفقتہ"۔ اور بعض اوقات بجائے مفرد کے مجرور جمع آتی ہے مثلاً کم رجالٍ لقیتھم "۔

وتدخل من فیھما۔ یعنی جہاں تک "من" بیانیہ کا تعلق ہے وہ خواہ کم خبریہ ہو یا کم استفہامیہ دونوں ہی کی تمیز کی ابتدا میں آیا کرتا ہے۔ اور اس موقعہ پر کم کی تمیز مجرور ہوا کرتی ہے۔ اور ایسے موقعہ پر بذریعہ قرینہ یہ پتہ چلے گا کہ یہاں کم خبریہ آیا ہے یا کم استفہامیہ مثلاً کہا جائے "کم من رجلٍ لقیتہ" (وہ کتنے لوگوں سے ملا) تو یہاں قرینہ سے پتہ چل گیا کہ کم استفہامیہ ہی کی تمیز پر "من" آیا ہے۔ اور یا مثال کے طور پر کہا جائے "کم من مالٍ انفقتہ" (میں نے بہت سا مال خرچ کیا) تو اس جگہ بذریعہ قرینہ کم خبریہ کی تمیز پر منؔ کے آنے کا پتہ چلا۔ البتہ اگر ایسا ہو کہ کم اور کم کی تمیز کے بیچ میں کوئی متعدی فعل آرہا ہو تو اس صورت میں خواہ کوئی سا کم ہو اس کی تمیز پر منؔ کا لانا لازم ہو گا۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد ربانی "کم اھلکنا من قریۃ " (الآیۃ)

وقد یحذف التمیز الخ یعنی خواہ کم خبریہ ہو یا استفہامیہ جب تمیز کے حذف پر کوئی قرینہ پایا جاتا ہے تو بسا اوقات تمیز حذف کر دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تمیز کو حذف کرتے ہوئے کہتے ہیں "کم مالک" یعنی "کم دیناراً مالک"۔ یا کہتے ہیں "کم ضربت" یعنی "کم ضربۃً ضربتُ "

واعلم ان کم فی الوجھین الخ واضح رہے کہ کم خواہ خبریہ ہو یا استفہامیہ دونوں ہی محل کے اعتبار سے مرفوع بھی ہوا کرتے ہیں اور منصوب و مجرور بھی۔ صاحب کتاب یہاں اس کی تفصیل بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کم کے بعد اگر ایسا فعل آرہا ہو یا مشابہ فعل آرہا ہو کہ وہ کم کی ضمیر یا متعلق ضمیر کے باعث کم میں کوئی عمل نہ کرے تو دونوں شکلوں میں کم منصوب ہوگا۔ یعنی عمل فعل بلحاظ تمیز ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر تمیز کم میں اس کی صلاحیت موجود ہو کہ وہ مفعول بہ ہو سکے تو کم اس فعل کا مفعول بہ واقع ہو گا۔ اور مفعول مطلق کی اہلیت ہونے کی صورت میں کم ذکر کردہ فعل کا مفعول مطلق واقع ہو گا۔ اسی طرح وہ مفعول فیہ بھی واقع ہو گا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "کم یوماً صمتُ "

مجروراً اذا کان قبلہ حرف۔ یعنی اگر کم خبریہ یا کم استفہامیہ سے پہلے حرف جر آرہا ہو یا یہ کہ وہ مضاف ہو تو اسے مجرور قرار دینگے اور اس پر جر آئے گا۔ مثال کے طور پر کہا جائے " بکم رجلاً مررتُ "

ومرفوعاً اذا لم یکن شیئاً۔ اگر ان دو اسباب میں سے جو اوپر ذکر کیے گئے کوئی سبب نہ پایا جائے تو اس صورت میں کم پر مبتدا ہونے کے باعث رفع آئے گا۔ مگر اس کا ظرف نہ ہونا شرط ہے مثال کے طور پر کہا جائے "کم رجلاً اخوک "۔ اور ظرف ہونے کی صورت میں خبر ہونے کے باعث اس پر رفع آئے گا مثلاً کہا جائے: "کم یوماً سفرک "۔

فصل الظروفُ المَبْنِیَّۃُ علیٰ اقسامٍ منھا ما قُطِعَ عنِ الاِضافۃِ بِاَن حُذِفَ المضافُ الیہ کقَبْلُ و بعدُ وفوقُ وتحتُ قال اللّٰہ

تعالىٰ لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ اى من قبل كل شئ ومن بعد كل شئ هذا اذا كان المحذوف منويًا للمتكلم والا لكانت معربة وعلى هذا قرئ لِلّٰهِ الامر من قبلٍ ومن بعدٍ وتسمى الغايات **ومنها** حيث بُنيت تشبيهًا لها بالغايات لئلا زمتها الاضافة إلى الجملة فى الاكثر قال الله تعالىٰ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وقد يضاف الى المفرد كقول الشاعر ع "اما ترى حَيْثُ سُهَيْلٍ طَالِعًا" اى مكان سهيل فحيث هذا بمعنى مكان وشرطه ان يُضاف الى الجملة نحو اجلس حَيْثُ يَجْلِسُ زَيْدٌ **ومنها** إذا وهى للمستقبل وإذا دخلت على الماضى صار مستقبلًا نحو اذا جاء نصر الله وفيها معنى الشرط ويجوز أن تقع بعدها الجملة الاسمية نحو آتيك إذا الشمس طالعة والمختار الفعلية نحو آتيك اذا طلعت الشمس وقد تكون للمفاجاة فيختار بعدها المبتدأ نحو خرجت فإذا السبع واقف **ومنها** إذ وهى للماضى وتقع بعدها الجملتان الاسمية والفعلية نحو جئتك اذ طلعت الشمس واذ الشمس طالعة **ومنها** أين وأنّى للمكان بمعنى الاستفهام نحو اين تمشى وأنّى تقعد وبمعنى الشرط نحو اين تجلس اجلس و انّى تقم اقم **ومنها** متى للزمان شرطًا او استفهامًا نحو متى تصم اصم ومتى تسافر **ومنها** كيف للاستفهام حالًا نحو كيف انت اى فى اى حال انت **ومنها** ايّان للزمان استفهامًا نحو ايّان يوم الدين **ومنها** مذ و منذ بمعنى اول المدة ان صلح جوابًا لمتى نحو ما رأيته مذ و منذ يوم الجمعة فى جواب من قال متى ما رأيت زيدًا اى اول مدة انقطاع رويتى اياه يوم الجمعة وبمعنى جميع المدة ان صلح جوابًا لكم نحو ما رأيته مذ و منذ يومان فى جواب من قال كم مدة ما رأيت زيدًا اى جميع مدة ما رأيته يومان **ومنها** لدى ولدن بمعنى عند نحو المال لديك والفرق بينهما أن عند لا يشترط فيه الحضور ويشترط ذلك فى لدى ولدن وجاء فيه لغات أخر لَدْنِ ولُدْنَ ولَدَنَ ولَدُ ولُدْ ولِدْ **ومنها** قطّ للماضى المنفى نحو ما رأيته قطّ **ومنها** عوضُ للمستقبل المنفى نحو لا اضربه عوضُ.

ترجمہ۔ یہ فصل ظروف کے بیان میں ہے۔ مبنی ظروف چند قسموں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض ظروف ایسے ہیں جن کی اضافت ختم کردی گئی۔ وہ ایسے کہ مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا۔ مثلاً قَبْلُ، بَعْدُ، فَوْقُ تَحْتُ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "للہ الامر من قبل ومن بعد" (الآیۃ) یعنی ہر شے سے قبل اور ہر

شے کے بعد۔ یہ اس صورت میں مبنی ہونگے جبکہ مضاف الیہ برائے متکلم محذوف منوی ہو ورنہ یہ معرب ہونگے اور اسی قاعدہ کے مطابق پڑھا گیا ہے "للہ الامرُ من قبل ومنْ بعد"۔ ان اسمائے ظروف کا نام غایات بھی ہے۔ اور انہیں ظروف مبنیہ میں سے "حیث" ہے وہ غایات کے ساتھ مشابہت اور اکثر وبیشتر اسکی جملہ کی جانب اضافت کی بنا پر۔۔۔ مبنی کے زمرے میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "سنستدرجھم من حیث لایعلمون" (الآیۃ) اور بعض اوقات اس کی اضافت مفرد کی جانب ہوتی ہے مثلاً شاعر کا قول "اما تریٰ حیث سہیلٍ طالعاً" اے مکان سہیل (کیا تم سہیل کے طلوع ہونے کے مقام کو نہیں دیکھتے) تو اس جگہ حیث بمعنی مکان آیا ہے۔ اور بجانب جملہ اضافت اس کے مبنی ہونے کی شرط قرار دیگئی مثلاً "اجلس حیث یجلس زیدٌ" (تو وہاں بیٹھ جہاں کہ زید بیٹھے)۔ انہیں ظروفِ مبنیہ میں سے اذا ہے اور یہ برائے مستقبل آیا کرتا ہے اور یہ ماضی پر آکر اسے بمعنی مستقبل کر دیتا ہے مثلاً "اذا جاء نصر اللہ" (الآیۃ) اور اذا میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں اور اس کے بعد جملہ اسمیہ کا آنا درست ہے مثلاً "آتیک اذا الشمس طالعۃ" (میں تیرے پاس اس وقت آؤں گا جبکہ آفتاب طلوع ہونے والا ہو) اور مختار وراجح اس کے بعد جملہ فعلیہ کا آنا ہے مثلاً "آتیک اذا طلعت الشمس" (جب آفتاب طلوع ہو تو میں تیرے پاس آؤنگا) اور بعض اوقات یہ برائے مفاجات ہوا کرتا ہے اور اسوقت اس کے بعد مبتدا آنا پسندیدہ ہے مثلاً "خرجتُ فاذا السبع واقفٌ" (میں نکلا تو اچانک درندہ کھڑا تھا) اور انہیں ظروف مبنیہ میں سے اذ ہے۔ اس کی وضع برائے ماضی ہے۔ اور اس کے بعد جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں ہی آتے ہیں مثلاً "جئتک اذ طلعت الشمس" (میں تیرے پاس آیا جبکہ آفتاب طلوع ہوا) اور "اذ الشمس طالعۃٌ" (جبکہ آفتاب طلوع ہونے والا تھا) اور انہیں ظروف مبنیہ میں سے "اَیْنَ" اور "اَنّٰی" ہیں۔ ان دونوں کا استعمال استفہام مکان وجگہ دریافت کرنے کی خاطر ہوتا ہے مثلاً "این تمشی" (تو کس جگہ جاتا ہے) وانیٰ تقعد (اور تو کہاں بیٹھے گا) اور یہ بمعنی شرط بھی آتے ہیں مثلاً "این تجلسْ اَجلسْ (جس جگہ تو بیٹھے گا وہیں میں بیٹھوں گا)" وانیٰ تقم اقم" (اور جس جگہ تو کھڑا ہوگا وہیں میں کھڑا ہونگا)

اور انھیں ظروف مبنیہ میں سے "متیٰ" ہے۔ یہ بلحاظ شرط یا بلحاظِ استفہام برائے زمانہ استعمال ہوتا ہے مثلاً "متیٰ تصم اصم" (جب تو روزہ رکھے گا تو میں روزہ رکھوں گا) "ومتیٰ تسافر" (تیرا سفر کب ہوگا)

اور انھیں ظروف مبنیہ میں سے "کیفَ" ہے۔ یہ بلحاظِ حال برائے استفہام آتا ہے مثلاً "کیف انت" اے فی ای حالٍ انت (تیرا کیا حال ہے)۔

انھیں ظروف مبنیہ میں سے "ایان" ہے۔ جس کا استعمال برائے استفہام زمانہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً "ایانَ یومُ الدین" (روز قیامت کب ہے)۔

ظروف مبنیہ میں سے مذ اور منذ بمعنی آغاز مدت ہیں۔ بشرطیکہ ان میں "متیٰ" کے جواب کی اہلیت

موجود ہو " مارائیتہ منذ او منذ یوم الجمعۃ " (میں نے اسے بروز جمعہ نہیں دیکھا) یہ اس شخص کے جواب میں کہے جو کہتا ہو " متیٰ ما رایت زیدًا " اے اول مدۃ انقطاع رویتی ایاہ یوم الجمعۃ (مجھے زید کب نظر آیا یعنی میرے اسے نہ دیکھنے کی مدت کا آغاز روز جمعہ ہے) اور کل مدت کے معنی میں ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ اس میں بذریعہ کم جواب دینے کی صلاحیت پائی جائے مثلاً مارائیتہ مذ او منذ یومان " (میں نے اسے دو روز سے نہیں دیکھا) یہ اس شخص کے جواب میں ہے جس نے یہ کہا ہو کہ " کم مدۃ مارائیت زیدًا " اے جمیع مدتہ مارائیتہ یومان " (کتنی مدت سے مجھے زید نظر نہیں آیا۔ یعنی میرے اس کو نہ دیکھنے کی مدت دو دن ہے)

اور انھیں ظروف مبنیہ میں سے لدیٰ اور لدُن ہیں۔ یہ عند کے معنیٰ میں آتے ہیں۔ مثلاً المال لدیک (تیرے پاس مال موجود ہے) لدیٰ اور لدن اور عند کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ عند میں حاضر ہونے (اور سامنے موجود ہونے) کو شرط قرار نہیں دیا گیا۔ اور لدیٰ و لدن میں اسے شرط قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں میں دوسری لغات بھی آئی ہیں (یعنی) لَدِنْ ، لُدْنَ ، لَدَنْ ، لَدْ ، لُدْ ، لِدْ

ان ظروف مبنیہ میں سے قطّ ہے اس کا استعمال ماضی منفی کے لئے ہوتا ہے مثلاً مارائیتہ قطُّ (میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا) انھیں ظروف مبنیہ میں سے عوضُ ہے اس کا استعمال مستقبل منفی کے لئے ہوتا ہے مثلاً لا اضربہ عوضُ (میں اسے کبھی زدوکوب نہ کروں گا۔)

تشریح منہا ما قطع عن الاضافۃ بان حذف الخ یعنی ان مبنی ظروف میں سے بعض ایسے ہیں جنکی اضافت ختم کردی گئی اور اضافت ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کا مضاف الیہ حذف کردیا گیا۔ مثلاً قبلُ اور بعدُ۔ ان دونوں کے درمیان تفصیل دراصل یہ ہے کہ ان دونوں میں اضافت ہونا لازمی ہے۔ اب یہ دیکھا جائے گا کہ ان کا مضاف الیہ ذکر کیا گیا یا ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر ذکر کیا گیا ہو تو اس صورت میں انھیں معرب قرار دیا جائے گا اور ذکر نہ کرنے کی صورت میں دو شکلیں ہیں (۱) مضاف الیہ اس طرح حذف کیا گیا ہو کہ وہ نسیًا منسیًا اور نہ ہونے کے درجہ میں ہو جائے (۲) یا مضاف الیہ محذوف منوی ہو۔ حذف نسیًا منسیًا ہونے کی صورت میں ان دونوں کو معرب قرار دیا جائے گا اور محذوف منوی ہونے کی شکل میں انہیں مبنی شمار کریں گے۔ اسلئے کہ بصورت محذوف منوی ان کی مضاف الیہ کی جانب احتیاج حروف کے ساتھ مشابہت ہوگی۔

وتسمی الغایات۔ ایسے ظروف جن کی اضافت ختم کردی گئی ہو انہیں غایات کہتے ہیں۔ غایت کسی چیز کے منتہیٰ کو کہتے ہیں۔ ان کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے تکلم کے بعد امید کی جاتی ہے کہ ان کے تکلم کا اختتام ان کے مضاف الیہ پر ہوگا اور پھر ان کے مضاف الیہ کو بلاعوض حذف کرنے پر توقع کے خلاف ان کا اختتام ان پر ہونے کی صورت میں گویا یہی تکلم کی انتہا ہوگئے۔ اسی رعایت ومناسبت سے ان کا یہ نام رکھا گیا۔

اس کے برعکس جن کا مضاف الیہ بالعوض حذف کیا گیا ہو کہ حذف کے عوض تنوین وغیرہ آئی ہو۔ مثال کے طور پر "کل" وغیرہ تو ان کا نام "غایات" نہیں رکھا جائے گا۔ اسلئے کہ اس صورت میں تکلم کی انتہا ان پر نہیں ہوئی بلکہ اختتام مضاف الیہ پر ہوا۔

ومنہا حیث بُنیت تشبیہا لہا۔ ظروف مبنیہ میں سے ایک "حیث" ہے جمہور (اکثر) نحویوں کے نزدیک اس کا استعمال برائے مکان وجگہ ہوتا ہے۔ مگر اخفش نحوی بعض اوقات اس کا استعمال زمان کے لئے بھی کرتے ہیں اور بیشتر اس کی اضافت بجانب جملہ ہوتی ہے اور جہاں تک جملہ کا تعلق ہے۔ وہ اگرچہ جملہ کی حیثیت نہ تو مضاف ہوا کرتا ہے اور نہ مضاف الیہ لیکن بتاویل مصدر مضاف الیہ ہو جایا کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ مضاف الیہ درحقیقت مصدر ہے جو کہ ذکر نہیں کیا گیا۔ اور حیث کا مضاف الیہ ذکر نہ کئے جانے کی صورت میں اسے مضاف الیہ کی احتیاج ہوگی۔ اور مضاف الیہ ذکر نہ ہونے کی صورت میں یہ غایات کے مشابہ ہو کر مبنی قرار دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "اجلس حیث یجلس زیدٌ" (یعنی زید کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھ)

وقد یضاف الی المفرد کقول الشاعر الخ۔ یعنی بعض اوقات "حیث" کا استعمال بجانب مفرد مضاف ہونے کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ اس بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ ایسے موقعہ پر اسے معرب قرار دیا جائے یا مبنی شمار ہو۔ بعض نحاۃ اس صورت میں مبنی قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک معرب ہوگا مگر زیادہ مشہور یہ ہے کہ مبنی ہی شمار ہوگا کیونکہ بجانب مفرد اس کی اضافت شاذ کے درجہ میں اور کالعدم ہے۔ صاحب کتاب اس کے بجانب مفرد اضافت کی دلیل میں یہ شعر پیش فرمارہے ہیں کہ اس میں حیث کی اضافت "سہیل" کی جانب ہے جو کہ مفرد واقع ہوا۔ "حیث" کے مبنی ہونے کی ایک شرط یہ قرار دیگئی کہ اس کی اضافت بجانب جملہ ہو۔ مثلاً اجلس حیث یجلس زیدٌ" (تو وہاں بیٹھ جس جگہ کہ زید بیٹھے۔)

ومنہا اذا وہی للمستقبل الخ یعنی مبنیہ ظروف میں سے ایک اذا، اس کا استعمال برائے زمانۂ مستقبل ہوا کرتا ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر یہ ماضی پر آئے تو اکثر و بیشتر وہ مستقبل کے معنی دینے لگتی ہے مثال کے طور پر "اذا جاء نصر اللہ" (الآیۃ) اور بعض اوقات مستقبل کے معنی نہیں دیتی۔ مثال کے طور پر "اذا بلغ مغرب الشمس" اذا کے مبنی ہونے کا حقیقی سبب اس کی اضافت بجانب جملہ ہے۔

وفیہا معنی الشرط۔ اذا میں معنی شرط کا وجود ہوتا ہے اور مناسبتِ فعل مع الشرط ہونے کے باعث راجح و پسندیدہ یہ ہے کہ اس کے بعد آنے والا جملہ فعلیہ ہو مثلاً "آتیک اذا طلعت الشمس" اگرچہ جائز یہ بھی ہے کہ اس کے بعد بجائے فعلیہ کے جملہ اسمیہ آجائے مثلاً "آتیک اذا الشمس طالعۃ" کہنا بھی صحیح ہے۔

وقد تکون للمفاجاۃ۔ یعنی بعض اوقات "اذا" کا استعمال محض برائے مفاجات ہوا کرتا ہے۔ مفاجات باب مفاعلت سے مصدر۔ اس کے معنیٰ اچانک کسی شے کو لینے کے کہتے ہیں یا اچانک کسی شے کے پانے کے آتے ہیں۔ اور اس صورت میں اس میں معنیٰ شرط نہیں پائے جاتے۔ تو اس کے بعد راجح و پسندیدہ یہ ہے کہ مبتدا ہو

تاکہ اس طرح اذا شرطیہ اور مفاجاتیہ کے درمیان فرق ظاہر ہو۔ صاحب کتاب نے " فیختار " کہہ کر اس جانب اشارہ فرمادیا کہ یہ لازم نہیں کہ بعد اذا مفاجاتیہ مبتدا ہی آئے۔ البتہ بہتر و پسندیدہ یہی ہے۔

ومنہا اذ وہی للماضی الخ. مبنیہ ظروف میں سے ایک اذ بھی ہے۔ یہ برائے ماضی آیا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اذ کے مبنی ہونے کا سبب یا تو بعینہ وہی ہے جس کا ذکر " حیث " کے بیان میں ہوا یا اس کے مبنی قرار دئے جانے کی وجہ اس کا حرف کی وضع کے مانند ہونا ہے اور کیونکہ " اذ " میں شرط کے معنیٰ نہیں پائے جاتے اس لئے اس کے بعد جملہ فعلیہ و جملہ اسمیہ دونوں ہی کا لانا صحیح ہے مثلاً " جئتک اذ طلعت الشمس " اور " اذ الشمس طالعۃ "۔

ومنہا اَیْنَ واَنّیٰ۔ یعنی " اَیْنَ " اور " اَنّیٰ " بھی مبنی ظروف میں سے ہیں۔ ان کا استعمال مکان بمعنیٰ استفہام کے لئے ہوا کرتا ہے۔ مثلاً " اَیْنَ تمشی " ، اَنّیٰ تقعد " اور بمعنیٰ شرط بھی یہ استعمال ہوتے ہیں مثلاً " این تجلس اجلس " " اَنّیٰ تقم اَقم "۔

ومنہا متیٰ للزمان شرطاً الخ ظروف مبنیہ میں سے " متیٰ " زمان کے ساتھ مخصوص اور برائے استفہام یا برائے شرط آتا ہے۔ مثال کے طور پر " متیٰ تصم اَصُم " اور " متیٰ تسافر "۔ متیٰ کے مبنی ہونے کا سبب اس میں استفہام و شرط کے معنیٰ کا پایا جانا ہے۔ " شرطاً او استفہاماً " پر نصب یا تو حال ہونے کے باعث ہے یا تمیز ہونے کے سبب۔

ومنہا کیف للاستفہام حالاً الخ مبنی ظروف میں سے ایک " کیف " بھی ہے۔ اس کا استعمال حال پوچھنے کی خاطر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے " کیف انت " (تیرا کیا حال ہے) نحاۃ کوفہ کے نزدیک علی الاطلاق " کیف " برائے ظرف مکان آتا ہے۔ کیونکہ جس طرح اسماء کا ظروف میں عمل ہوتا ہے ٹھیک اسی طریقہ پر اس کا عمل بھی ہوتا ہے۔ اور علامہ سیبویہ کہتے ہیں کہ اسے ظرف قرار نہیں دیں گے بلکہ اسم صریح میں اس کا شمار ہوگا۔ اس کے مبنیٰ ہونے کا سبب اس میں معنیٰ حرف استفہام کا پایا جانا ہے۔

ومنہا ایّانَ للزمان الخ ظروف مبنیہ میں سے ایک " ایّان " بھی ہے اور یہ برائے استفہام خاص ہے۔ ایّان میں معنیٰ شرط نہیں ہوتے مثلاً " ایّان یوم الدین " (روز جزا کب ہے)۔

متیٰ اور ایّان کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ ایّان کا استعمال تو محض زمانۂ مستقبل اور عظیم امور کی دریافت کے لئے ہوتا ہے۔ مثلاً " ایّان یوم الدین " اس کے برعکس متیٰ میں تعمیم ہے کہ اس کا استعمال برائے زمانۂ ماضی و مستقبل ہوتا ہے۔ نیز عظیم امور اور غیر عظیم امور تمام کے دریافت کرنے و استفہام کے واسطے آتا ہے۔ معنیٰ استفہام پر مشتمل ہونے کی بنا پر یہ مبنی قرار دیا جاتا ہے۔

ومنہا مذ ومنذ بمعنی اول المدۃ۔ مذ اور منذ کے اسم ہونے کی صورت میں ان میں سے ہر ایک دو معنی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک معنیٰ آغاز مدت کے آتے ہیں یعنی کسی فعل کے آغاز کی مدت کی نشان دہی کرتے ہیں اور معنیٰ دوم کل مدت کے آتے ہیں یعنی وجود فعل جس قدر عرصہ میں ہوا ہو اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ان کے آغاز مدت کے معنیٰ میں ہونے اور کل مدت کے معنیٰ میں ہونے کا پتہ کیسے چلے گا۔ تو اس کے قرینہ کے متعلق صاحب کتاب

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ دیکھنا چاہیئے، مذ اور منذ جہاں مستعمل ہو وہ متیٰ اور کم میں سے کس کا جواب بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اگر متیٰ کا جواب بننے کی اہلیت موجود ہو تو اس جگہ کہا جائے گا کہ آغاز مدت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اور کم کا جواب بننے کی اہلیت موجود ہو تو کہا جائے گا کہ کل مدت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ کتاب میں ذکر کردہ مثالوں سے یہ بات عیاں ہے۔

قرینۂ دوم یہ کہ ان کے آغاز مدت کے معنیٰ میں آنے کے وقت ان کے بعد مفرد معرفہ کسی فصل کے بغیر آیا کرتا ہے مثال کے طور پر کہا جائے " ما رأیتہ مذ او منذ یوم الجمعۃ " اور کل مدت کے واسطے آنے کی صورت میں ان کے بعد اس عدد کے مجموعہ کا اتصال ہوا کرتا ہے جس کا ارادہ کیا جائے اس سے قطع نظر کہ وہ مفرد واقع ہو یا تثنیہ یا جمع۔ مثال کے طور پر کہا جائے " ما رأیتہ مذ او منذ یومان "

ومنہا لدیٰ و لدن بمعنی عند۔ مبنی ظروف میں سے " لدی " اور " لدن " بھی قرار دئے گئے ہیں۔ اور ان کے بارے میں چند لغات ہیں جنھیں صاحب کتاب نے بیان فرمایا ہے۔ ان کے مبنی ہونے کا سبب ان کی حروف سے مشابہت ہے۔ مگر واضح رہے کہ عند اور ان دونوں کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے وہ فرق یہ ہے کہ عند کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شے کا اس وقت سامنے ہونے کو شرط قرار نہیں دیا گیا۔ مثال کے طور پر " المال عندک " ایسے وقت بھی بولا جا سکتا ہے جبکہ مخاطب کے پاس مال سامنے نہ ہو بلکہ اس کے خزانہ میں ہو لیکن اس صورت میں لدیٰ کا استعمال درست نہ ہوگا۔

ومنہا قطّ للماضی المنفی۔ مبنی ظروف میں سے ایک " قط " بھی ہے۔ استغراقِ نفی کی خاطر ماضی منفی میں اس کا استعمال ہوتا ہے مثال کے طور پر کہا جائے " ما رأیتہ قطّ "

ومنہا عوض للمستقبل المنفی۔ اس کا استعمال استغراق فی النفی کی خاطر برائے مستقبل منفی ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " لا اضربہٗ عوض " عوضِ مضاف الیہ محذوف منوی ہونے کی بنا پر اسے بھی مبنی قرار دیا جائیگا۔

واعلم انّہٗ اذا اُضِیفَ الظُّرُوْفُ الی الجُمْلَۃ اَوْ اِلیٰ اذ جاز بناؤُھا علی الفتحِ کقولہٖ تعالیٰ ھٰذَا یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ وکیومئذٍ وحینئذٍ وکذٰلِکَ مثل وغیر مَعَ ما واَنْ واَنَّ تقول ضربتہٗ مثلَ ما ضَرَبَ زیدٌ و غیرَ اَنَّ ضَرَبَ زَیدٌ **ومنہا** امسِ بالکسر عند اھلِ الحجازِ

ترجمہ :- اور واضح رہے کہ ظروف کے بجانب جملہ مضاف ہونے یا بجانب اذ مضاف ہونے کی صورت میں اس کا مبنی بر فتحہ ہونا درست ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی " ھذا یوم ینفع الصادقین صدقہم " (یعنی ان کا سچ) اور اسی طرح یومئذٍ اور حینئذٍ اور ایسے ہی مثل اور غیر ما اور اَنْ اور اَنَّ کے بجانب

جملہ مضاف ہونے کی صورت میں اس کا مبنی بر فتحہ ہونا جائز ہے۔ کہو گے مثلَ ما ضربتُ مثل ما ضرب زیدٌ، وغیرانْ ضرب زیدٌ"۔ اور انہیں ظروف مبنیہ میں سے اَمسِ ہے سین کے کسرہ کے ساتھ عند اہل الحجاز،

تشریح واعلم انہ اذا اضیف الظروف الخ. یہاں صاحب کتاب یہ فرمارہے ہیں کہ ایسے ظروف جن کی اضافت جملہ کی جانب یا بجانب اذ ہو۔ تخفیف کے باعث ان میں یہ جائز ہے کہ وہ فتحہ پر مبنی ہوں۔ مثلاً یہ ارشادِ باری تعالیٰ "یوم ینفع الصٰدقین صدقہم" کہ اس جگہ یوم کی اضافت جملہ کی جانب ہے اور مبنی بر فتحہ بھی ہے۔ ایسے ہی "ومن خزی یومئذٍ کہ اس میں یوم کی اضافت بجانب اذ ہے اور مبنی بر فتحہ بھی ہے۔ واضح رہے کہ جیسے وہ ظروف جن کی اضافت بجانب جملہ یا بجانب اذ ہو انھیں مبنی بر فتحہ قرار دے کر پڑھنا درست ہے۔ ٹھیک ایسے ہی یہ بھی درست ہے کہ انھیں بجائے مبنی کے معرب پڑھا جائے۔

وکذلک مثل۔ یعنی اگر مثل اور غیر مَا اور اَنْ اور اَنَّ میں سے کسی ایک کے ساتھ آئیں تو معرب اور مبنی ہونے میں ان کا حکم بھی ذکر کردہ ظروف کا سا ہوگا۔ کیونکہ بجانب جملہ اضافت میں یہ ذکر کردہ ظروف کے مشابہ ہوتے ہیں پس مثل اور غیر کا فتحہ پر مبنی ہونا بھی درست ہوگا اور اسی طرح ان کے معرب ہونے کو بھی درست قرار دیں گے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "ضربتُ مثل ما ضرب زیدٌ۔ وغیر انّ ضرب زیدٌ"

ومنہا امسِ بالکسر۔ انھیں ظروف میں سے ایک "امس" کو بھی قرار دیا گیا ہے۔ بعض نحاۃ اسے معرفہ اور مبنی بر کسرہ قرار دیتے ہیں۔ اور بعض نے اسے معرب و معرفہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے مضاف ہونے یا اس پر لام آنے کی صورت میں یا اس کے نکرہ ہونے پر متفقہ طور پر سب اسے معرب شمار کرتے ہیں کہتے ہیں "مضیٰ امسنا، مضیٰ الامس المبارک" وکل غدٍ صار امسًا" الصراح میں اسی طرح ہے۔

والخاتمة فی سائر احکام الاسم ولوَاحِقِہٖ غیر الاعراب والبناءِ وفیہا فصول **فصل** اعلم انّ الاسم علیٰ قسمین معْرفةٌ ونکرةٌ المعرفة اسم وضع لشیٍٔ معین وھی ستة اقسامٍ المضمراتُ والاعلام والمبہمات اعنی اسماء الاشاراتِ والموصولاتِ والمعرّفُ باللام والمضَافُ الی احدِہما اضافةً معنویةً والمُعَرَّفُ بالنداءِ۔ والعَلَم مَاوضِعَ لشیٍٔ مُّعَیَّنٍ لایتناوَلُ غیرَہٗ بوضعٍ واحدٍ واعرف المعارف المضمرالمتکلمُ نحوانا ونحنُ ثم المخاطَبُ نحو انت ثم الغائِبُ نحو ھُوَ ثم العَلَم ثم المبہمات ثم المعرّفُ باللام ثم المعرف بالنداءِ والمُضَافُ فی قوت المضاف الیہ والنکرة مَاوُضِعَ لشیٍٔ غیرِ مُعَیَّنٍ کرجُلٍ وفَرسٍ۔

ترجمہ:- اسم کے باقی ماندہ سارے حکموں اور معرب و مبنی کے علاوہ اس کے ساتھ لاحق شدہ دیگر چیزوں کے بیان میں۔ اس میں چند فصلیں ہیں۔ پہلی فصل۔ واضح رہے کہ اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) معرفہ (۲) نکرہ۔ معرفہ وہ اسم کہلاتا ہے جس کی وضع کسی معین چیز کے لئے ہوئی ہو۔ یہ چھ قسموں پر مشتمل ہے (۱) مضمرات (۲) اعلام (۳) مبہمات یعنی اسمائے اشارات اور موصولات (۴) معرف باللام، (۵) کسی ایک کی طرف اضافت معنوی (۶) معرف بالنداء۔ علم وہ اسم کہلاتا ہے جس کی وضع معین کے لیۓ ہوئی ہو بایں طور کہ کوئی اور اس کے علاوہ اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ اور تمام معرفوں سے بڑھ کر معرفہ ضمیر متکلم ہے مثلاً "انا" اور "نحن" اس کے بعد ضمیر مخاطب مثلاً انت۔ اس کے بعد ضمیر غائب مثلاً "ھُوَ" اس کے بعد علَم۔ پھر مبہمات پھر معرف باللام پھر معرف بالنداء۔ اور وہ اسم جس کی اضافت کی گئی ہو وہ بلحاظ قوت مضاف الیہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔

اور نکرہ وہ اسم کہلاتا ہے جس کی وضع غیر معین چیز کے لئے ہوئی ہو۔ مثلاً "رجل" اور "فرس" گھوڑا۔

تشریح:- المعرفۃ اسم الخ یعنی معرفہ وہ اسم کہلاتا ہے جس کی وضع کسی معین وخاص چیز کے واسطے ہوئی ہو۔ لفظ "وضع" کی حیثیت جنس کی ہے کہ اس کے زمرے میں معرفہ اور نکرہ دونوں آتے ہیں اور لفظ "معین" کی حیثیت فصل کی ہے کہ اس قید سے نکرہ معرفہ کی ذکر کردہ تعریف سے نکل گیا۔

وھی ستۃ اقسام الخ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معرفہ چھ قسموں پر مشتمل ہے (۱) مضمرات (۲) اعلام۔ جمع علم (۳) مبہمات۔ اس سے مراد اسمائے اشارات اور موصولات ہیں۔ انہیں مبہمات کہنے کا سبب یہ ہے کہ اسم اشارہ کا جہاں تک تعلق ہے جب تک کہ اس کے ساتھ حسی اشارہ نہ ہو۔ عند المخاطب اس میں ابہام برقرار رہتا ہے اور مخاطب کا کما حقہ اسے سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طریقہ سے موصول میں بلا صلہ کے ابہام باقی رہتا ہے۔

(۴) معرف باللام۔ اس سے قطع نظر کہ وہ لام عہد ذہنی ہو یا عہد خارجی یا لام جنس ولام استغراق۔

(۵) ایسا اسم جس کی ان ذکر کردہ امور میں سے کسی ایک کی جانب اضافت ہو اور یہ اضافت معنوی ہو۔

(۶) جو حرفِ ندا کے ذریعہ معرفہ واقع ہو۔ مثال کے طور پر کہا جائے "یا رجل"۔

والعلم ما وضع لشئ معین۔ عَلَم کا اطلاق ایسے اسم پر ہوتا ہے جس کی وضع کسی معین چیز کے واسطے ہوتی ہو اور اس وضع میں اس کے ساتھ کوئی اور شامل نہ ہو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ مفرد ہو یا وہ مرکب ہو اور چاہے وہ کنیت ہو یا لقب۔ "ما وضع لشئ معین" کی حیثیت جنس کی ہے کہ اس کے زمرے میں سارے معرفے آجاتے ہیں۔ اور "لا یتناول غیرہ" کی حیثیت فصل کی ہے کہ اس قید کے ذریعہ دوسرے سارے معرفے اس کے زمرے سے نکل گئے۔

واعرف المعارف المضمر المتکلم۔ سب سے بڑھ کر معرفہ ضمیر متکلم کو اس واسطے قرار دیا گیا کہ اس کے اندر التباس تمام سے کم درجہ کا ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر ضمیر مخاطب آتی ہے اس کے بعد ضمیر غائب کا درجہ ہے۔ پھر علَم پھر مبہمات

پھر معرف باللام اور اس کے بعد معرف بالنداء کا درجہ ہے۔

والمضاف فی قوۃ المضاف الیہ الخ یعنی مضاف کا جہاں تک تعلق ہے وہ معرفہ مرتبوں میں سے مضاف الیہ کے درجہ میں آتا ہے۔ علامہ سیبویہ یہی کہتے ہیں۔ اس کے برعکس علامہ مبرد مضاف کا درجہ مضاف الیہ سے کم مانتے ہیں اور وجہ کم ماننے کی یہ ہے کہ وہ معرفہ کا مرتبہ بذریعہ مضاف الیہ حاصل کرتا ہے تو کسب کرنے والا اور جس سے کسب کیا گیا دونوں کا ہم مرتبہ اور ایک ہی درجہ میں ہونا ممکن نہیں۔

واضح رہے کہ صاحب کتاب نے معرفوں کی جو ترتیب بیان فرمائی ہے وہ اکثر و بیشتر نحویوں کی رائے کے لحاظ سے ہے۔ اور نحاۃ کوفہ علم کو اعرف المعارف قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے نزدیک ضمیر، اس کے بعد مبہم کا درجہ ہے۔ اور سب سے آخری درجہ ان کے نزدیک معرف باللام کا ہے۔

ابن کیسان کے نزدیک اول درجہ ضمیر کا، اس کے بعد علم کا، اس کے بعد اشارہ، پھر معرف باللام کا اور سب سے آخری درجہ اسم موصول کا ہے۔ ابن مالک اعرف المعارف متکلم کی ضمیر کو قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ضمیر مخاطب اس کے بعد علم، اس کے بعد ضمیر غائب، اس کے بعد اسم اشارہ۔ پھر معرف بالنداء پھر معرف باللام کا درجہ شمار کرتے ہیں۔

والنکرۃ ما وضع لشئ غیر معین۔ یعنی نکرہ ایسا اسم کہلاتا ہے جس کی وضع غیر معین چیز کے واسطے کی گئی ہو۔ یہاں غیر معین کی قید کے باعث اس کی تعریف سے معرفہ نکل گیا۔ علامات نکرہ حسب ذیل قرار دی گئیں۔

(۱) اس میں لام تعریف کو قبول کرنے کی اہلیت ہوتی ہے (۲) یہ صحیح ہے کہ وہ لا لمعنی لیس، اور تمیز اور اسی طرح حال اسم بنے (۳) یہ درست ہے کہ اس پر کم خبریہ اور رُبَّ آئے۔

فصل اسماءُ العدد ما وُضِعَ لیدُلَّ علیٰ کمیۃِ احاد الاشیاءِ واصولُ العدد اثنتا عَشَرۃَ کلمۃً واحدۃٌ الیٰ عشرۃٍ ومائۃٌ والفٌ واستِعمالُہٗ من واحدٍ الیٰ اثنَیْنِ علی القیاس اعنی للمذکر بدون التاءِ وللمؤنث بالتاءِ تقولُ فی رجلٍ واحدٍ وفی رجلَیْنِ اثنانِ وفی امرأۃٍ واحدۃٌ وفی امرأتین اثنتان وثنتانِ ومِن ثلٰثۃٍ الیٰ عشرۃٍ علی خِلافِ القیاس اعنی للمذکر بالتاءِ تقول ثلٰثۃُ رجالٍ الیٰ عشرۃ رجالٍ وللمُؤنثِ بدونھا تقول ثلٰث نسوۃٍ الیٰ عشر نسوۃٍ وبعد العشرۃ تقول احد عشر رجلًا واثنا عشر رجلًا وثلٰثۃ عشر رجُلًا الیٰ تسعۃ عشَر رجُلًا واحدیٰ عشرۃ امرأۃً واثنتا عشرۃ امرأۃً وثلٰث عشرۃ امرأۃً الیٰ تسعَ عَشرۃ امرأۃً وبعد ذٰلِکَ تقولُ عشرون رجُلًا وعشرون امرأۃً بلافرقٍ بیْنَ المذکر والمؤنثِ الیٰ تسعین رجلًا وامرأۃً واحدٌ وعشرون رجلًا واحدیٰ

وعشرون امرأۃً واثنانِ وعشرون رجلًا وثلث وعِشرونَ امرأۃً الیٰ تسعۃٍ وتسعین رجلًا وتسع وتسعین امرأۃً ثم تقول مائۃ رجلٍ ومائۃ اِمرأۃٍ واَلفُ رجلٍ والفُ اِمرأۃٍ ومائتا رجُلٍ ومائتا اِمرأۃٍ والفارَجُلٍ والفا اِمرأۃٍ بلافرقٍ بَیْنَ المذکرِ والمؤنثِ فاذا زاد علی المائۃِ والاَلفِ یُستعملُ علی قیاسِ ماعرفتَ ویُقدَّمُ الاَلفُ علی المائۃِ والمائۃُ علَی الاٰحادِ والاٰحادُ علی العشرات تقولُ عندی اَلفٌ ومائۃٌ واحدٌ وعشرونَ رجُلًا والفانِ ومائتانِ واِثنانِ وعشرون رجلًا واربعۃ الاف وتسعُمائۃٍ وخمسٌ و اَربعون امرأۃً وعلیكَ بالقیاسِ

ترجمہ :- یہ فصل اسمائے عدد کے بیان میں ہے۔ اسم عدد وہ کہلاتا ہے جو چیزوں کے افراد کی مقدار بیان کرنے کی خاطر وضع کیا گیا ہو۔ اصول عدد بارہ کلموں کو کہا جاتا ہے واحدۃ (ایک سے لیکر) عشرۃ (دس) تک) اور مائۃ (سو) اور الف (ہزار) اور واحد سے اثنین تک اسم عدد از روئے قیاس مستعمل ہے یعنی مذکر کے لئے تاء کے بغیر اور مؤنث کے لئے تاء کے ساتھ۔ کہوگے ایک رجل (مرد) کے لئے "واحد" اور دو کے لئے اثنان اور ایک عورت کے لئے واحدۃ اور دو کے لئے اثنتان اور ثنتان اور تین سے دس تک خلاف قیاس یعنی برائے مذکر تاء کے ساتھ کہوگے "ثلثۃ رجال، عشرۃ رجال تک اور برائے مؤنث تاء کے بغیر۔ کہوگے "ثلث نسوۃٍ" عشر نسوۃٍ تک اور عشر (دس) کے بعد کہوگے احَدَ عشر رجلاً واثنا عشر رجلاً وثلثۃ عشر رجلاً، تسعۃ عشر رجلاً تک اور احدیٰ عشرۃ امرأۃً واثنتا عشرۃ امرأۃً وثلث عشرۃ امرأۃً تسع عشرۃ امرأۃً تک۔ اور اس کے بعد کہوگے "عشرون رجلاً وعشرون امرأۃً مذکر و مؤنث کے درمیان فرق کے بغیر تسعین رجلاً تک۔ اور "امرأۃً" واحدٌ وعشرون رجلاً واحدیٰ وعشرون امرأۃً واثنان وعشرون رجلاً واثنتان وعشرون امرأۃً وثلثۃ وعشرونَ رجلاً وثلث وعشرون امرأۃً، تسعۃ و تسعین رجلاً وتسع وتسعین امرأۃً تک۔ پھر کہوگے مائۃ رجلٍ ومائۃ امرأۃٍ والف رجل والف امرأۃٍ ومائتا رجل ومائتا امرأۃٍ والفا رجلٍ والفا امرأۃٍ۔ مذکر و مؤنث کے درمیان فرق کے بغیر۔ پھر مائۃ اور الف سے زیادہ کی صورت میں اسی قیاس کے مطابق استعمال ہوگا جیساکہ تم نے پہچان لیا۔ اور الف، مائۃ سے پہلے لاتے ہیں اور مائۃ احاد سے پہلے اور احاد عشرات سے پہلے لاتے ہیں۔ کہوگے "عندی الف ومائۃ واحد وعشرون رجلاً، والفان ومائتان واثنان وعشرون رجلاً واربعۃ آلاف وتسعمائۃ وخمس اربعون امرأۃً" اور اسی طرح (اوروں کو) قیاس کرلو۔

تشریح :- اسماء العدد ما وضع الخ یعنی اسمائے عدد ایسے الفاظ کا نام ہے جنھیں افراد اشیاء کی مقدار بیان

کرنے کی خاطر دمنع کیا گیا ہو۔ اسمائے عدد کی تعریف میں جو دمنع کی قید لگائی گئی اس کے ذریعہ "رجل" اور "رجلان" نکل گئے۔
واصول العدد اثنتا عشرة کلمۃ۔ یعنی اسمائے عدد کی اصل بارہ کلمات کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک سے دس تک۔ نیز سو (مائۃ) اور ہزار (الف) رہ گئے دوسرے مراتب اعداد تو وہ دراصل انہیں بارہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔
واستعمالہ من واحد الخ اس جگہ صاحب کتاب ان میں سے ہرایک کی تفصیل ذکر کر رہے ہیں کہ مثلاً لفظ واحد کا استعمال مذکر کے واسطے اور واحدۃ کا استعمال برائے مؤنث ہوتا ہے۔ یہ تقسیم وتشریح تو عین قیاس کے مطابق ہے مگر جہاں تک تین سے دس تک کے اعداد کا تعلق ہے ان کا آنا قیاس کے خلاف ہے کہ ان میں برائے مذکر تانیث کی علامت استعمال ہوتی ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "ثلثۃ رجال" اور برائے مونث علامتِ تانیث استعمال نہیں ہوتی مثلاً "ثلثۃ نسوۃ" اور سبب اس کا یہ ہے کہ جمع بلحاظ جماعت کا شمار مؤنث میں ہوتا ہے تو اعداد میں مونث کی علامت لائی جاتی ہے تاکہ تمیز و ممیز کے درمیان موزونیت برقرار رہے۔
وبعد العشرۃ تقول الخ یعنی عشرہ کے بعد اندرون عدد مع الترکیب عطف نہ ہوگا اور احد عشر (گیارہ اور اسی طرح اثنتا عشر (بارہ) برائے مذکر اور احدیٰ عشرۃ و اثنتا عشرۃ برائے مونث عین قیاس کے مطابق ان کا استعمال ہوگا اور "ثلث عشرۃ امرأۃ" (تیرہ عورتیں) سے "تسع عشرۃ امرأۃ (انیس عورتیں) تک جزء اول قیاس کے خلاف استعمال ہوگا تاکہ اصل وفرع کے درمیان مطابقت برقرار رہے اور جزء دوم عین قیاس کے مطابق استعمال ہوگا لہذا برائے مذکر ثلثۃ عشر تا تسعۃ عشر اور برائے مونث ثلث عشرۃ تا تسع عشرۃ، استعمال کریں گے اور اس کے بعد مذکر و مؤنث کے فرق کے بغیر استعمال کرینگے۔
فاذا زاد علی المائۃ والالف الخ یعنی اعداد مائۃ (سو) اور الف (ہزار) سے بڑھ جانے پر اسی قیاس کے مطابق استعمال کریں گے جو بیان چکے اور بتایا جا چکا۔
ویقدم الالف علی المائۃ الخ یعنی استعمال میں اول الف، پھر مائۃ اس کے بعد احاد اور اس کے بعد عشرات لائیں گے۔

واعلم انَّ الواحِدَ والاثنين لَا مميِّزَ لهما لانَّ لفظ المُميِّز يُغني عن ذكر العدد فيهما تقول عندي رجلٌ ورجلان واما سائرُ الاعداد فلا بُدَّ لها مِن مميِّزٍ فتقول مميِّز الثلثة الى العشرة مخفوضٌ مجموعٌ تقول ثلثةُ رجالٍ وثلثُ نسوةٍ الا اذا كان المميِّز لفظَ المائةِ فحينئذٍ يكونُ مخفوظًا مفردًا تقول ثلث مائةٍ وتسع مائةٍ والقياسُ ثلث مِئات او مِئِين ومُميِّزُ احد عشر الى تسعةٍ وتسعين منصوبٌ مفردٌ تقول احد عشر رجلًا واحدى عشرة امرأةً وتسعةٌ وتسعون رجلًا وتسع وتسعون امرأةً ومميِّزُ مائةٍ والفٍ وتثنيتهما وجمع الالفِ مخفوضٌ

مفردٌ تقول مائۃُ رجلٍ ومائۃُ امرأۃٍ والفُ رجلٍ والفُ امرأۃٍ ومائتارجُلٍ ومائتاَ امرأۃٍ والفارجُلٍ والفا امرأۃٍ وثلٰثۃ آلافِ رجُلٍ وثلٰث آلافِ امرأۃٍ و قس علٰی ھٰذا۔

ترجمہ :- اور واضح رہے کہ واحد اور اثنین کے درمیان کوئی تمیز نہیں اسلئے کہ میز بیان عدد سے بے نیاز کردیتا ہے۔ کہوگے " عندی رجل ورجلان۔ رہ گئے باقی عدد تو ان کے لئے میز کا ہونا ناگزیر ہے لہٰذ کہوگے کہ " ثلثۃ " کو دوسروں سے امتیاز دینے والا عشرۃ تک مجرور مجموع ہے۔ تم کہوگے " ثلثۃ رجال " وثلث نسوۃ۔ البتہ میز لفظ مائۃ ہونے کی صورت میں مجرور مفرد ہوگا۔ کہوگے " ثلث مائۃ وتسع مائۃ۔" اور از روئے قیاس برائے مؤنث " ثلث مات یا ثلث مئین " برائے مذکر آئے گا اور احد عشر سے تسعۃ وتسعین (ننانوے) تک امتیاز پیدا کرنے والا (میز) منصوب مفرد ہوگا۔ تم کہوگے " احد عشر رجلاً واحدی عشرۃ امرأۃ وتسعون رجلاً وتسع وتسعون امرأۃ۔ اور مأۃ اور الف اوران دونوں کے تثنیہ اور الف کی جمع کا میز مجرور مفرد قرار دیا جائیگا۔ کہوگے " مائۃ رجل، ومائۃ امرأۃ والف رجل والف امرأۃ ومائتا رجل ومائتا امرأۃ والفا رجل والفا امرأۃ وثلثۃ آلاف رجل وثلثۃ آلاف امرأۃ۔ اسی پر اوروں کو قیاس کرلیا جائے۔

تشریح واعلم ان الواحد والاثنین الخ۔ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ واحد اور اثنین اور اسی طریقہ سے واحدۃ اور اثنتین کے بعد ان کی تمیز نہیں لائی جاتی۔ وجہ یہ ہے کہ میز لفظ کے بعد بیان عدد کی قطعی احتیاج برقرار نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر " عندی رجل " اور " عندی رجلان " کہتے ہیں۔ اگر عندی واحد رجل " اور اثنان رجلین کوئی بولے گا تو اس طرح بولنا غلط قرار دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ بذریعہ تمیز مقدار بیان ہورہی ہے۔ رہے باقی اعداد تو ان کی تمیز آیا کرتی ہے۔

فتقول ممیز الثلثۃ الی العشرۃ الخ یعنی جہاں تک " ثلثۃ " سے " عشرۃ " کے اعداد کی تمیز کا تعلق ہے وہ مکسور اور مجموع ہوا کرتی ہے یا لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے۔ مثلاً " ثلثۃ رجال " " ثلث نسوۃ " یا فقط معنوی اعتبار سے مثلاً " ثلثۃ رہط "۔ علاوہ ازیں تمیز کے مجرور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بکثرت استعمال ہونے کے باعث عدد کا مضاف الیہ بناکرتی ہے اور رہا اس کا جمع ہونا تو اس کا دراصل سبب یہ ہے کہ ثلثۃ سے عشرۃ تک کی جمع کو جمع قلت کہا جاتا ہے تو تمیز کو جمع لانا ہی موزوں ہوا تاکہ اس طرح عدد اور معدود کے درمیان موافقت برقرار رہے اور اس کے ذریعہ جمع کی نشاندہی ہو۔

الا اذا کان الممیز الخ یعنی اگر ممیز ثلثۃ سے عشرۃ تک لفظ " مائۃ " بن رہا ہو تو ایسے موقعہ پر تمیز مجرور اور مفرد

آئے گی۔ تمیز کے مجرور ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ وہ عدد کا مضاف الیہ واقع ہو رہی ہے۔ اور ایسی کوئی بات موجود نہیں جو جر کے آنے میں رکاوٹ بنے۔ اور مفرد ہونے کا سبب یہ ہے کہ لفظ " مائۃ " کی جمع دو طرح آتی ہے۔ ایک جمع مذکر سالم کی شکل میں " مئین " اور دوم بشکل جمع مونث سالم، یعنی " مات "۔

منصوب مفرد " یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ " احد عشر " سے " تسعۃ وتسعون " کی تمیز کا جہاں تک تعلق ہے وہ ایک تو یہ کہ مفرد آتی ہے دوسرے وہ منصوب ہوا کرتی ہے۔ نصب کا سبب یہ ہے کہ یہاں تمیز کے مجرور ہونے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ جر کا حصول بذریعہ اضافت ہوتا ہے اور اس جگہ اضافت کرنے پر تین کلموں کا ایک کلمہ کی طرح ہونے کا لزوم ہوگا اور اس میں انتہائی قباحت ہے اور مفرد ہونے کا سبب یہ ہے کہ بذریعہ عدد یہاں کثرت کی نشاندہی ہو رہی ہے تو اس بنا پر کثرت تمیز کی احتیاج باقی نہیں رہی۔

وممیز مائۃ والف۔ یعنی خواہ " مائۃ " ہو اور خواہ " الف " دونوں کی تمیز مجرور ہوا کرتی ہے۔ نیز مفرد بھی ہوتی ہے۔ تمیز پر جر تو بسبب اضافت آتا ہے اور مفرد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مائۃ اور الف کا جہاں تک معاملہ ہے ان سے خود کثرت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی مائۃ اور الف کے تثنیہ و جمع کا معاملہ ہے۔

فصل الاسم امامذکر وامامؤنث فالمؤنث ما فيه علامة التانيث لفظا او تقديرًا والمذکر ما بخلافه وعلامةُ التانيث ثلثةٌ التّاء کطلحة والالف المقصورةُ کحُبلٰی والالف الممدودة کحمراء والمقدرة انما هو التاء فقط کارضٍ ودارٍ بدليل اُرَيْضَةٍ ودُوَيْرَةٍ ثم المؤنث علی قسمين حقيقيٌّ وهو ما بازائه ذکرٌ من الحيوان کامرأةٍ وناقةٍ ولفظيٌّ وهو ما بخلافه کظلمةٍ وعينٍ وقد عرفتَ احکام الفعلِ اذا اُسنِدَ الی المؤنث فلا نُعيدها۔

ترجمہ:۔ اسم یا مذکر ہوگا یا مؤنث۔ مؤنث وہ اسم کہلاتا ہے جس میں مؤنث ہونے کی علامت لفظاً پائی جائے یا تقدیراً۔ اور مذکر وہ اسم کہلاتا ہے کہ جس میں علامت تانیث نہ لفظاً پائی جاتی ہے اور نہ تقدیراً علامات تانیث تین ہیں (۱) تاء مثلاً طلحۃ (۲) الف مقصورہ مثلاً " حبلیٰ " (۳) الف ممدودہ مثلاً حمراء۔ اور علامت تانیث مقدرہ محض تاء ہے مثلاً " ارض " اور دار، اُرَیضۃ اور دُوَیرۃ کی دلیل کے ذریعہ (اس لئے کہ اسماء کی تصغیر اس کی اصل کی نشاندہی کرتی ہے) پھر مؤنث کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) حقیقی اس مؤنث کو کہا جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مذکر حیوان ہو مثلاً " امراۃ " اور " ناقۃ "۔ (۲) لفظی اس مونث کو کہتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مذکر حیوان نہ ہو مثلاً ظلمۃ و عین۔ اور فعل کی اضافت مؤنث کی جانب ہونے کی صورت میں اس کے احکام تم جان چکے ہو لہٰذا اب ہم ان کا اعادہ نہ کریں گے۔

تشریح الاسم اما مذکر الخ یہاں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ اسم دو حالی سے خالی نہیں یا تو وہ مذکر ہوگا یا مؤنث۔ اعداد کی بحث کا ربط کیونکہ مذکر و مونث کے بیان سے تھا۔ پس اعداد کے بیان کے بعد موزوں معلوم ہوا کہ تذکیر و تانیث کا علم ہو جائے۔ صاحب کتاب نے اسی مناسبت کے باعث مذکر و مونث کے بارے میں یہاں ذکر فرمایا۔ صاحب کتاب کے مونث سے پہلے مذکر کے لانے کا سبب یہ ہے کہ مذکر کا جہاں تک معاملہ ہے وہ ازروئے تخلیق و مرتبہ مونث سے پہلے ہے۔ پھر جب دونوں کی تعریف کا موقعہ آیا تو مؤنث کی تعریف پہلے کی اس کا سبب اختصار ہے۔

فالمونث ما فیہ علامت التانیث الخ یعنی ایسے اسم پر مونث کا اطلاق ہوتا ہے جس میں کہ تانیث کی علامت موجود ہو۔ خواہ یہ علامت لفظاً پائی جائے مثلاً "ظلمۃ" یا لفظاً نہ ہو بلکہ تقدیراً و معناً ہو۔ مثلاً "ارض" کہ یہ حقیقت میں "اُریضۃ" تھا اور اسمار کی تصغیر کے ذریعہ ان کی اصل کا پتہ چل جاتا ہے۔ تو یہ بات ثابت ہوئی کہ "ارض" میں دراصل تانیث کی تار پوشیدہ ہے۔ پھر علامت تانیث کا جہاں تک تعلق ہے اس میں تعمیم ہے خواہ تانیث حقیقی ہو مثلاً "امرأۃ و ناقۃ" یا حکماً تانیث ہو مثلاً "ظلمۃ"

و علامۃ التانیث ثلثۃ۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ مونث کی تین علامات ہیں۔ ایک تار ہے جو بحالتِ وقف ہا سے بدل جایا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر "ظلمۃ" کہ اسے حالت وقف میں ظلمہ پڑھا جاتا ہے۔ دوسری علامت الف مقصورہ ہے اس میں برائے تانیث ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تین حروف کے بعد آیا ہو، نیز یہ برائے الحاق نہ ہو اور نہ صرف برائے اضافہ آئے مثلاً "حبلیٰ" کہ اس مثال میں الف مقصورہ تانیث کی علامت ہے۔

تیسری علامت تانیث الف ممدودہ ہے۔ یعنی ایسا الف جس کے بعد ایک زائد ہمزہ آرہا ہو مثلاً حمرآء

والمقدرۃ انما ہو التار فقط کارضٍ الخ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ان ذکر کردہ تین علاماتِ تانیث میں سے تانیث، معنوی و تقدیری صرف تار آتی ہے اور دوسری علاماتِ تانیث فقط لفظوں میں ہی آتی ہیں، تقدیری و معنوی طور پر نہیں آتیں۔ نیز صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ تار بھی محض تین حرفی کلمہ میں مقدر و پوشیدہ ہوا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر "ارض" اور "دار" کہ ان میں مؤنث کی تار مقدر و پوشیدہ ہے اور اس کی علامت ان دونوں کی تصغیر "اُریضۃ" اور "دُوَیرۃ" آنا ہے اسلئے کہ بذریعہ تصغیر اسمار کے سارے حروف عیاں ہو جاتے ہیں اور ان کا اصل حال کھل جاتا ہے۔

ثم المؤنث علیٰ قسمین حقیقی الخ یعنی مونث کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی دوسری لفظی۔ حقیقی مؤنث اسے کہا جاتا ہے جس کے مقابل کوئی حیوان مذکر موجود ہو۔ اس سے قطع نظر کہ اس میں الف مقصورہ آرہا ہو مثلاً "حبلیٰ" یا الف ممدودہ آیا ہو مثلاً حمرار، یا تار لفظوں میں آئی ہو مثلاً "امرأۃ" کہ اس کے بالمقابل "رجل" آتا ہے۔

اور مؤنثِ لفظی اسے کہا جاتا ہے جس کے بالمقابل کوئی حیوان مذکر نہ آتا ہو۔ مثال کے طور پر "ظلمۃ" اور "عین" کہ ان کے مقابلہ میں کوئی مذکر نہیں۔ ظلمۃ مؤنث حقیقی کی مثال دی گئی کہ اس میں تار لفظوں میں موجود ہے اور "عین" مونث لفظی یا تقدیری کی مثال ہے کہ اس میں تائے تانیث مقدر و پوشیدہ ہے "عُیینۃ" کی دلیل کے ذریعہ

کہ اسماء کی تصغیر سے ان کی اصل کا پتہ چل جاتا ہے۔

صاحب کتاب نے یہاں "من الحیوان" کی قید لگائی تاکہ اس قید کے ذریعہ نخل کی تانیث سے احتراز ہوسکے کیونکہ اس کے بالمقابل اگرچہ نخل کی جنس سے مذکر پایا جاتا ہے مگر اس کے بالمقابل حیوان مذکر نہ ہونے کی بنا پر یہ تانیث حقیقی نہیں کہلائے گی۔

فصل ۔ المثنّیٰ اسمٌ اُلحق باٰخرِہ الفٌ اویاءٌ مفتوحٌ ما قبلھا ونونٌ مکسورۃٌ لیدلّ علیٰ انّ معہٗ اٰخرَ مثلہٗ نحو رجلان ورجلَین ھذا فی الصحیح اما المقصور فان کانت الفہٗ منقلبۃً عن واوٍ وکان ثلاثیا رُدّ الیٰ اصلہٖ کعصوان فی عصا وان کانت عن یاءٍ اوواوٍ وھواکثر من الثلاثی اولیست منقلبۃً عن شیءٍ تقلب یاءً کرحیان فی رحی وملھیان فی ملھی وحباریان فی حُباریٰ وحُبلیانِ فی حُبلیٰ واما الممدودُ فان کانت ھمزتُہٗ اصلیۃً تثبتُ کقُرّاٰان فی قُرّاءٍ وان کانتْ للتانیث تقلب واوا کحمراوان فی حمراءَ وان کانتْ بدلاً مِن اصلٍ واوًا اویاءً جاز فیہ الوجھان ککساوان وکساءان ویجب حذفُ نونِہٖ عند الاضافۃ تقول جاءنی غلاما زیدٍ ومسلما مصرٍ وکذلک تحذفُ تاءُ التانیثِ فی تثنیۃِ الخصیۃِ والالیۃِ خاصۃً تقول خُصیان والیان لانھما متلازمان فکانھما شیءٌ واحدٌ واعلم انہ اِذَا اُرید اضافۃُ مُثنّیً الی المثنّیٰ یُعبّر عن الاول بلفظ الجمع کقولہٖ تعالیٰ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُما وفَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا وذٰلِکَ لکراھۃ اجتماعِ تثنیتَین فیما تاکّد الِاتصالُ بینھما لفظًا ومعنیً۔

ترجمہ :۔ مثنّیٰ وہ اسم کہلاتا ہے کہ جس کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسور ہو تاکہ اس سے اس کی نشاندہی ہو کہ اس کے ساتھ اسی جیسا دوسرا ہے مثلاً " رجلان " اور " رجلین " یہ ذکر کردہ الحاق اسم صحیح میں ہے۔ رہا اسم مقصور تو اگر اس کے ساتھ واؤ سے بدل جانے والا الف ہو اور وہ ثلاثی بھی ہو تو اسے اس کی اصل کی جانب لوٹا یا جائے گا۔ مثلاً "عصا" میں "عصوان"۔ اور اگر وہ یا یا واؤ سے بدلنے والا ہو اور ثلاثی (تین حرف) سے زائد ہو یا وہ واؤ اور یاء سے بدلنے والا نہ ہو تو (تثنیہ میں) وہ یاء سے بدل جائے گا۔ مثلاً رحیٰ میں "رحیان" اور ملھیٰ میں " ملھیان " اور حباریٰ میں " حباریان " اور حبلیٰ میں "حبلیان"۔

اور اسم ممدود کی صورت میں اگر ہمزہ اصلی ہو تو اسے برقرار رکھیں گے مثلاً "قرّاء" میں "قرّاان" اور برائے تانیث

ہونے کی صورت میں واؤ سے بدلا جائے گا۔ جیسے "حمراءٌ" میں " حمراوان" اور اگر ہمزہ اصل سے بدل واقع ہوا ہو اور اصل واؤ یا یاء ہو تو اس میں دو صورتیں درست ہیں مثلاً "کساوان" اور "کساآن"۔ اور بوقت اضافت نون حذف کرنا ضروری ہوگا کہو گے " جاءنی غلاما زید، " و " مسلما مصر " اسی طریقہ سے خاص طور پر تائے تانیث " الخصیۃ " اور " الالیۃ " میں حذف کی جائے گی۔ کہو گے " خصیان اور " الیان " کیونکہ وہ تلازم کے باعث شئ واحد کی طرح ہو گئے۔

اور واضح رہے کہ مثنیٰ بجانب مثنیٰ اضافت کی صورت میں اول کی تعبیر لفظ جمع سے کی جائے گی مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ " فقد صغت قلوبکما فاقطعوا ایدیہما (الآیۃ) اور یہ اس وجہ سے کہ ایسے دو تثنیوں کا اکٹھا ہونا پسند نہیں جن کے درمیان لفظاً اور معناً اتصال کے تاکد کا تعلق ہو۔

تشریح المثنیٰ اسم الحق بآخرہ الخ۔ پہلے اس بات سے آگاہ ہونا چاہئے کہ صاحب کتاب نے محض تثنیہ اور جمع کو جنہیں کہ فرع مفرد قرار دیا جاتا ہے بیان کیا۔ یہ اس لئے تاکہ یہ پتہ چل جائے ان کے علاوہ مفرد ہوتا ہے اور مقصود اس طرز بیان سے اختصار ہے۔ پس مثنیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مثنیٰ اسے کہتے ہیں کہ جس کے اخیر میں الف بماقبل مفتوح یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ آئے۔ اور اس سے مقصود اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مفرد کی طرح اسی کی جنس سے ایک دوسرا بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر " رجلان " سے ایک " رجل " کے ساتھ دوسرے رجل کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ہذا فی الصحیح الخ یعنی مذکورہ طریقہ سے اخیر میں الف اور یاء کا الحاق محض اسم صحیح میں ہوا کرتا ہے۔ رہے اسم ممدود اور اسم منقوص ان میں جوں کا توں بغیر کسی تغیر کے الحاق نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں تغیر و تبدل ضرور ہوتا ہے۔

اما المقصور فان کانت الخ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ ہر ایسا اسم مقصور جس کے الف کو واؤ سے تبدیل کیا گیا ہو علاوہ ازیں وہ ثلاثی ہو تو اس کا تثنیہ بناتے ہوئے اس کا الف واؤ سے تبدیل ہو جائے گا۔

وان کانت عن یاء الخ۔ خلاصہ یہ کہ لفظ کے ثلاثی نہ ہونے کی صورت میں اس سے قطع نظر کہ اس کے الف کو یاء سے بدلا گیا ہو مثلاً " رحیٰ " سے " رحیان " یا اسے واؤ سے بدلا گیا ہو یا کسی چیز سے بھی تبدیل نہ ہوا ہو بہرصورت یا الف سے تبدیل ہوگا۔

واما الممدود فان کانت ہمزتہ اصلیۃ۔ یعنی تثنیہ بناتے ہوئے اسم کے اخیر میں الف ممدودہ ہونے کی شکل میں اگر یہ ہمزہ اصلی ہوگا تو وہ اپنی جگہ برقرار رہیگا۔ مثال کے طور پر " قراء " میں " قراءان "۔ اور اگر یہ ہمزہ اصلی نہ ہو بلکہ برائے تانیث ہو تو اس صورت میں جب تثنیہ بنائیں گے تو یہ واؤ سے بدل جائیگا کیونکہ جہاں تک ثقیل کے ہونے کا سوال ہے واؤ ہمزہ سے قریب ہوتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " حمراء " سے " حمراوان "۔

وان کانت بدلاً من اصیل واؤاً او یاءً ا جاز فیہ الوجہان ۔ یعنی اگر یہ ہمزہ نہ تو اصلی ہو اور نہ برائے تانیث تو اس صورت میں یہ بھی درست ہے کہ ہمزہ برقرار رکھا جائے اور یہ بھی درست ہے کہ اسے واؤ سے تبدیل کردیں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "کساوان" اور "کسا‌ءان"۔

ویجب حذف نونہ عند الاضافۃ ۔ یہ فرماتے ہیں کہ اضافت کی صورت میں نون ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ نون کلمہ کے مکمل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور اسم تام کا جہاں تک تعلق ہے اسمیں تغیر کے بغیر اضافت نہیں ہوتی۔

وکذلک تحذف تاء التانیث ۔ یعنی جسطرح تثنیہ کا نون حذف کردیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح "الیۃ" اور "خصیۃ" کی تانیث کی تاء کو اندرونِ تثنیہ حذف کردیا جاتا ہے اور یہ ان دونوں کی تاء کا حذف ہونا قیاس کے خلاف واقع ہوا ہے لہٰذا "خصیان" اور اسی طرح "الیان" کہا جائے گا۔ کیونکہ قیاس کا عین مقتضیٰ یہ تھا کہ تاء حذف نہ ہوتی۔ تو قیاس کے تقاضہ کے مطابق متفقہ طور پر یہ بھی درست ہے کہ ان کی تانیث کی تاء برقرار رکھی جائے۔ اور "الیتانْ" اور "خصیتانْ" کہا جائے۔ ان دونوں میں تاء کے حذف کی وجہ دراصل یہ ہے کہ خصیتان اور الیتان دو چیزیں ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے لئے ایسی لازم ہیں کہ ان کا شدتِ اتصال کے باعث ایک دوسرے سے الگ ہونا ممکن نہیں اور اس اتصال کی وجہ سے شے واحد کے حکم میں ہوگئے۔

خاصۃ ۔ یعنی خصوصیت کے ساتھ محض ان دونوں میں تانیث کی تاء کو حذف کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے کلموں کے تثنیہ میں تانیث کی تاء حذف نہیں کی جاتی۔

واعلم انہ اذا ارید اضافۃ مثنیٰ الخ ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ایک مثنیٰ اس سے قطع نظر کہ وہ مرفوع، منصوب مجرور یا مؤنث یا مذکر ہو اس کے بجانب ضمیر مضاف ہونے کی صورت میں مضاف یا تو بلفظ جمع آئے گا یا بلفظ مفرد یعنی اس صورت میں مفرد یا جمع کے لفظ سے مضاف لانا اولیٰ و بہتر ہے واجب نہیں۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد باری تعالیٰ "فقد صغت قلوبکما فاقطعوا ایدیہما" (الآیۃ) اسلئے کہ ایسی دو چیزیں جن میں باہم لفظاً و معنیً اتصال ہو کہ ہو ان کے تثنیوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے۔

فصل :۔ الجموعُ اسمٌ دلَّ علیٰ اٰحادٍ مقصودۃٍ بحُرُوفِ مفردۃٍ بتغیُّرٍ ما اِمّا لفظیٌّ کرِجالٍ فی رَجُلٍ اوتقدیریٌّ کفُلْكٍ علیٰ وزنِ اُسُدٍ فاِنَّ مفردۃ ایضًا فُلْكٌ لکنہٗ علیٰ وزن قُفْلٍ فقَوْمٌ ورھطٌ ونحوُہٗ وان دلَّ علیٰ اٰحادٍ لکنہٗ لیس بجمعٍ اذلامفردلہٗ ثم الجمعُ علیٰ قسمین مصحّحٌ وھوما لم یتغیربناء واحدہٖ ومُکسّرٌ وھوما یتغیرفیہ بناء واحدہٖ والمصحّح علیٰ قسمین مذکرٌ وھوما اُلحِقَ باٰخرہٖ واوٌ مضمومٌ ما قبلھا ونونٌ مفتوحۃٌ کمسلمونَ اویاءٌ مکسورٌ ماقبلھا ونونٌ کذٰلك لیدُلَّ علیٰ انَّ معہٗ اکثرَ منہٗ نحومُسلِمِینَ وھٰذا فی الصحیح اَمّا المنقوصُ

فیُحذَفُ یاؤُہ مثلُ قاضُونَ وداعُونَ والمقصورُ یُحذفُ الفہٗ ویُبقی ما قبلہَا مفتوحًا لیدُلَّ علی الفٍ محذوفۃٍ مثل مصطفَونَ ویُختص باُولی العِلمِ واما قولہم سِنُونَ واَرَضونَ وثبُونَ وقِلُون فشاذٌ ویجب ان لایکونَ افعلَ مؤنثہٗ فعلاءُ کاحمرَ وحمراء ولا فعلانَ مؤنثہٗ فَعلیٰ کسکرانَ وسَکریٰ ولافَعِیلًا بمعنیٰ مفعولٍ کجریحٍ بمعنیٰ مجروحٍ ولافَعُولًا بمعنیٰ فاعِلٍ کصَبُورٍ بمعنیٰ صابرٍ ویجبُ حذفُ نونِہٖ بالاضافۃِ نحو مسلمو مِصرٍ ومؤنثٌ وھو ما اُلحِقَ باٰخِرِہٖ الفٌ وتاءٌ نحو مُسلِمات وشرطہٗ ان کان صفۃً ولہ مذکرٌ اَنْ یکون مذکرہٗ قَدْ جُمِعَ بالواوِ والنونِ نحو مُسلِمونَ وان لم یکن لہٗ مُذکرٌ فشرطُہٗ ان لایکونَ مُؤَنَّثًا مُجرّدًا عن التاء کالحائضِ والحامِلِ وان کان اسمًا غیرَ صفۃٍ جُمِعَ بالالفِ والتاءِ بلاشرطٍ کھندات والمکسّرُ صیغتہٗ فی الثلاثی کثیرۃٌ تُعرفُ بالسماعِ کرجالٍ واَفراسٍ وفُلوسٍ وفی غیر الثلاثی علیٰ وزنِ فعَالِلَ وفعَالِیل قیاسًا کما عرفت فی التصریف ثم الجمعُ ایضًا علیٰ قِسمین جمع قِلّۃٍ وھو ما یُطلقُ علی العَشرۃ فما دُونَہَا وابنیتُہٗ افعُل اَفعال وافعِلَۃ وفِعْلَۃ وجمعا الصحیح بدون اللام کزیدُون ومُسلمَاتٌ وجمعُ کثرۃٍ وھُوَ مَا یُطْلَقُ عَلیٰ مَا فوقَ العشرۃِ وابنیتُہ ماعدا ھٰذہ الابنیۃ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل اسم مجموع کے بیان میں ہے۔ اسم مجموع وہ اسم کہلاتا ہے جو ایسے افراد کی نشاندہی کرے جن کا حروف مفردہ کے ذریعہ ارادہ کیا گیا ہو کسی طرح کے تغیر سمیت۔ خواہ یہ تغیر لفظی ہو مثلاً "رجل" میں "رجال"۔ یا یہ تغیر معنوی وتقدیری ہو مثلاً "فُلکٌ" بروزن "اُسُدٌ" اسلئے کہ اس کا مفرد بھی فُلک ہی ہے مگر وہ "قُفل" کے وزن پر آیا کرتا ہے۔ لہٰذا قوم اور رہط وغیرہ اگرچہ افراد پر دلالت کرتے ہیں مگر وہ جمع نہیں کیونکہ ان کا مفرد نہیں آتا۔ پھر جمع دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) مصحح۔ وہ اس جمع کو کہا جاتا ہے کہ اس کے واحد کا وزن نہ بدلے (۲) مکسر وہ ایسی جمع کہلاتی ہے کہ اس میں وزن واحد بدل جائے۔

اور مصحح کی دو قسمیں ہیں (۱) مذکر وہ اسے کہا جاتا ہے جس کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم اور نون مفتوح ہو مثلاً "مُسلمونَ"۔ یا یہ کہ یا ماقبل مکسور اور نون مفتوح ہو تاکہ اس کی نشاندہی کرے کہ اس کے ساتھ اس سے اکثر ہیں۔ مثال کے طور پر "مسلمین"، اور یہ ذکر کردہ الحاق اسم صحیح میں ہوگا۔

رہا اسم منقوص تو اس میں اس کی یاء کو حذف کیا جاتا ہے۔ مثلاً "قاضون" اور "داعون"۔ اور اسم مقصور کے الف کو حذف کرکے اس کا ماقبل مفتوح برقرار رکھتے ہیں تاکہ اس سے الف کے حذف ہونے کی نشاندہی ہو مثلاً "مصطفون" اور یہ جمع اہل علم (واہل عقل) کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہا ان کا قول "سنون"

"اَرَضُونَ"، "ثُبون"، اور "قلون" یہ شاذ اور کالعدم کے درجہ میں ہے۔ اور وہ اسم جس سے جمع کا ارادہ ہو اس میں ضروری ہے کہ وہ ایسا افعل نہ ہو جس کا مؤنث فعلاء آیا کرتا ہے مثلاً اَحمر، و حمراء۔ اور نہ وہ فعلون ہو جس کا مؤنث فعلیٰ آیا کرتا ہے مثلاً "سکران" اور "سکریٰ"۔ اور نہ وہ فعیل بمعنیٰ مفعول ہو مثلاً "جریح" بمعنیٰ مجروح"۔ اور نہ وہ فعول بمعنی فاعل ہو مثلاً "صبور" بمعنی "صابر" اور نون جمع کا حذف کرنا بوقت اضافت ضروری ہے مثلاً "مسلمو مصر"۔

اور جمع مؤنث وہ ایسی جمع کہلاتی ہے کہ اس کے آخیر میں الف اور تاء کا الحاق ہوا ہو۔ مثلاً "مسلمات" اس کی شرط یہ قرار دی گئی کہ اس اسم کے صفت ہونے کی صورت میں بشرطیکہ اس کے لئے (اس کے مقابل) مذکر موجود ہو تو اس کے مذکر کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ آئے گی مثلاً "مسلمون" اور اگر اس کے لئے مذکر نہ ہو تو پھر اس میں یہ شرط ہوگی کہ وہ مؤنث خالی عن التاء نہ ہو مثلاً حائض" اور "حامل"
اور اسم کے صفت کے علاوہ ہونے کی صورت میں بلا کسی شرط کے اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آئیگی مثلاً "ہندات" اور ثلاثی میں جمع مکسر کے بہت سے صیغے ہیں جو سنتے ہی پہچان لئے جاتے ہیں۔ مثلاً "رجال"، "افراس" فلوس"۔ اور ثلاثی کے علاوہ میں "فعالل اور فعالیل کے وزن پر از روئے قیاس جیسے کہ علم صرف میں جان و پہچان چکے ہو۔

پھر جمع کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) جمع قلت۔ اس کا اطلاق (ایک سے) دس تک ہوتا ہے۔ اس کے اوزان ہیں افعل، افعال، افعلۃ، فعلۃ۔ اور دو بغیر لام کے جمع صحیح مثلاً "زیدون" اور "مسلمات" (۲) جمع کثرت اس کا اطلاق دس سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اس کے اوزان جمع قلت کے اوزان کے علاوہ ہیں۔

تشریح المجموع اسم دلّ الخ یہاں یہ بتاتے ہیں کہ مجموع ایسے اسم کو کہا جاتا ہے جو مفرد میں معمولی تغیر و تبدل کے بعد افراد مقصودہ کی نشاندہی کرے اس سے قطع نظر کہ یہ تغیر الفاظ کے اعتبار سے ہو یا لفظوں میں نہ ہو بلکہ معنوی لحاظ سے ہو۔ ذکر کردہ تعریف میں "آحاد" کی قید کے ذریعہ اسمائے اجناس نکل گئے اس لئے کہ ان سے اوروں کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ نیز مفردہ کی قید کے ذریعہ اسمائے عدد وغیرہ نکل گئے کیونکہ ان کے ذریعے اگرچہ افراد مقصودہ کی نشاندہی ہوتی ہے لیکن ان کا مفرد نہیں آتا اور "بتغیر ما" کی قید سے "رکب" وغیرہ نکل گئے کہ ان میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوا۔ مگر اس تغیر میں عمومیت ہے یہ تغیر خواہ الفاظ کے اعتبار سے ہو یا معنوی تغیر ہو۔ لفظاً تغیر کی مثال مثلاً "رجل" سے "رجال" اور معنوی تغیر کی مثال "فُلک" کہ بحالت مفرد اس کا وزن اور بصورت جمع اس کا وزن "اُسد" کے وزن پر ہوتا ہے۔

نحو قوم و رہط و نحوہ الخ۔ اس جگہ صاحب کتاب اس قید کا فائدہ ذکر فرماتے ہیں جو کہ حروف مفردہ کی لگائی گئی ہے فرماتے ہیں کہ "قوم" اور "رہط" اور اس کے مانند دوسرے اسمائے اجناس مثلاً "ابل" "بقر" وغیرہ ان کی اسمائے

آحاد پر دلالت کے باوجود انھیں ان کا کوئی مفرد نہ ہونے کی بنا پر جمع نہیں کہا جاتا۔ حروف مفردہ کے زمرے میں لفظی اور معنوی دونوں داخل ہیں۔

ثم الجمع علیٰ قسمین الخ۔ جمع دو قسموں پر مشتمل ہے ایک مصحح کہلاتی ہے اور دوسری مکسر۔ مصحح کا دوسرا نام جمع صحیح اور جمع سالم بھی ہے اور جمع مکسر، جمع غیر صحیح وغیر سالم بھی ہے۔ جمع صحیح تو اسے کہتے ہیں کہ جس میں بنائے واحد محفوظ رہے اور مکسر وہ کہلاتی ہے جس میں بنائے واحد محفوظ و سلامت نہ رہے۔ "مصحح" دراصل باب تفعیل سے اسم مفعول واقع ہوا اور اس کو مصحح کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اس میں وزن مفرد برقرار رہتا ہے۔ باب تفعیل مکسر بھی اسم مفعول ہی واقع ہوا اور اس کا یہ نام رکھے جانے کا سبب یہ ہے کہ اس میں وزن واحد اپنی جگہ برقرار نہیں رہتا۔

والمصحح علیٰ قسمین مذکر الخ۔ یہاں فرماتے ہیں کہ مصحح دو قسموں پر مشتمل ہے (۱) جمع صحیح مذکر (۲) جمع صحیح مؤنث۔ جمع صحیح مذکر تو ایسا اسم کہلاتا ہے کہ جس کے مفرد کے آخیر میں ایسا واؤ ہو جس کے ماقبل پر ضمہ ہو یا ایسی یاء ہو کہ اس کا ماقبل مکسور ہو، اور نون پر فتحہ ہو تاکہ الحاق سے اس کی نشاندہی ہو سکے کہ مفرد کے ساتھ متعدد اور مفرد سے زیادہ ہیں یعنی دو تین چار وغیرہ مثلاً "مسلمین" یہ ذکر کردہ الحاق کی صورت صحیح میں ہے۔

اما المنقوص فتحذف یاؤہ الخ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ جمع صحیح مفرد کے اخیر میں اگر ایسی یا آرہی ہو جس کے ماقبل پر کسرہ ہو تو جس وقت جمع بنائیں گے وہ یا حذف ہو جائے گی۔ مثلاً "قاضون" اور "داعون"

والمقصور یحذف الفہ الخ اس جگہ یہ اصول بتاتے ہیں کہ جمع صحیح کے مفرد کے اخیر میں الف مقصورہ ہونے کی صورت میں جمع کا الف دو ساکنوں کے ملنے کے باعث گر جائے گا۔ مثال کے طور پر "مصطفون" کہ یہ درحقیقت "مصطفیون" تھا۔ یا تو اس سے پہلے فتحہ ہونے کے باعث الف سے بدل گئی اور پھر الف دو ساکنوں کے ملنے کے باعث ساقط ہو گیا۔

ویختص باولی العلم الخ یعنی جمع مذکر کا جہاں تک تعلق ہے یہ اہل علم کے ساتھ مخصوص ہے۔

واضح رہے کہ جس مفرد کے بارے میں یہ قصد ہو کہ وہ جمع بنائی جائے وہ یا تو فقط اسم ہوگا اور اس کے اندر معنیٰ صفت موجود نہ ہونگے یا وہ ایسا اسم صفت ہوگا کہ جو علم نہ بنا ہو۔ مثال کے طور پر اسم مفعول اور اسم فاعل۔ پس اس کے فقط اسم ہونے کی صورت میں تین شرطوں کے ساتھ جمع بنائیں گے (۱) علم ہونا (۲) عقل (۳) مذکر۔ یعنی وہ اس طرح کا واحد مذکر اسم واقع ہوا ہو کہ وہ مذکر عالم عاقل کے واسطے علم کے طور پر بولا جاتا ہو۔ مذکر سے مقصود اس میں ذکر کردہ تاء اور تائے معرفہ کا نہ ہونا ہے تاکہ مثلاً "طلحۃ" اور "عین" اس تعریف سے نکل جائیں کہ ان کی جمع سالم آنا ممکن نہیں۔ اس میں اس شرط کے لگانے کا سبب اس جمع کا دوسری ساری جمعوں سے افضل و اشرف ہونا ہے اور مذکر عاقل کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی اشرف و افضل ہے۔ پس مناسبت برقرار رکھنے کی خاطر اشرف، افضل و اشرف ہی کا عطا ہوا اور "علمیت" کی قید کے باعث "رجل" نکل گیا۔ اگرچہ یہ مذکر عاقل کے لئے ضرور بولا جاتا ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ یہ علم نہیں اس کی جمع مذکر سالم نہ بنائیں۔

ویجب ان لا یکون افعل الخ۔ واضح رہے کہ وہ اسم جس کی جمع بنانا مقصود ہو اس کے اسم صفت واقع ہونے

کی صورت میں اسے پانچ شرائط کے ساتھ جمع بنایا جا سکتا ہے۔

(۱) ایسا اسم ہونا جو اہلِ علم و عقل مذکر کے لئے بولا جا سکے (۲) وہ اسم صفت ایسے افعل کے وزن پر نہ آیا ہو جس کا صیغہ مؤنث بروزن فعلاء آیا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر "احمر و حمراء" کیونکہ ایسے "افعل" کی جمع بروزن فعلیٰ آیا کرتی ہے تو اس صورت میں دونوں "افعل" کے بیچ میں التباس پیدا ہو جائے گا اور دونوں کے درمیان امتیاز نہ ہو سکے گا۔

(۳) وہ اسم صفت بروزن فعلان بھی نہ آئے جس کا مؤنث بروزن فعلیٰ آیا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر "سکران" کہ "سکریٰ" کا مؤنث "سکریٰ" آیا کرتا ہے کیونکہ اس کی جمع بروزن فعلان آنے کی شکل میں "فعلان" و "فعلانۃ" کے بیچ میں التباس لازم آئے گا۔ اس التباس سے احتراز کی خاطر جمع "فعلان" مع الواؤ والنون "نہیں لائیں گے۔

ایک اشکال کا جواب اگر یہاں کوئی یہ اشکال کرے کہ اس کا عکس بھی تو ہو سکتا تھا اس سے کیوں احتراز کیا تو اس کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ تذکیر و تانیث کے درمیان فرق ظاہر کرنے والی "فعلانۃ" کی تاء ہے تو یہاں موزوں یہ ہے کہ جمع افضل و اشرف یعنی مذکر لائی جائے۔

(۴) ایسا اسم جس کی جمع مع الواؤ والنون بنائی جارہی ہو ایسے فعیل کے وزن پر نہ آئے جو بمعنیٰ مفعول آیا کرتا ہے۔

(۵) اور نہ ایسے فعول کے وزن پر آئے جو بمعنیٰ فاعل آیا کرتا ہے۔

ویجب حذف نونہ بالاضافۃ الخ یعنی بوقت اضافت از روئے ضابطہ نونِ جمع ساقط ہو جایا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر "مسلمو مصر" اور اس کا سبب تثنیہ کے بیان میں گذر چکا۔

ومؤنث وہو ما الحق الخ۔ یہاں یہ بتاتے ہیں کہ جمع سالم کی قسم دوم جمع مؤنث کہلاتی ہے اور جمع مؤنث سالم اسے کہا جاتا ہے کہ اس کے مفرد کے اخیر میں الف و تا آئے۔ مثال کے طور پر "مسلمات"۔ اور وہ اسم جس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آرہی ہو اس میں شرط اس کے مفرد کا اسم صفت ہونا ہے اور یہ بھی کہ اس اسم مفرد کا کوئی مذکر بھی آتا ہو کہ اس کے مذکر کی جمع مع الواؤ والنون آئے گی مثلاً "مسلمون"، اور اس کے مفرد کا کوئی مذکر نہ ہونے کی صورت میں اس کا جمع مؤنث بنانے کے لئے یہ شرط ملحوظ ہے کہ لفظ تائے تانیث نہ ہو مثلاً "حائض" اور "حامل"۔ حائض کی جمع لائی جائے تو "حائضات" نہ آئے گی بلکہ "حائضات" دراصل "حائضۃ" کی جمع ہے تو جمع "حائض"، "حائضات" آنے کی صورت میں یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ "حائض" اور "حائضۃ" میں سے کس کی جمع ہے۔ پس باعتبار لفظ دونوں کے درمیان فرق ناگزیر ہے۔ حائض تو وہ بالغہ عورت کہلاتی ہے کہ جس میں حیض آنے کی اہلیت موجود ہو۔ اور "حائضۃ" وہ عورت کہلاتی ہے جسے حیض آرہا ہو۔

وان کان اسما غیر صفۃ الخ اور اسم کے صفتی نہ ہونے اور محض اسم ہونے کی صورت میں بغیر کسی شرط کے مع الالف والتاء جمع لائیں گے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "ہندات"

والمکسر صیغۃ الخ۔ جمع مکسر اسے کہا جاتا ہے جس میں واحد کی بناء جوں کی توں برقرار نہیں رہتی بلکہ متغیر ہو جاتی ہے مثلاً "رجال"، کہ اس میں رجل کی اصل شکل جو واحد میں تھی برقرار نہیں رہی۔ فرماتے ہیں کہ ثلاثی کے بہت سے صیغے آتے ہیں اور ان

سے واقفیت بذریعہ سماع ہوسکتی ہے۔ اور جہاں تک غیر ثلاثی کا تعلق ہے اس میں از روئے قیاس جمع بر وزن فعالل اور فعالیل آیا کرتی ہے۔ علم تصریف میں اس کے بارے میں تم جان چکے ہو۔

ثم الجمع علیٰ قسمین جمع قلۃ الخ۔ یہاں فرماتے ہیں کہ جمع کی بھی بلحاظ مصداق دو قسمیں ہیں۔

(۱) جمع قلت (۲) جمع کثرت۔ جمع قلت دس اور دس سے کم تک کہلاتی ہے۔ اور دس سے زیادہ یہ جمع کثرت کہلاتی ہے۔ اوزان جمع قلت حسب ذیل ہیں۔

(۱) افعل مثلاً افلس۔ (۲) افعال مثلا افراس۔ (۳) افعلۃ مثلاً ارغفۃ۔ (۴) فعلۃ مثلاً غلمۃ (۵) جمع مؤنث سالم (۶) جمع مذکر سالم۔ صاحب کتاب نے ان دونوں کی "وجمعا الصحیح" کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ یہ دونوں بھی جمع قلت کے زمرے میں داخل ہیں۔

فصل المصدر اسمٌ یدلُّ علی الحدث فقط ویشتقُّ منه الافعال کالضرب و النصر مثلاً وابنیتُه من الثلاثی المجرد غیرُ مضبوطۃٍ تُعرفُ بالسماء ومن غیرہ قیاسیۃٌ کالافعالِ والانفعال والاستفعالِ والفعللۃِ والتفعللِ مثلاً فالمصدر ان لم یکن مفعولاً مطلقًا یَعملُ عَمَلَ فعلہ اعنی یرفع الفاعلَ ان کان لازمًا نحو عجبنی قیامُ زیدٍ وینصب مفعولاً ایضًا ان کان متعدیًا نحو اَعجبَنی ضربُ زیدٍ عمرًوا ولا یجوزُ تقدیم معمولِ المصدر علیه فلا یُقال اعجبنی زیدٌ ضربُ عمرًوا و لا عمرًوا ضربُ زیدٌ ویجوز اضافتُه الی الفاعلِ نحو کرہتُ ضربَ زید عمرًوا والی المفعولِ به نحو کرہتُ ضَرْبَ عمرٍو زیدٌ واما ان کانَ مفعولاً مطلقًا فالعمل للفعل الذی قبلَه نحو ضربتُ ضربًا عمرًوا فعمرٌو منصوبٌ بضربتُ

ترجمہ:۔ یہ فصل مصدر کے بیان میں ہے۔ مصدر ایسا اسم کہلاتا ہے جو محض غیر کے ساتھ قائم معنی کی نشاندہی کرے اور اس سے افعال مشتق ہوں۔ مثال کے طور پر ضرب اور نصر اور ثلاثی مجرد سے اس کے وزن منبط شدہ نہیں۔ بذریعہ سماع انہیں پہچانا جاتا ہے اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے اوزان قیاسی قرار دئے گئے ہیں مثلاً افعال، انفعال، استفعال، فعللۃ اور تفعلل۔ تو مصدر کے مفعول مطلق نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنے فعل کا سا عمل کرے گا۔ یعنی مصدر کے لازم ہونے کی صورت میں وہ فاعل کو مرفوع کرے گا مثلاً "اعجبنی قیام زید" اور متعدی ہونے کی شکل میں مفعول کو منصوب کرے گا۔ مثلاً "اعجبنی ضرب زید عمرًوا" اور مصدر کے معمول کو مصدر سے قبل لانا جائز نہیں۔ تو یہ نہیں کہا جائیگا "اعجبنی زیدٌ ضربُ عمرًوا" "ولا عمرًوا ضربُ زیدٌ"۔ اور اضافت مصدر بجانب فاعل جائز ہے مثلاً "کرہت ضربَ زید عمرًوا" اور بجانب مفعول درست

ہے۔ مثلاً "کرہتُ ضربَ عمروٍ زیدٌ" اور مصدر کے مفعول مطلق ہونے پر عمل اس فعل کے لئے ہوگا جو اس سے قبل ہو مثلاً "ضربتُ ضرباً عمرواً" تو ضربتُ کے باعث عمرو۔ منصوب ہوا۔

تشریح:۔ المصدر اسم یدل الخ۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ مصدر ایک ایسا اسم ہے کہ اس کے ذریعہ ایسے معنی کی نشاندہی ہوتی ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے قائم نہ ہو بلکہ اس کے لئے اپنے غیر کی احتیاج ہو۔ مثال کے طور پر ضرب اور نصر کہ یہ باعتبار معنی اپنی ذات پر قائم و مستقل نہیں بلکہ ان کا قیام زید اور عمرو وغیرہ کے ساتھ ہے۔ صاحب کتاب کی "فقط" کی قید کے ذریعہ سارے مشتقات تعریف مصدر سے نکل گئے۔

ویشتق منہ الافعال الخ خلاصہ یہ کہ مصدر ایسا اسم کہلاتا ہے جس سے ایسے معنیٰ کی نشاندہی ہوتی ہو جو غیر کے ساتھ قائم ہوں اور افعال کا اشتقاق اس سے ہوتا ہو۔

ایک شے کو دوسری شے سے بنانے کا نام اشتقاق ہے۔ اور اصطلاحاً اشتقاق کے معنیٰ دو لفظوں کے بیچ میں باعتبار لفظ و معنی مناسبت کے آتے ہیں۔ اس مناسبت کا جہاں تک تعلق ہے وہ یا تو دونوں لفظوں کی ترتیب اور حروف کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے مثلاً ضربَ ضرْبٌ سے یا یہ کہ مناسبت محض حروف میں تو موجود ہوتی ہے لیکن اندرون ترتیب نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر "جذب" اور "جبذ"۔

وابنیتہ من الثلاثی الخ یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ثلاثی مجرد کے اوزان کا جہاں تک تعلق ہے وہ سماعی ہیں اور ان کا تعلق اہل زبان سے سننے سے ہے۔ اور ثلاثی مجرد کے علاوہ دوسرے اوزان مثلاً رباعی و مزید فیہ کے مصدر کے اوزان قیاسی ہیں اور ان میں اہل عرب سے سننے کی احتیاج نہیں۔

فالمصدران لم یکن مفعولاً مطلقاً الخ مصدر کے مفعول مطلق نہ ہونے کی صورت میں اس کا عمل اپنے فعل کا سا ہوگا مطلب یہ ہے کہ فعل لازم ہوگا وہ فاعل کو مرفوع کرے گا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "اعجبنی قیامُ زیدٍ" اور فعل کے متعدی ہونے پر فاعل کو مرفوع کرے گا اور مفعول کو منصوب۔ مثال کے طور پر کہا جائے "اعجبنی ضربُ زیدٍ عمرواً"۔

ولایجوز تقدیم معمول المصدر علیہ الخ یعنی مصدر کے معمول کا جہاں تک تعلق ہے اسے مصدر سے پہلے لانا چاہئے وہ فاعل ہو یا مفعول یہ درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مصدر عامل ضعیف ہے اور ضعیف عامل کا مقدم معمول میں عمل نہیں ہو سکتا جمہور و اکثر نحاۃ یہی فرماتے ہیں۔

ویجوز اضافتہ الی الفاعل الخ یعنی مصدر کو بجانب فاعل مضاف کرنا درست ہے اور ایسی صورت میں مصدر پر باعتبار لفظ جر آئے گا۔ اور فاعل ہونے کے لحاظ سے باعتبار معنیٰ مرفوع ہوگا۔ اور مفعول بہ کے ذکر کی صورت میں اس پر نصب آئے گا مثلاً "کرہتُ ضربَ زیدٍ عمرواً"۔

واما ان کان مفعولاً مطلقاً فالعمل الخ۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ مصدر کے مفعول مطلق ہونے کی صورت میں اس سے قبل ذکر کردہ فعل کا عمل ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "ضربتُ ضرباً عمرواً" کہ اس میں ضرباً جو مصدر ہے وہ مفعول مطلق

ہے تو یہاں عمل برائے مصدر نہیں بلکہ برائے فعل یعنی "ضربتُ" کے واسطے ہوگا۔

فصلٌ اسمُ الفاعل اسمٌ مشتقٌ من فعلٍ لیدُلَّ علی مَن قامَ بِہٖ الفعلُ بمعنی الحُدُوثِ وصیغتُہٗ من الثلاثی المجرّد علی وزن فاعِلٍ کضاربٍ وناصرٍ ومن غیرہٖ علی صیغۃِ المضارع من ذلک الفعل بمیمٍ مضمومۃٍ مکانَ حرفِ المضارعۃ وکسرِ ماقبلَ الآخر کمُدخِل ومُستَخرِج وھو یعملُ عملَ فعلِہِ المعروفِ اِن کان بمعنی الحالِ او الاستقبالِ ومعتمدًا علی المبتدأ نحو زیدٌ قائمٌ ابوہ اوذی الحالِ نحو جاءنی زیدٌ ضاربًا ابوہُ عمرًوا اوموصولٍ نحو مررتُ بالضاربِ ابوہُ عمرًوا اوموصوفٍ نحو عندی رجلٌ ضاربٌ ابوہُ عمرًوا اوھمزۃِ الاستفہامِ نحو اقائمٌ زیدٌ اوحرفِ النفیِ نحو ماقائمٌ زیدٌ فان کان بمعنی الماضی وجبَت الاضافۃ معنًی نحو زیدٌ ضاربُ عمرٍو اَمسِ ھٰذا اذا کان منکرًا امااذا کانَ مُعرّفًا باللامِ یَستوی فیہِ جمیعُ الازمنۃِ نحو زیدٌ نِ الضاربُ ابوہُ عمرًو نِ الاٰنَ اوغدًا او اَمسِ۔

ترجمہ: یہ فصل اسم فاعل کے بیان میں ہے۔ اسم فاعل وہ اسم کہلاتا ہے جو فعل سے اس لئے وضع کیا گیا ہو کہ وہ معنی حدثی (غیر کے ساتھ قائم معنی) کے ساتھ اس شخص کی نشاندہی کرے جس کے ساتھ فعل قائم ہو۔ ثلاثی مجرد سے اس کا صیغہ بروزن فاعل آیا کرتا ہے مثلاً "ضارب" "ناصر"۔ اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے اس فعل کے مضارع کے صیغہ پر آتا ہے۔ اور اس میں حرف مضارع کی جگہ میم مضموم ہوتا ہے اور اخیر حرف سے پہلا حرف مکسور ہوتا ہے مثلاً "مُدخِل" اور "مُستخرِج"۔ اور اس کا عمل فعل معروف کا سا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور مبتدا پر اس کا اعتماد ہو۔ مثلاً "زیدٌ قائمٌ ابوہٗ"۔ یا اس کا اعتماد ذوالحال پر ہو مثلاً "جاءنی زیدٌ ضاربًا ابوہٗ عمرًوا"۔ یا موصول پر اعتماد ہو مثلاً "مررت بالضارب ابوہ عمرًوا"۔ یا اعتماد موصوف پر ہو مثلاً "عندی رجلٌ ضاربٌ ابوہٗ عمرًوا"۔ یا ہمزہ استفہام پر اعتماد ہو مثلاً "اَقائمٌ زیدٌ"۔ یا حرف نفی پر ہو مثلاً "ماقائمٌ زیدٌ"۔

اگر وہ بمعنیٰ ماضی ہو تو بلحاظ معنیٰ اضافت ناگزیر ہوگی مثلاً "زیدٌ ضاربُ عمرٍو امسِ"۔ یہ حکم نکرہ ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ معرف باللام ہو تو اس صورت میں سارے زمانے اس میں یکساں ہوتے ہیں مثلاً "زیدٌ الضاربُ ابوہ عمرًو الاٰن او غدًا او اَمسِ"۔

تشریح: اسم الفاعل اسم مشتق الخ یہاں لفظ اسم کے ساتھ مشتق کی قید لگانے کے باعث اس کے زمرے

میں وہ سارے اسماء آگئے جن کا اشتقاق مصدر سے ہوا کرتا ہے اور تمام جامد اسماء اس سے نکل گئے۔

من فعل لیدل الخ اس جگہ فعل سے لغوی معنیٰ کا ارادہ کیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ اسم فاعل کا جہاں تک معاملہ ہے وہ فعل لغوی سے مشتق ہوا کرتا ہے۔ اصطلاحی فعل سے نہیں ہوتا جیسے کہ نحویانِ کوفہ کہتے ہیں کہ اشتقاق کے اندر اصل مصدر نہیں بلکہ فعل ہے مگر نحویان کوفہ کے مسلک کی عدم صحت کی جانب صاحب کتاب نے "من فعل" سے اشارہ فرمادیا اور اشارتاً یہ بتادیا کہ جہاں تک اشتقاق صفات کا مصدر سے تعلق ہے وہ بذریعۂ فعل ہوتا ہے۔

لمن قام بہ الفعل الخ اس قید کے ذریعہ اس تعریف سے اسم تفضیل اور اسم مفعول نکل گئے کیونکہ اسم مفعول کی وضع تو برائے "لمن وقع علیہ الفعل" ہوتی ہے۔ اور اسم تفضیل کی وضع مع اضافہ "لمن قام بہ الفعل" ہوا کرتی ہے۔

بمعنی الحدوث الخ اس قید کے ذریعہ صفت مشبہ اس تعریف سے نکل گئے۔ وجہ یہ ہے کہ صفتِ مشبہ سے دائمی صفت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اسم فاعل صفتِ غیر دائمہ کو بتاتا ہے۔

وصیغتہ من الثلاثی المجرد الخ۔ یعنی اکثر و بیشتر صیغۂ اسم فاعل بروزنِ فاعل آیا کرتا ہے مثلاً "ضارب" اور "ناصر"۔

ومن غیرہ علی صیغۃ المضارع الخ۔ یعنی ثلاثی کے علاوہ رباعی مجرد اور رباعی مزید فیہ میں سے ہر باب بروزن مضارع معروف معمولی تبدیلی کے ساتھ آیا کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حرف مضارع کے بجائے میم مضموم لایا جائے اس سے قطع نظر کہ حرفِ مضارع مضموم ہو یا مضموم نہ ہو۔ نیز اخیر حرف سے پہلے حرف کو مکسور کیا جائے چاہے مضارع میں اس پر کسرہ رہا ہو یا نہ رہا ہو مثال کے طور پر "مُدخِل"، کہ یہ افعال کے باب سے اسم فاعل واقع ہوا ہے۔ اور "مستخرِج" یہ استفعال کے باب سے اسم فاعل واقع ہوا ہے۔

وہو یعمل عمل فعلہ المعروف الخ فرماتے ہیں کہ اسم فاعل کا عمل فعل معروف کی مانند اس صورت میں ہوگا کہ وہ مستقبل یا حال کے معنیٰ میں واقع ہو۔ نیز یہ کہ اس کا اعتماد مبتدا یا موصول یا موصوف یا ذوالحال یا حرف نفی یا ہمزۂ استفہام پر ہو۔ باعتبار لغت اعتماد کے معنی بھروسہ کے آتے ہیں اور معنیٰ مقصود یہ ہیں کہ اسم فاعل کا اپنے سے ماقبل کے ساتھ کوئی نہ کوئی رابطہ و تعلق ہو۔ اور اس جگہ مقصود یہ ہے کہ اسم فاعل سے قبل ایسی اشیاء ہوں جن کے اوپر اسم فاعل کا اعتماد ہو اور ان کا اسم فاعل سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہو لہٰذا اس سے قبل آنے والے لفظ کے مبتدا ہونے کی صورت میں یہ اس کی خبر واقع ہو اور مثلاً اس سے قبل اگر ذوالحال ہو تو یہ اس کا حال واقع ہو اور اس سے قبل موصول ہونے کی شکل میں یہ اس موصول کا صلہ واقع ہو رہا ہو۔

برائے عمل اسم فاعل معتمداً کی شرط مشابہت فعل قوی کرنے کی خاطر بڑھائی گئی۔

فان کان بمعنی الماضی وجبت الاضافۃ۔ یعنی اسم فاعل کے ماضی کے معنیٰ میں ہونے اور اس کا مفعول بہ بیان کئے جانے کی صورت میں اس کا عمل مفعول بہ میں نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اس کی اضافت بجانب مفعول بہ معنیٰ ہوگی اسلئے کہ اضافت لفظی کا مطلب عامل کا بجانب معمول مضاف ہونا ہے۔ اور اسم فاعل کے ماضی کے معنی میں ہونے پر اس کے عمل کی شرط یہ قرار دی گئی کہ وہ مستقبل یا حال کے معنی میں ہو۔ واضح رہے کہ اسم فاعل کے ساتھ جو متعدی کی قید لگائی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ مفعول بہ کو بیان کیا گیا۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اسم فاعل کے بمعنیٰ مستقبل یا بمعنیٰ حال ہونے کی شرط مفعول بہ

میں عمل کے واسطے ہے یہ شرط فاعل میں عمل کے واسطے قطعاً نہیں۔

ہٰذا اِذا کان منکراً الخ یعنی اسم فاعل کے عامل ہونے کی یہ شرط کہ وہ بمعنی استقبال یا حال ہو یہ اس کے نکرہ ہونے کی صورت میں ہے۔ اور اگر وہ نکرہ نہ ہو بلکہ لام تعریف یا لام موصولہ کے ساتھ معرف واقع ہو تو اس وقت برائے عمل یہ شرط نہ رہیگی بلکہ عمل کے سلسلہ میں سارے زمانے اس کے لئے یکساں ہونگے مثلاً زیدٌ نِ الضاربُ ابوہٗ عمروٌ نِ الآن او غداً او اَمسِ۔

فصل، اسم المفعول اسم مشتقٌ من فعلٍ متعدٍ لِیدُلَّ علی من وقعَ علیہ الفعلُ وصیغتُہ من مجرد الثلاثی علی وزن مفعول لفظاً کمضروب او تقدیراً کمقُوْل ومرمِیّ ومن غیرہٖ کاسم الفاعِل بفتح ما قبلَ الآخر کمُدْخَلٍ ومُستَخْرَجٍ ویعمل عملَ فعلِہِ المجھولِ بالشرائطِ المذکورۃ فی اسم الفاعِل نحو زیدٌ مضروبٌ غلامُہ الآنَ او غداً او اَمسِ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل اسم مفعول کے بیان میں ہے۔ اسم مفعول وہ اسم کہلاتا ہے جو فعل متعدی سے اس لئے وضع کیا گیا ہو کہ وہ اس کی نشاندہی کرے جس پر کہ فعل کا وقوع ہوا ہو۔ ثلاثی مجرد سے اس کا صیغہ بروزنِ مفعول آیا کرتا ہے بلحاظ لفظ مثلاً "مضروب" یا تقدیری ومعنوی لحاظ سے مثلاً "مقول"، "مرمی" اور اس کے علاوہ سے مثلاً اسم فاعل آخری لفظ سے پہلے کے فتحہ کے ساتھ مثلاً "مُدخَل" اور "مُستخرَج" اور اپنے فعل مجہول کا سا عمل ان شرائط کے ساتھ کرتا ہے جن کا ذکر اسم فاعل کے بیان میں ہوا جیسے "زید مضروب غلامہ الآن او غداً او اَمسِ۔"

تشریح

اسم المفعول اسم مشتق الخ اسم مفعول ایسا اسم کہلاتا ہے جس کا اشتقاق فعل متعدی سے ہوا ہو۔ اسم مشتق کی قید کے ذریعہ غیر مشتق سے احتراز مقصود ہے۔ کیونکہ غیر مشتق اسم مفعول نہیں کہلاتا۔ صاحب کتاب نے یہاں "من مصدر" کے بجائے "من فعل متعد" فرمایا۔ جبکہ ساری صفتوں کا اشتقاق مصدر سے ہوا کرتا ہے اس کا سبب وہی ہے جس کا ذکر اسم فاعل کے ذیل میں ہوا۔ اور صاحب کتاب کے فعل کے ساتھ "متعدی" کی قید لگانے کا سبب یہ ہے کہ اسم مفعول کا اشتقاق متعدی سے ہی ہوتا ہے فعل لازم سے نہیں ہوا کرتا۔ "لیدل" یہ متعلق مشتق واقع ہوا ہے اور اس کی ضمیر بجانب اسم راجع ہے۔

علی من وقع علیہ الفعل الخ۔ اس قید کے ذریعہ صفت مشبہ، اسم تفضیل اور اسم فاعل نکل گئے۔

وصیغتہ من مجرد الثلاثی علی وزن مفعول الخ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ ثلاثی مجرد کے صیغہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ

اکثر و بیشتر بروزن مفعول آیا کرتا ہے۔ اکثر و بیشتر کی قید لگانے کا سبب یہ ہے کہ وہ بعض اوقات بروزن "فعیل" بھی آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "جریح" بمعنی مجروح اور "قتیل" بمعنی "مقتول"۔

لفظاً کمضروب۔ فرماتے ہیں کہ یا تو صیغۂ اسم مفعول بروزن مفعول باعتبار الفاظ ہوگا۔ مثال کے طور پر "مضروب" مفعول کے وزن پر۔ یا لفظاً نہیں بلکہ تقدیراً و معناً ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "مقول" کہ یہ درحقیقت "مقوول" مفعول کے وزن پر تھا اور اسی طرح "مرمیٌّ" درحقیقت "مرمویٌ" مفعول کے وزن پر تھا۔

ومن غیرہ کاسم الفاعل۔ صیغۂ اسم مفعول ثلاثی مجرد کے علاوہ سے یعنی رباعی مجرد، رباعی مزید نیز ثلاثی مزید سے بعینہ صیغۂ اسم فاعل کی طرح ہے۔ محض فرق اتنا ہے کہ اس کے اندر اس کے آخری حرف سے پہلے حرف پر فتحہ آیا کرتا ہے اور اسم فاعل میں اس کے اوپر کسرہ آیا کرتا ہے۔ اس کا سبب دونوں کے درمیان امتیاز پیدا کرنا ہوتا ہے۔

ویعمل عمل فعلہ المجہول بالشرائط المذکورہ۔ فرماتے ہیں کہ اسم مفعول بعینہ ان شرطوں کے ساتھ جن کا ذکر اسم فاعل کے بیان میں ہوا اپنے فعل مجہول کی طرح عمل کیا کرتا ہے۔ لہٰذا اسم مفعول کے مفعول بہ کا جہاں تک معاملہ ہے اس کے نکرہ ہونے پر اس پر نصب کی یہ شرط ہوگی کہ وہ مستقبل یا حال کے معنی میں ہو نیز ذکر کردہ امور میں سے کسی امر پر اس کا اعتماد ہو۔ اسم مفعول کا حال یہ ہے کہ وہ نائب فاعل کو مرفوع کرے گا اور مفعولِ ثانی ہوگا تو اسے منصوب کردے گا۔

اسم مفعول کی چار قسمیں ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ خود فعل متعدی حسب ذیل چار قسموں پر مشتمل ہے (۱) وہ فعل جو ایک مفعول کے ساتھ متعدی ہو (۲) فعل جو دو مفعولوں کے ساتھ متعدی ہو اور ان میں سے ایک مفعول پر اکتفا بھی درست ہو (۳) وہ فعل جو دو مفعولوں سے متعدی ہو اور محض ایک مفعول پر اقتصار و اکتفا درست نہ ہو (۴) فعل جو تین مفعولوں کے ساتھ متعدی ہو۔

فصل۔ الصفة المشبهة اسمٌ مشتقٌّ من فعلٍ لازمٍ ليدلّ على مَن قامَ بهِ الفعلُ بمعنى الثبوتِ، وصيغتها على خلافِ صيغةِ اسم الفاعلِ والمفعولِ انما تعرف بالسماع كحَسَنٍ وصَعْبٍ وشريفٍ وهي تعمل عمل فعلها مطلقًا بشرط الاعتمادِ المذكورِ، ومسائلها ثمانيةَ عشر لان الصفةَ إمّا باللامِ او مجردة عنها ومعمولُ كلِّ واحدٍ منهما اما مضافٌ او باللامِ او مجردٌ عنهما فهذه ستةٌ ومعمولُ كلٍّ منها إمّا مرفوعٌ او منصوبٌ او مجرورٌ فذلك ثمانيةَ عشرَ وتفصيلها نحو جاءني زيدٌ الحسن وجهُهُ ثلثة اوجهٍ وكذلك الحسن الوجهُ والحسن وجهٌ وحَسَنٌ وجهُه وحَسَنَ الوجهِ وحسن وجهٍ وهي على خمسة اقسامٍ منها مُمتنعٌ الحسن وجهِهِ والحسن وجهٍ ومختلف فيه حسن وجهِهِ والبواقي احسنُ إن كان فيه ضميرٌ واحدٌ وحسنٌ ان كان فيه ضميرانِ وقبيحٌ إن لم يكن فيه ضميرٌ والضابطةُ أنّك متى رفعتَ بها معمولها

فلا ضمیر فی الصفۃِ و متی نصبتَ او جرَرتَ ففیھا ضمیر الموصوفِ نحو زید حسن وجہٍ

ترجمہ :- یہ فصل صفتِ مشبہ کے بیان میں ہے ۔ صفت مشبہ وہ اسم کہلاتا ہے جس کا اشتقاق فعل لازم سے ہو جو اس کی نشاندہی کرے جس کے ساتھ یہ فعل صفتِ ثابتہ کے درجہ میں ہو اس کا صیغہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں سے الگ ہوتا ہے اور اس کی پہچان کا ذریعہ سماعی ہے مثلاً "حَسَن ، صعب ، اور ظریف ۔ اور اس کا عمل ذکر کردہ اعتماد کی شرطوں کے ساتھ اپنے فعل کا سا ہوتا ہے ۔ اور اس کے مسائل کی تعداد اٹھارہ ہے ۔ اس واسطے کہ صفت یا لام کے ساتھ ہوگی یا لام کے بغیر ۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک کا معمول یا مضاف ہوگا یا مع اللام یا اضافت اور لام دونوں سے خالی ہوگا تو اس طرح یہ کُل چھ قسمیں ہوگئیں ۔ ان چھ میں سے ہر ایک کا معمول یا مرفوع ہوگا یا منصوب یا مجرور ، تو کل تعداد اٹھارہ ہوئی ۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے مثلاً جاءنی زید الحسن وجہہ " ثلثۃ اوجہ ۔ اور اسی طرح "الحسن الوجہ " اور " الحسن وجہ " اور "حَسَنٌ وجہہ " اور "حسن الوجہ " اور " حسن وجہ " یہ صفت مشبہ کی پانچ قسمیں ہوئیں ۔ ان میں سے ایک قسم ممتنع ہے (یعنی) الحسن وجہہ ، "والحسن وجھہٗ اور حسن وجہہ " کہنے کے بارے میں اختلاف ہے ۔ اور باقی شکلیں احسن ہیں بشرطیکہ اس میں ضمیر واحد ہو اور دو ضمیریں ہونے کی صورتیں حسن ہوں گی اور کوئی بھی ضمیر نہ ہونے کی شکل میں قبیح ہوں گی اور مقررہ ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ اس کی ضمیر کو رفع دیا جائے تو صفت میں ضمیر نہیں آتی اور نصب یا جر دینے کی صورت میں ضمیر موصوف آتی ہے مثلاً " زید حسن وجہہ "

تشریح الصفۃ المشبہۃ الخ اسے صفت مشبہ کہنے اور اس کا یہ نام رکھنے کا سبب اس کی اسم فاعل سے مشابہت ہے ۔ یعنی جس طرح اسم فاعل تثنیہ بھی ہوتا ہے اور جمع بھی ۔ مذکر بھی ہوتا ہے اور مؤنث بھی ۔ ٹھیک اسی طرح صفت مشبہ کا حال ہے اس کا اشتقاق فعل لازم سے ہوا کرتا ہے اور اس ذات کو بتاتا ہے جس کے ساتھ بذریعہ صفتِ ثابتہ فعل قائم ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر " حَسَنٌ " میں یہ صفت دائمی طور پر پائی جاتی ہے البتہ اسم فاعل اور صفت مشبہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ جہاں تک اسم فاعل کا تعلق ہے اس میں تو صفت کا وجود عارضی اور مستقل نہ رہنے والا ہوتا ہے اور صفت مشبہ میں صفت دائمی طور پر برقرار رہتی ہے مثال کے طور پر جس کے بارے میں " ضاربٌ " کہا جائے تو اس سے مقصود یہ ہوگا کہ صفت ضرب کا وجود پہلے نہ تھا بعد میں اور اب ہوگیا ۔ اور ضرب کے ظہور و وقوع کے بعد تھوڑی دیر میں یہ صفت برقرار نہ رہے گی ۔ مگر مثلاً حَسَنٌ جس کے لئے کہا جارہا ہے اس میں اس صفت حسن کا ظہور ہمہ وقت رہے گا اور یہ صفت اس سے کسی وقت جدا نہ ہوگی ۔ ایسے ہی مثلاً کریم صفت مشبہ کا جس پر اطلاق ہو تو یہ صفتِ کرم اس شخص میں مستقل طور پر برقرار رہے گی ۔ اس کا پایا جانا عارضی ہرگز نہ ہوگا ۔

اسم مشتق من فعل لازم الخ یہاں مشتق کی قید کے ذریعہ دراصل اسم جامد سے بچنا مقصود ہے۔ اسی طرح "فعل لازم" کی جو قید لگائی گئی اس کے ذریعہ "افعل التفضیل" اور اسم مفعول و اسم فاعل سے اجتناب مقصود ہے کیونکہ ان سب کا اشتقاق متعدی فعل سے ہوا کرتا ہے لازم سے نہیں۔

علیٰ من قام بہ الفعل الخ۔ اس قید کے ذریعہ اس کی تعریف سے آسم آلہ، اسم مکان اور اسم زمان نکل گئے۔

وصیغتہا علیٰ خلاف صیغۃ اسم الفاعل الخ صاحب کتاب یہ فرمانا چاہ رہے ہیں کہ صفتِ مشبہ کا وزن اسم فاعل اور اسم مفعول کے وزن سے بالکل الگ ہے اکثر و بیشتر نحاۃ یہی کہتے ہیں۔ مگر صاحب الفیہ علامہ ابن مالکؒ کے نزدیک اس طرح کہنا درست نہیں کیونکہ بعض اوقات صفتِ مشبہ کا صیغہ بروزن اسم فاعل بھی آتا ہے۔

انما تعرف بالسماع الخ یہ دراصل "وصیغتہا" کی خبر ثانی واقع ہوئی ہے۔ خبر اول "علیٰ خلاف" تھی یعنی صفت مشبہ کے صیغوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ اسم مفعول اور اسم فاعل کے صیغوں سے الگ ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ صفت مشبہ کے صیغوں کا تعلق سماع سے ہوتا ہے اور اسم فاعل و اسم مفعول کے صیغوں کا تعلق قیاس سے ہے۔

وہی تعمل عمل فعلہا مطلقاً الخ۔ فرماتے ہیں کہ صفت مشبہ کا جہاں تک معاملہ ہے وہ زمانۂ حال و مستقبل کی شرط کے بغیر علی الاطلاق اس کا عمل اپنے فعل لازم کا سا ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ثابت شدہ اور دائمی کے حکم میں ہوتا ہے۔ مگر کہتے ہیں اس کے عمل کے واسطے بھی ذکر کردہ امور پر اعتماد کی شرط و قید بدستور ہے۔

ومسائلہا ثمانیۃ عشر۔ فرماتے ہیں کہ صفت مشبہ اٹھارہ قسموں پر مشتمل ہے۔ صفت مشبہ کی قسم کی تعبیر مسئلہ سے کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے حکم کے متعلق سوال کیا اور دریافت کیا جاتا ہے اور اسی سلسلہ میں بحث کرتے ہیں۔

لان الصفۃ اما باللام الخ۔ صفت مشبہ کی اٹھارہ قسمیں ہونے کا سبب یہ ہے کہ صفت مشبہ کو یا تو لام کے آنے کے باعث معرفہ قرار دیں گے یا لام نہ آنے کے باعث معرفہ نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کے معمول کی دو حالتیں ہیں یعنی یا تو وہ مضاف شمار ہوگا یا لام کے ساتھ معرفہ ہوگا۔ یا یہ کہ نہ وہ مضاف ہوگا اور نہ معرفہ تو اس طریقہ سے یہ کل چھ قسمیں ہوگئیں اور رہیں معمولِ صفت مشبہ کی حالتیں تو وہ اعراب کے لحاظ سے تین قسموں پر مشتمل ہیں یعنی یا تو فاعل ہونے کے باعث وہ مرفوع ہوگا یا وہ منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا۔ یعنی صفت مشبہ کے نکرہ و تمیز ہونے کی بنا پر اس کے اوپر نصب آئے گا یا صفت مشبہ کے اس کی جانب مضاف ہونے کی بنا پر جر آئے گا اور چھ کو تین میں ضرب دی جائے تو یہ کل اٹھارہ صورتیں بنتی ہیں۔

وہی علیٰ خمسۃ اقسام الخ صفت مشبہ کی پانچ قسموں میں سے یہ دو شکلیں تو ممنوع ہیں:۔

(۱) الحسن وجہ۔ یعنی یہ کہ صیغۂ صفت لام کے ساتھ معرفہ واقع ہو اور پھر اس کی اضافت ایسے معمول کی جانب ہو جو لام سے خالی ہو۔ اس کے ممنوع ہونے کا سبب دراصل یہ ہے کہ اس میں اضافتِ معرفہ بجانب نکرہ لازم آتی ہے جو معنوی اضافت میں ممنوع قرار دی گئی ہے۔

(۲) الحسن وجہہ۔ یعنی صفت کا صیغہ لام کے ساتھ معرفہ ہو اور اس کی اضافت بجانب معمول ہو اور اضافتِ معمول

بجانب ضمیر موصوف ہو۔ اس کے ممنوع ہونے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ اس میں بوجہ اضافت کوئی تخفیف پیدا نہیں ہوئی۔ کیونکہ صفت مشبہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں تخفیف کا ظہور یا تو حذف تنوین کے ذریعہ ہوا کرتا ہے یا نون تثنیہ و جمع کے حذف یا موصوف کی ضمیر کے صفتِ فاعل سے حذف ہونے کے باعث۔

والبواقی احسن الخ یعنی ان اٹھارہ قسموں میں سے باقی ماندہ پندرہ قسموں سے ہر ایسی قسم جس کے اندر محض ضمیر واحد ہو چاہے وہ ضمیر صفت میں واقع ہو یا وہ ضمیر معمول میں ہو یہ احسن قرار دی جائے گی اور احسن ہونے کا سبب یہ ہے کہ جہاں تک موصوف کے ساتھ ربط و تعلق کا معاملہ ہے اس میں برائے ربط ضرورت کے مطابق کمی بیشی کے بغیر ایک ضمیر کی موجودگی بھی کافی ہے۔ اور ہر ایسی قسم جس میں کہ دو ضمیریں اس طرح آرہی ہوں کہ ایک ضمیر صفت میں آئی ہو اور دوسری کا وقوع معمول میں ہو اسے حسن کہا جاتا ہے۔ اس طرح کی قسمیں دو ہیں۔ ان کے حسن ہونے کا سبب یہ قرار دیا گیا کہ اس کا ربط ضمیر صفت کے ساتھ ہے جس کا پایا جانا ماقبل سے ربط کی خاطر ناگزیر ہے۔ اور اس کے حسن ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس ضمیر کا پایا جانا ضرورت سے زیادہ ہے اور یہ ضمیر اندرون معمول پائی جارہی ہے جبکہ ربط کا جہاں تک تعلق ہے وہ ضمیر اول سے حاصل ہو چکا ہے۔

وقبیح ان لم یکن فیہ ضمیر۔ ہر ایسی قسم جس میں سرے سے کوئی ضمیر ہی نہ پائی جائے وہ قبیح شمار ہوتی ہے اور اسطرح کی قسمیں چار شمار کی گئیں۔ ان کے قبیح ہونے کا سبب یہ ہے کہ ضمیر محتاج الیہ کے نہ پائے جانے کے باعث موصوف سے ربط برقرار نہ رہا۔

والضابطۃ انک متی رفعت الخ اس جگہ صاحب کتاب ضمیر کی شناخت کا طریقہ واضح فرمارہے ہیں وہ یہ کہ صفت مشبہ کے معمول کو مرفوع کرنے کی صورت میں صفت مشبہ میں کسی ضمیر کا وجود نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں اس کا فاعل ہی اس کا معمول شمار ہوگا اور معمول صفت پر نصب یا جر آنے کی صورت میں صفت مشبہ میں ایک ضمیر پائی جائے گی جو بجانب موصوف لوٹنے والی ہوگی اور اس کو فاعلِ صفت مشبہ قرار دیا جائے گا اور اس صورت میں صفت کا مذکر مؤنث ہونا نیز اس کا تثنیہ و جمع ہونا باعتبار موصوف ہوگا اسلئے کہ یہ ناگزیر ہے کہ ضمیر اپنے مرجع کے مطابق ہو مثلاً "زید حسنٌ وجہہٗ"۔

فصل اسمُ التفضیل اسمٌ مشتقٌ من فعل لیَدُلَّ علی الموصوفِ بزیادۃٍ علیٰ غیرِہٖ وصیغتُہٗ افعلُ فلایُبْنیٰ الامن الثلاثی المجردِ الذی لیس بلونٍ و لاعیب نحوزیدٌ افضل الناسِ فان کانَ زائدًا علی الثلاثی او کان لونًا او عیبًا یجب ان یُبْنیٰ افعلَ من ثلاثی مجرّدٍ لیدل علیٰ مبالغۃٍ وشدۃٍ وکثرۃ ثم یذکر بعدہٗ مصدرُ ذلک الفِعلِ منصوبًا علی التمیز کماتقول ھُوَاَشَدُّ اِستِخراجًا واقویٰ حُمرۃً واقبح عَرَجًا وقیاسُہٗ ان یکونَ للفاعِلِ کمامرّوقد

جاءَ للمفعول قليلاً نحو اعذر واشغل واشهر واستعمالُه على ثلثة اوجهٍ اما مضافٌ كزيدٌ افضلُ القوم او معرّفٌ باللامِ نحو زيدٌ الافضلُ او بمن نحو زيدٌ افضلُ مِن عمرٍو ويجوز فى الاوّلِ الافرادُ و مطابقة اسمِ التفضيل للموصوفِ نحو زيدٌ افضلُ القومِ والزيدان افضلُ القوم وافضلا القومِ والزيدونَ افضلُ القوم وافضلُوا القومِ وفى الثانى يجب المطابقة نحو زيدٌ الافضل والزيدانِ الافضلانِ والزيدونَ الافضلُون وفى الثالث يجبُ كونُه مفردًا مذكرًا ابدًا نحو زيدٌ وهندٌ والزيدان والهندان والزيدون والهندات افضلُ من عمرٍو وعلى الأوجه الثلثة يضمر فيه الفاعلُ وهو يعمل فى ذٰلكَ المضمرِ ولا يعمل فى المظهر اصلاً الا فى مثل قولهم مَا رَأيتُ رجلاً اَحْسَنَ فى عينه الكحلُ منه فى عينِ زيدٍ فاِنّ الكحلَ فاعلٌ لاَحْسَنَ وههُنَا بحثٌ.

ترجمہ:۔ یہ فصل اسم تفضیل کے بیان میں ہے۔ اسم تفضیل وہ اسم کہلاتا ہے جس کا اشتقاق فعل سے اسلئے ہو کہ وہ ایسی چیز کی نشاندہی کرے جس کا معنیٰ مصدری کے ساتھ اپنے غیر سے زیادہ اتصاف ہو اور اسم تفضیل کا صیغہ "افعل" ہے۔ یہ ایسے ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے جو رنگ اور عیب کے معنیٰ سے خالی ہو مثلاً "زیدٌ افضل الناس" اور اس کے ثلاثی زائد ہونے یا رنگ یا عیب ہونے پر "افعل" کا ثلاثی مجرد سے بنانا لازم ہوگا تاکہ اس سے مبالغہ اور شدت وکثرت کی نشاندہی ہو۔ اس کے بعد اس فعل کا مصدر مذکور ہو اور اس پر تمیز کے باعث نصب آئے۔ جیسے کہوگے "ہواشد استخراجًا" (وہ اس کے مقابلہ میں نکالنے میں اس سے بڑھ کر سخت ہے) "واقویٰ حمرۃً" (وہ سرخی میں اس سے بڑھ کر ہے) "واقبح عرجًا" (وہ لنگڑے پن کی قباحت میں اس سے بڑھا ہوا ہے)

اور اسم تفضیل کا از روئے قیاس استعمال اس کا برائے فاعل ہونا ہے۔ جیسا کہ گذر چکا۔ اور اسم تفضیل برائے مفعول کم آتا ہے۔ مثلاً "اعذر" "اشغل" "اشہر"۔ اس کے استعمال کی تین صورتیں ہیں (۱) یا تو مضاف ہو مثلاً "زیدٌ افضل القوم" (۲) یا لام کے ساتھ معرفہ ہو مثلاً "زیدن الافضل" (۳) یا مِن کے ساتھ آئے مثلاً "زیدٌ افضلُ من عمرٍو"۔ پہلی صورت میں اسم تفضیل کا مفرد لانا درست ہے اور اسم تفضیل کی مطابقت برائے موصوف۔ مثلاً "زیدٌ افضل القوم، والزیدان افضل القوم وافضلا القومِ والزیدون افضل القوم وافضلوا القوم۔ اور دوسری صورت میں مطابقت برائے موصوف واجب ہوتی ہے مثلاً زیدن الافضل، والزیدان الافضلان، والزیدون الافضلون" اور تیسری صورت میں اس کا مفرد مذکر ہونا دوامی طور پر واجب ہے۔ مثلاً زیدٌ وہندٌ۔ والزیدان والہندان۔ والزیدون والہندات

افضل من عمرو۔ اور تینوں شکلوں میں فاعل پوشیدہ رہے گا۔ اسم تفضیل کا عمل مضمر میں ہوتا ہے۔ غیر مضمر (مظہر) میں میں بالکل عمل نہیں کرتا۔ البتہ اس ذکر کردہ صورت کے مانند میں عمل کرتا ہے (جیسے) مارأیتُ رجلاً احسن فی عینیہ الکحل منہ فی عین زید، تو یہاں الکحل برائے "احسن" فاعل واقع ہوا ہے۔ اور اس جگہ بحث ہے۔

تشریح اسم التفضیل اسم مشتق من فعل الخ یہاں صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اسم تفضیل ایسا اسم کہلاتا ہے جس کا اشتقاق مصدر سے اسلئے ہو کہ اس سے اس ذات کی نشاندہی ہوتی ہو جس کا کہ مصدری معنی کے ساتھ غیر سے اتصاف ہو رہا ہو۔ صاحب کتاب کے اس جگہ "یدل علی الموصوف" فرمانے اور "علی من وقع علیہ" یا "علی من قام بہ" نہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ کہہ کر وہ اسم تفضیل کی ان دونوں قسموں کو جو برائے تفضیل فاعل اور برائے تفضیل مفعول ہیں، اس میں لانا اور شامل کرنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر "اضرب" یہ برائے تفضیل فاعل اور "اعذر" یہ برائے تفضیل مفعول بہ ہے۔

بزیادۃ علی غیرہ الخ اس عبارت کے ذریعہ اسم تفضیل کی تعریف سے صفت مشبہ، اسم مفعول اور اسم فاعل نکل گئے۔ ایسے ہی اس قید کے ذریعہ وہ اسم فاعل نکل گیا جو کہ برائے مبالغہ وضع کیا گیا ہو۔

وصیغتہ افعل الخ یعنی "افعل" تو برائے اسم تفضیل مذکر اور "فعلیٰ" برائے اسم تفضیل مؤنث آتا ہے۔ علاوہ ازیں محض ثلاثی مجرد سے یہ صیغہ آیا کرتا ہے نہ یہ رباعی مجرد و مزید فیہ سے آتا ہے اور نہ ثلاثی مزید سے۔ وجہ یہ ہے کہ رباعی اور ثلاثی مزید کا اس وزن پر آنا ممکن نہیں اس واسطے کہ حروف کم کرنے کی صورت میں تو باعتبار لفظ و معنی خلل کا لزوم ہوگا اور حروف کم نہ کرنے کی شکل میں اس وزن کا افعل سے بڑھ جانا لازم آئے گا۔ نیز اس کا ثلاثی مجرد سے آنا بھی اس صورت میں ہوتا ہے کہ یہ معنیٰ لون (رنگ) و معنیٰ عیب سے خالی ہو کیونکہ جس میں معنیٰ لون و عیب پائے جائیں اس میں برائے غیر تفضیل "افعل" صیغہ صفت آیا کرتا ہے تو اس وقت افعل التفضیل کو بھی اس سے بنانے کی شکل میں صفت کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔

نحو زید افضل الناس الخ یعنی زید سب لوگوں سے بڑھ کر صاحب فضیلت ہے اس مثال میں صیغہ اسم تفضیل "افضل" بروزن "افعل" آیا ہے۔ اور اس میں بظاہر لون و عیب کے معنیٰ بھی نہیں پائے جاتے۔

فان کان زائداً علی الثلاثی او کان لونا او عیبا۔ یعنی اگر فعل ثلاثی مجرد ہونے کے بجائے رباعی مجرد یا رباعی مزید ہو یا ثلاثی مزید واقع ہو یا ثلاثی مجرد سے ہوتے ہوئے اس میں معنی لون و عیب پائے جائیں تو اس صورت میں لازم ہوگا کہ بروزن "افعل" ثلاثی مجرد سے ایسا صیغہ بنائیں جو شدت و کثرت وغیرہ میں سے جو مقصود ہو وہ اس کے مبالغہ کی نشاندہی کرے۔ اس کے بعد اس فعل کے مصدر پر جس سے کہ اسم تفضیل بنانے کی ممانعت ہو اس تمیز ہونے کے باعث اس پر نصب لائیں۔ مثال کے طور پر کہتے ہیں "ہو اشد استخراجاً"۔ یا کہتے ہیں "اقوی حمرۃً"۔ یا کہتے ہیں "اقبح عرجاً"۔

وقیاسہ ان یکون للفاعل کما مر۔ یعنی از روئے قیاس اسم تفضیل کے استعمال کی صورت یہ ہے کہ وہ برائے فاعل ہو اور برائے مفعول نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اسم تفضیل اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کے واسطے از روئے قیاس آئے تو اس صورت میں التباس کا وقوع ہوگا اور یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ برائے فاعل ہے یا برائے مفعول۔ اسوجہ سے محض فاعل پر جو کہ مفعول کے مقابلہ میں اشرف و افضل ہے اکتفا کیا گیا۔ البتہ کہتے ہیں بعض اوقات قیاس کے خلاف اسم تفضیل برائے مفعول بھی آجاتا ہے مثال کے طور پر کہتے ہیں "اعذر" (بہت زیادہ معذور) "اشغل" (بہت زیادہ مشغول) اور "اشہر" (بہت زیادہ شہرت یافتہ)

واستعمالہ علیٰ ثلثۃ اوجہ۔ الخ یعنی اسم تفضیل کے استعمال کی حسب ذیل تین صورتیں ہیں۔

(۱) یا تو اس کا استعمال بطریق مضاف ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "زیدٌ افضل القوم"۔

(۲) یا اس کا استعمال معرفہ کے لام کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً کہا جائے "زید الافضل"۔

(۳) یا اسم تفضیل کا استعمال "مِنْ" کے ساتھ ہو مثلاً "زیدٌ افضل من عمرو"

ان ذکر کردہ استعمال کے تین طریقوں میں اول اور اصل اس کا استعمال "من" کے ساتھ اور پھر بالترتیب اضافت اور لام کے ساتھ ہے۔ اسم تفضیل ان ذکر کئے گئے تین طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ساتھ ضرور استعمال ہوگا۔ یہ درست نہیں کہ ان تینوں سے اسم تفضیل خالی ہو۔ نیز یہ بھی درست نہیں کہ اسم تفضیل میں استعمال کے دو طریقے اکٹھے ہو جائیں لہٰذا یہ درست نہیں کہ مثلاً "زید الافضل من عمرو" کہا جائے۔

ویجوز فی الاول الافراد الخ یعنی اول میں اسم تفضیل کے مفرد لانے کو بھی درست قرار دیا گیا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس کا لانا موصوف کے مطابق ہو۔ مفرد لانے کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسم تفضیل مفضل علیہ کے ذکر کا جہاں تک تعلق ہے اس میں من کے ساتھ استعمال ہونے والے اسم تفضیل کے مشابہ ہے اور جو تفضیل باستعمال من آئے اسے ہمیشہ مفرد لانا ضروری ہے تو اس مشابہت کے باعث مشابہ کا بھی مفرد لانا جائز ہوا۔

رہا اسم تفضیل کی موصوف کے ساتھ موافقت و مطابقت کا سوال تو اس کے درست ہونے کا سبب یہ ہے کہ اسم تفضیل اور "مِنْ" کا جہاں تک معاملہ ہے۔ وہ دراصل صفت و موصوف واقع ہوئے ہیں اور از روئے قاعدہ صفت موصوف کے درمیان موافقت و مطابقت ہوا کرتی ہے لہٰذا "زیدٌ افضل القوم والزیدان افضل القوم وافضلا القوم والزیدون افضل القوم وافضلوا القوم" کہنا درست ہوا۔

وفی الثانی یجب المطابقۃ الخ یعنی معرفہ کے لام کے ساتھ اسم تفضیل ہو تو پھر اس صورت میں موصوف وصفت کے درمیان مطابقت جائز ہی نہیں واجب ہے۔ مثلاً زید الافضل والزیدان الافضلان، والزیدون الافضلون۔ واجب اس لئے کہ یہاں موصوف وصفت کی مطابقت کے درمیان کوئی مانع موجود نہیں۔ بس مطابقت ناگزیر ہوئی۔

وفی الثالث یجب کونہ مفردًا الخ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ ایسا اسم تفضیل جس کا استعمال "مِنْ" کے ساتھ ہو وہ دائمی طور پر مفرد اور مذکر ہوا کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس پر اگر کوئی جمع کی یا مؤنث ہونے کی علامت آئے تو اس کی دو شکلیں ہیں

یا تو وہ علامت مِن سے پہلے آئے گی یا مِنْ کے بعد آئے گی۔ مِنْ سے پہلے تو اس کا آنا اس واسطے درست نہیں کہ "من" کا جہاں تک تعلق ہے اس کی حیثیت اتصال کی شدت کے باعث کلمہ کے جزو کی سی ہو گئی تو اس صورت میں علامت جمع یا مؤنث کی علامت گویا کلمہ کے وسط میں آئے گی اور یہ ممکن نہیں۔ اور یہ علامت بعد میں آئے تو اس کے درست نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ "من" دراصل کلمۂ دوم ہے تو ایسی صورت میں ایک کلمہ کی علامت کا دوسرے کلمہ پر آنے کا لزوم ہوتا ہے اور اس کا قبیح ہونا بالکل عیاں ہے۔

وہو لایعمل فی المظہر اصلا الخ یعنی اسم تفضیل کا عمل دائمی طور پر پوشیدہ ضمیر میں ہوا کرتا ہے۔ اور وہ ضمیر اس کا فاعل ہوتی ہے اور وہ کبھی ایسے اسم میں عمل نہیں کیا کرتا جو لفظوں میں مذکور ہو۔ البتہ اس کتاب میں جو مثال بیان کی گئی ہے یعنی مارأیت رجلاً احسن فی عینیہ" اس میں اس کا عمل ضرور رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کے عمل کا جہاں تک تعلق ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اس کا عمل نصب دینا ہے اور دوسرا مرفوع کرنا۔ پھر اس کے عمل نصب کی دو صورتیں ہیں ایک تو نصب مفعول ہونے کی بنا پر اور دوسرے ظرف یا حال یا تمیز ہونے کے باعث۔ لہٰذا اسم تفضیل کا عمل مفعول میں قطعاً نہیں ہوتا۔ اس سے قطع نظر کہ مفعول بہ ضمیر ہو یا لفظوں میں مذکور ہو۔

فرماتے ہیں کہ اسم تفضیل کا عمل اس مظہر میں قطعاً نہیں ہوتا البتہ" مارأیت رجلاً "کی مانند ترکیب کا جہاں تک معاملہ ہے اس میں اس کا عمل مظہر فاعل میں بھی ہوتا ہے۔ صاحب کتاب نے اس ترکیب کے ذریعے وہ تین شرطیں بیان کی ہیں جو اسم تفضیل کے فاعل مظہر میں عمل کے لئے ناگزیر ہیں۔ وہ تین شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) لفظ کے لحاظ سے تو اسم تفضیل ایک چیز کی صفت واقع ہو اور معنی کے لحاظ سے اس چیز کے متعلق کی صفت واقع ہو اور وہ اس چیز کے متعلق اور دوسری چیز میں مشترک ہو۔

(۲) چیز کا متعلق اس طرح کا ہو کہ جو اس چیز کے لحاظ سے تو مفضل واقع ہو اور دوسری چیز کے لحاظ سے مفضل علیہ بھی واقع ہو رہا ہو۔

(۳) اسم تفضیل منفی واقع ہو رہا ہو۔

واضح ہو کہ چیز کے متعلق اس چیز کے لحاظ سے مفضل واقع ہونا اور دوسری چیز کے لحاظ سے مفضل علیہ واقع ہونا یہ منفی کے آنے سے پہلے ہے پھر نفی کے آنے کے بعد معنیٰ برعکس ہو جائیں گے۔ اس ذکر کردہ مثال میں اول اثبات کے معنی ملحوظ رہنے چاہئیں تاکہ اس طرح معنیٰ کلام واضح و عیاں ہوں اس کے بعد معنیٰ نفی ملحوظ رہیں۔ ذکر کردہ مثال میں" احسن" اسم تفضیل واقع ہوا ہے جو الفاظ کے لحاظ سے صفت" رجلاً" ہے اور بلحاظ معنیٰ رجلاً کے متعلق کی یعنی صفت کحل واقع ہوا ہے اور اس کحل کا زید و رجل کی آنکھ میں اشتراک ہے۔ کحل عین رجل کے لحاظ سے مفضل اور زید کی عین کے لحاظ سے مفضل علیہ واقع ہو رہا ہے۔ ذکر کردہ مثال میں نفی کے علاوہ ساری شرائط عیاں ہو گئیں مگر اس پر نفی آنے کی صورت میں اسم تفضیل بجائے مثبت کے منفی ہو جائے گا اور شرائط ثلاثہ مکمل طور پر پائی جائیں گی۔

وہہنا بحث۔ یعنی ذکر کردہ مسئلہ میں بحث اس طرح ہے کہ یہاں عبارت میں اختصار کی غرض سے" احسن فی

عینیہ الکحل من عین زید" کہنا بھی درست ہوگا اور "من عین زید" کو "منہ فی عین زید" کی جگہ لانا بھی درست ہوگا۔ علاوہ ازیں برائے اختصار عین کا ذکر پہلے لاکر "مارائیت زیدا احسن فیہ الکحل" کہنا بھی درست ہوگا اور اس صورت میں بلحاظ معنیٰ کسی طرح کا فرق نہ آئے گا بلکہ معنی جوں کے توں وہی رہیں گے یعنی "میں نے کوئی سرمگیں آنکھ زید کی آنکھ سے بڑھ کر خوبصورت نہیں دیکھی۔"

القسمُ الثانی فی الفعل وقد سبق تعریفہ واقسامُہ ثلاثۃٌ ماضٍ[1] ومضارعٌ[2] وامرٌ[3] الاول الماضی وھو فعلٌ دالٌ علیٰ زمانٍ قبلَ زمانِکَ وھو مبنیٌّ علی الفتح اِن لم یکن مَعَہٗ ضمیرٌ مرفوعٌ متحرکٌ ولا واوٌ کضَرَبَ ومَعَ الضمیرِ المرفوعِ المتحرکِ علی السکون کضَرَبْتُ وعلَی الضمّ مَعَ الواو کضَرَبوا۔ و الثانی المضارعُ وھو فعلٌ یشبہُ الاسمَ باحدیٰ حروفِ اَتَیْنَ فی اولہٖ لفظًا فی اتفاق الحرکاتِ والسَّکَنَاتِ نحو یضرب ویَسْتَخْرِجُ کضارِبٍ ومستخرِجٍ وفی دُخُولِ لامِ التاکید فی اوّلھما تقولُ اِنّ زیدًا لَیَقُومُ کما تَقُولُ اِنّ زیدًا لقائِمٌ وفی تَسَاوِیھما فی عددِ الحُرُوف ومَعْنًی فی اَنَّہٗ مشترکٌ بین الحالِ والاستقبال کاسمِ الفاعِل ولذٰلک سَمَّوہُ مُضارِعًا والسینُ وسوف تُخَصِّصُہٗ بالاِستقبال نحو سیضرب وسوف یضرب واللامُ المفتوحۃُ بالحالِ نحو لَیَضْرِبُ وحُرُوفُ المضارعۃِ مضمُومۃٌ فی الرباعی نحو یُدَحرِجُ ویُخرِجُ لانّ اصلَہٗ یُأَخْرِجُ ومفتوحۃٌ فی ماعَدَاہُ کیَضْرِبُ ویَسْتَخْرِجُ وانّمَا اَعْرَبُوہُ مع انّ اصل الفعلِ البناءُ لمُضارعتِہٖ ای لمُشابھتِہِ الاسمَ فی مَاعرفتَ واصل الاسمِ الاعراب و ذٰلک اذا لم یتّصِلْ بہٖ نونُ تاکیدٍ ولا نونُ جَمعِ المُؤنّثِ واعرابُہٗ ثلٰثۃُ انواعٍ رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ نحو ھو یَضْرِبُ ولَنْ یضرِبَ ولم یضرِبْ۔

ترجمہ:۔ قسم دوم بیان فعل میں اور اس کی تعریف (پہلے) بیان کی جا چکی۔ فعل تین قسموں پر مشتمل ہوتا ہے (۱) ماضی (۲) مضارع (۳) امر۔ پہلا ماضی ہے۔ وہ ایسا فعل کہلاتا ہے جس سے گذشتہ زمانے کی نشاندہی ہوتی ہو وہ مبنی بر فتحہ ہوا کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ نہ ضمیر مرفوع متحرک ہو اور نہ ہی واؤ ہو مثلاً "ضَرَبَ" اور ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ یہ مبنی بر سکون ہوتا ہے مثلاً "ضَرَبْتُ" اور واؤ کے ساتھ ہو تو مبنی علی الضم ہوتا ہے مثلاً "ضربوا"۔

فعل کی قسم دوم مضارع ہے وہ ایسا فعل کہلاتا ہے جو اس اعتبار سے اسم کے مشابہ ہوتا ہے کہ اس کے

شروع میں حروف اَتَیْنَ میں سے کوئی حرف ہوتا ہے۔ لفظاً مشابہت حرکات وسکنات کے اعتبار سے ہوتی ہے مثلاً یضرب ویستخرج۔ جیسے ضارب ومستخرج۔ اور لام تاکید کے آنے میں مشابہت ہوتی ہے کہ یہ دونوں کے شروع میں آتا ہے کہو گے " ان زیداً لیقوم"۔ جیسے کہ کہو گے " ان زیداً لقائمٌ" اور تعداد حروف میں مساوات کے اعتبار سے اور معناً مشابہت یہ ہے کہ اسم فاعل کی طرح اس کا اشتراک حال و استقبال میں ہوتا ہے اور اسی بنا پر یہ مضارع کے نام سے موسوم ہوا۔ سین اور سوف خاص طور پر اس میں استقبال کے معنی پیدا کرتے ہیں مثلاً "سیضرب"، اور "سوف یضرب"، اور لام مفتوحہ خاص طور پر حال کے معنی پیدا کرتا ہے مثلاً "لیضربُ" اور رباعی میں حروفِ مضارع پر ضمہ آتا ہے مثلاً "یُدحرجُ" اور "یُخرِجُ" اس واسطے کہ یخرج اصل میں یُأخرج تھا۔ اور رباعی کے علاوہ میں حروفِ مضارع پر فتحہ آتا ہے۔ جیسے یضربُ اور یستخرج۔ اور مشابہتِ اسم کی وجہ سے مضارع معرب ہو گیا حالانکہ فعل کی اصل اس کا مبنی ہونا ہے۔ وجوہ مشابہت اسم فاعل کے ساتھ تم جان چکے ہو۔ اور اسم کی اصل اس کا معرب ہونا ہے۔ اور فعل مضارع اس صورت میں معرب ہو گا جبکہ اس کے ساتھ نہ نونِ تاکید کا اتصال ہو اور نہ جمع مؤنث کے نون کا۔ اور (اسم کے اعراب کی طرح) اس کے اعراب کی انواع تین ہیں۔ رفع، نصب اور جزم۔ مثلاً "ہو یضربُ، ولن یضربَ ولم یضربْ۔

تشریح واقسامہ ثلثۃ الخ۔ یہاں فرماتے ہیں کہ فعل تین قسموں پر مشتمل ہے (۱) ماضی (۲) مضارع (۳) امر ان تینوں میں پہلی قسم ماضی قرار دی گئی۔ ماضی کو مضارع سے پہلے لانے کا سبب یہ ہے کہ ماضی کی حیثیت اصل کی ہے۔ یا اس کے پہلے ذکر کا سبب یہ ہے کہ زمانۂ ماضی زمانۂ مضارع سے پہلے ہوا کرتا ہے۔

وہو فعل دل علیٰ زمان۔ لفظ "فعل" کی حیثیت جنس کی ہے اور "دل علیٰ زمانٍ" فصل کے درجہ میں ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ماضی کے علاوہ سارے فعل نکل گئے۔ خلاصہ یہ کہ زمانۂ ماضی وہ کہلاتا ہے جو تمہارے زمانہ (حال) سے پہلے کی نشاندہی کرے۔

اگر یہاں کوئی یہ اشکال کرے کہ یہ تعریف درست نہیں اس واسطے کہ اس میں برائے زمانہ لزوم زمانہ ہو رہا ہے اور اس طرح تسلسل لازم آ رہا ہے اور تسلسل باطل ہوا کرتا ہے۔ اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ بھی باطل ہوا کرتا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ "علیٰ زمانٍ قبل زمانک" سے جو دو زمانے (ماضی وحال) مفہوم ہو رہے ہیں۔ یہ دراصل زمانہ کے اجزاء ہیں اور زمانہ کے اجزاء ذاتاً پہلے ہوتے ہیں زماناً نہیں۔ کیونکہ قبلیتِ زمانیہ کا وجود زمانیات میں ہوا کرتا ہے زمانہ کے اجزاء میں نہیں ہوتا اور قبلیتِ ذاتیہ اسے کہتے ہیں کہ مقدم ومؤخر دونوں کا وجود ایک ہی زمانہ میں ہو اور مقدم کی حیثیت مؤخر کے لئے علتِ تامہ کی ہو۔ تو اس صورت میں کوئی اشکال لازم نہ آئے گا۔

ومبنی علی الفتح الخ یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ ماضی کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس صورت میں فتحہ پر مبنی ہوا

کرتی ہے جبکہ نہ اس میں ضمیر مرفوع متحرک ہو اور نہ واؤ ہو فعل ماضی کے مبنی ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ ماضی میں مختلف معانی مثلاً فاعل ومفعول واضافت سے تعارض پیش نہیں آتا۔ نیز اس کے فتحہ پر مبنی ہونے کا سبب یہ ہے کہ فتحہ ساری حرکات کے مقابلہ میں اخف حرکت ہے۔ رہی ماضی کے فتحہ پر مبنی ہونے کی یہ شرط کہ اس میں نہ ضمیر مرفوع متحرک ہو اور نہ واؤ تو یہ اس بنار پر ہے کہ ماضی مرفوع کا جب متحرک کے ساتھ التباس ہوتا ہے تو وہ سکون پر مبنی ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ضمیر فاعل کی حیثیت جزو فعل کی سی ہے اور فعل کے اخیر کو ساکن نہ کرنے کی صورت میں پے در پے اس پر چار حرکات کا آنا لازم آئے گا جو از روئے قاعدہ درست نہیں۔

والثانی المضارع۔ مضارع کی حیثیت کیونکہ امر کے ماخذ کی ہے اسلئے مضارع کو امر سے پہلے لائے۔ صاحب کتاب نے مضارع کی تعریف کے اندر لغوی معنی ملحوظ رکھے اور اسی اعتبار سے فرمایا کہ مضارع ایسا فعل کہلاتا ہے جس کی اسم سے مشابہت ہو اور اس کے شروع میں حروف "اَتَیْنَ" میں سے کوئی حرف آرہا ہو۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں اس کی اسم کے ساتھ باعتبار الفاظ بھی مشابہت ہے اور بلحاظ معنیٰ بھی۔ لفظی مشابہت کی تین صورتیں ہیں یعنی یا تو مضارع و اسم فاعل بلحاظ حرکت وسکون مساوی ہوں کہ مضارع میں جس قدر حروف متحرک یا ساکن ہوں اسی قدر حروف متحرک وساکن اسم فاعل میں ہوں مثال کے طور پر یضرب، ضارب اور یستخرج، مستخرج۔ اور دوسری مشابہت لام تاکید کے آنے میں ہے کہ جیسے لام تاکید اسم فاعل پر آیا کرتا ہے ٹھیک اسی طرح یہ مضارع پر بھی آتا ہے۔ نیز جیسے اسم فاعل کی تخصیص کا علم بذریعہ قرینہ ہوا کرتا ہے ایسے ہی فعل مضارع کا جہاں تک تعلق ہے اس کی تخصیص سین اور سوف کے ذریعہ ہوتی ہے کہ اس کے معنی برائے استقبال مخصوص ہو جاتے ہیں اور اس پر لام مفتوحہ آتا ہے تو اس کے معنیٰ برائے حال مخصوص ہوتے ہیں مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "لیضربُ"

وحروف المضارعۃ مضمومۃ الخ یعنی حروف مضارع کا حال یہ ہے کہ وہ رباعی میں مضموم ہوا کرتے ہیں۔ رباعی سے ایسا فعل مضارع مقصود ہے کہ جس کی ماضی چار حرفوں پر مشتمل ہو۔ اس سے قطع نظر کہ وہ چاروں کے چاروں حرف اصلی ہوں یا سارے اصلی نہ ہوں بلکہ بعض زائد ہوں۔ مثال کے طور پر "یضرب" اور مضارع کے رباعی نہ ہونے کی صورت میں علامت مضارع پر فتحہ آئے گا۔ اس جگہ مضارع کے رباعی نہ ہونے سے مقصود اس کی ماضی کا چار حروف پر مشتمل نہ ہونا ہے اور مطلب یہ کہ اس میں یا تو چار حرف سے زیادہ ہوں یا اس میں چار حرف سے کم ہوں۔ مثال کے طور پر "یضربُ" کہ ماضی میں چار حرف سے کم ہیں اور "یستخرج" کہ ماضی میں چار حرف سے زیادہ ہیں

وانما اعربوہ مع ان اصل الفعل البناء۔ فرماتے ہیں کہ فعل اپنی اصل کے اعتبار سے مبنی ہوتا ہے لیکن اس کی کیونکہ اسم سے بہت سی اشیاء میں مشابہت موجود ہے اس بنار پر نحاۃ نے اسے بھی معرب کے زمرے میں داخل کر لیا ہے کہ مشابہ معرب ہونے کی بنار پر موزوں یہ ہے کہ یہ بھی معرب قرار دیا جائے تاکہ اس طرح مشبہ اور مشبہ بہ کا حکم یکساں ہو جائے۔ لیکن فعل مضارع کے معرب ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ نہ نون ثقیلہ وخفیفہ آرہا ہو اور نہ اس کے ساتھ نون جمع کا اتصال ہو کیونکہ نون ثقیلہ یا خفیفہ یا نون جمع مؤنث کے اتصال کے وقت مضارع

معرب ہوگا یا مبنی اس کے بارے میں نحاۃ کا اختلاف ہے۔ جمہور نحاۃ تو اس صورت میں اسے مبنی قرار دیتے ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ نون تاکید اتصال کی شدت کے باعث کلمہ کے جزو کے درجہ میں ہوا کرتا ہے تو نون تاکید سے پہلے اعراب لانے کی شکل میں یہ لازم آئے گا کہ اعراب کلمہ کے وسط میں آئے۔ اور اگر نون تاکید پر اعراب لائیں تو اس کے دوسرا کلمہ ہونے کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ دوسرے کلمہ پر اعراب آئے۔ اور یہ دونوں صورتیں درست نہیں۔ یہی حالت جمع مؤنث کے نون کی ہے۔

بعض نحاۃ کے نزدیک فعل مضارع پر نون جمع مؤنث و نون تاکید آنے کے باوجود یہ معرب برقرار رہے گا جیسے اسم تنوین اتصال کے بعد بھی یہ معرب برقرار رہتا ہے۔

فصل فی اَصْنافِ اعراب الفعل وھی اربعۃٌ الاول ان یکون الرفعُ بالضمۃ والنصب بالفتحۃ والجزمُ بالسکُون ویُختصُّ بالمفردِ الصَّحِیحِ غیرِ المخاطبۃِ تقول ھو یضربُ ولن یَّضربَ ولم یَضْرِبْ. والثانی ان یکون الرفعُ بثبوتِ النون والنصبُ والجزمُ بحذفِہا ویختصُّ بالتثنیۃِ وجمعِ المذکر والمفردۃِ المخاطبۃِ صحیحًا کانَ او غیرَہٗ تقُولُ ھُما یفعَلَان وھم یَفعَلُوْنَ وانتِ تَفعلِینَ ولن یَفعَلا ولن یفعلوا ولن تفعلِی ولم تفعَلا ولم تفعلُوا ولم تفعلِی. والثالثُ ان یکونَ الرفعُ بتقدیر الضمّۃِ والنصبُ بالفتحۃ لفظًا والجزمُ بحذفِ اللامِ ویختصُّ بالناقِصِ الیَائِیّ وَالواوِیِّ غیرِ تثنیۃٍ وجمعٍ ومُخاطبۃٍ تقولُ ھُو یَرْمِیْ ویَغزُوْ ولَنْ یَّرْمِیَ ویَغزُوَ ولَم یَرْمِ ویَغزُ. والرابع ان یکون الرفعُ بتقدیرالضمۃِ والنصبُ بتقدیر الفتحۃِ والجزمُ بحذفِ اللامِ ویُختصُّ بالناقِصِ الاَلفی غیرِ تثنیۃٍ وجمعٍ ومخاطبۃٍ نحو ھو یَسْعٰی ولن یَّسْعٰی ولم یَسْعَ

ترجمہ :- یہ فصل اعراب فعل کی اقسام کے بیان میں ہے۔ اعراب کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ کہ رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب فتحہ کے ساتھ اور جزم سکون کے ساتھ ہو۔ اور اعراب کی یہ قسم مضارع کے مفرد صحیح غیر مخاطبہ کے ساتھ مخصوص ہے کہو گے۔ ھو یضربُ ولن یضربَ ولم یضربْ۔

قسم دوم یہ کہ رفع تو نون کے اظہار کے ساتھ ہو اور نصب و جزم حذف نون کے ساتھ اور یہ اعراب تثنیہ (مذکر و مؤنث) اور جمع مذکر اور مفردہ مخاطبہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ خواہ صحیح ہو یا غیر صحیح۔ کہو گے ہُما یفعلانِ و ہُم یفعلون و انتِ تفعلینَ ولن یفعلا ولن یفعلوا ولن تفعلی ولم تفعلا ولم تفعلوا ولم تفعلی۔

اور اعراب کی قسم سوم یہ ہے کہ رفع ضمہ کے مستتر و پوشیدہ ہونے کے ساتھ ہو اور نصب فتحہ کے ساتھ

لفظوں میں ہو اور جزم لام کے حذف کے ساتھ۔ یہ اعراب ناقص یائی اور ناقص واوی کے ساتھ تثنیہ اور جمع اور مخاطب کے صیغوں کو مستثنیٰ کر کے مخصوص ہے۔ کہو گے " ہُوَ یرمی ویغزو، ولن یرمیَ ویغزوَ، ولم یرم ویغز۔ اور اعراب کی قسم چہارم یہ کہ رفع ضمہ کے مستتر و پوشیدہ ہونے کے ساتھ ہو اور نصب فتحہ کو مستتر ماننے کے ساتھ اور جزم لام کے حذف کے ساتھ۔ یہ اعراب تثنیہ و جمع مخاطب کے صیغوں کے استثناء کے ساتھ ناقص الفی کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً ہُوَ یَسْعیٰ ولن یسعیٰ ولم یَسْعَ۔

تشریح ویختص بالمفرد الصحیح الخ۔ یہاں فرماتے ہیں کہ ایسا مضارع جو کہ صحیح ہو اور اس میں ضمیر بارز مرفوع بھی نہ ہو تو اس کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً " ہو یضربُ " اور حالتِ نصبی میں مع الفتحہ مثلاً لن یضربَ اور بحالتِ جزم مع السکون ہوگا۔ مثلاً لم یضربْ۔ مقصود صحیح سے دراصل یہ ہے کہ اس کے اخیر میں حروف علت میں سے کوئی حرف نہ آیا ہو۔ مضارع کے ایسے صیغے جن میں ضمیر بارز مرفوع نہیں ہوتی اور جن میں ذکر کردہ اعراب آیا کرتا ہے ان کی کل تعداد پانچ ہے۔ یعنی صیغۂ واحد مذکر غائب، واحد مؤنث غائب، واحد مذکر حاضر، واحد متکلم اور جمع متکلم۔

ویختص بالتثنیۃ الخ مضارع کے وہ صیغے جن میں ضمیر بارز مرفوع آتی ہے۔ ان کا اعراب بحالتِ رفعی مع النون ہوگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے " ہُما یفعلانِ " ہم یفعلونَ، انتِ تفعلین۔ اور بحالت نصب و جزم ان کا اعراب مع حذف النون ہوا کرتا ہے مثلاً " لن یفعلا، لن یفعلوا، لن تفعلی ولم تفعلوا ولم تفعلی۔

ویختص بالناقص الخ یعنی معتل اللام مضارع اس سے قطع نظر کہ وہ واوی ہو یا یائی ہو بحالتِ رفعی اس کا اعراب مع تقدیر الضمہ ہوگا مثلاً " ہو یرمی ویغزو اور بحالت نصب لفظاً فتحہ آئے گا مثلاً لن یرمیَ ویغزوَ۔ اور بحالت جزم مع حذف الواو والیاء ہوگا۔ مثلاً ولم یرم، ولم یغز۔

ویختص بالناقص الالفی۔ یعنی معتل الالف مضارع کا اعراب بحالتِ رفعی مع تقدیر الضمہ اور بحالتِ نصب مع تقدیر الفتحہ اور بحالت جزم مع حذف الالف ہوگا۔ مثلاً ہو یسعیٰ، لن یسعیٰ ولم یسعَ۔

فصل المرفوعُ عاملُہٗ معنویٌّ وھو تجرُّدُہٗ عن الناصِبِ والجازِمِ نحو ھُوَ یَضْرِبُ ویَغزُو ویَرمِی ویسعیٰ فصل المنصوب عاملُہٗ خمسۃُ اَحْرُفٍ اَنْ ولَنْ وکَیْ واِذَنْ واَنِ المقدَّرۃ نحو اُرِیدُ اَنْ تُحْسِنَ اِلَیَّ واَنا لَنْ اَضْرِبَکَ واسلمتُ کَیْ اَدخُلَ الجنۃَ واِذَنْ یغفِرَ اللّٰہُ لکَ وتُقَدَّرُ اَنْ فی سبعۃِ مَواضِعَ بعدَ حتّیٰ نحو اسلمتُ حتّیٰ اَدْخُلَ الجنّۃَ ولامِ کَیْ نحو قامَ زیدٌ لیذھَبَ ولامِ الجحدِ نحو ما کان اللّٰہُ لیُعَذِّبَہُمْ والفاءِ الواقِعۃِ فی جَوابِ الامرِ والنھیِ والاستفھامِ والنفی

والتَّمنّی والعرضِ نحو اَسْلِمْ فتَسْلَمَ ولا تَعْصِ نتَعَذَّبَ وهل تَعلَمُ فتنجوُ وما تزورُنا فنُكرِمَكَ وليتَ لی مالاً فاُنفِقَهٗ. والّا تنزِلُ بنا فتُصِيبَ خيراً وبعدَ الواوِ الواقِعةِ فی جَوابِ هٰذِهٖ المَواضِعِ كذٰلِكَ نحو اَسْلِمْ وتَسْلِمْ الیٰ اٰخرہٖ و بعد او بمعنیٰ الیٰ ان او الّا اَنْ نحو لَاَحبِسَنَّكَ اوتُعْطِيَنِی حَقِّیْ وواوِ العَطفِ اذا كانَ المعطوفُ علیهِ اِسماً صَرِيحاً نحو اعجَبَنی قيامُكَ وتخرجَ ويجوزُ اظهارُ اَنْ مَعَ لامِ كَیْ نحو اَسْلَمْتُ لِاَنْ اَدخُلَ الجنّةَ ومَعَ واوِ العَطفِ نحو اعجَبَنی قيامُكَ واَنْ تخرجَ ويجب اظهارُ اَنْ فی لامِ كی اذا اتصلتْ بلا النافيةِ نحو لِئَلَّا يعلَمَ **واعلم اَنَّ** اَنِ الواقعةَ بعدَ العلمِ ليستْ هی الناصبةَ للفِعلِ المضارع وانما هی المخَفَّفةُ من المثقلةِ نحو عَلِمتُ اَنْ سَيَقُومُ قالَ اللّٰهُ تعالیٰ عَلِمَ اَنْ سَيَكُونُ مِنكُمْ مَّرضیٰ واَنِ الواقِعةَ بعدَ الظنِّ جازَ فيهِ الوَجهانِ النَّصبُ بها وان تجعلَهَا كالواقعةِ بعدَ العِلمِ نحو ظَننتُ اَن سيقومُ۔

ترجمہ۔ یہ فصل فعل مضارع کے عوامل کے بیان میں ہے۔ مرفوع کا عامل معنوی ہوا کرتا ہے اور وہ فعل مضارع کے ناصب اور جازم سے خالی ہونے کا نام ہے مثلاً "ہو یضربُ ہو یرمی اور ہو یسعیٰ۔ یہ فصل فعل مضارع منصوب کے بیان میں ہے اس کے عامل، پانچ حروف شمار ہوتے ہیں (۱) اَنْ (۲) لَنْ (۳) کَیْ (۴) اِذَنْ (۵) ان مقدرہ۔ مثلاً أُرید ان تحسن الیّ واَنا لن اَضربکَ واَسلمتُ کی ادخل الجنۃ واذن یغفر اللہ لک۔ اور سات جگہیں ایسی ہیں جہاں اَنْ پوشیدہ ہوتا ہے (۱) بعد حتّٰی مثلاً "اسلمتُ حتّیٰ ادخُلَ الجنۃَ"، (۲) بعد لام کَیْ مثلاً " قام زیدٌ لیذہبَ" (۳) بعد لام جحد (انکار) مثلاً "ماکان اللہُ لیعذّبَہُم" (۴) وہ فا جو امر، نہی، استفہام، نفی، تمنی اور عرض کے جواب میں آئے مثلاً "اَسْلِمْ فتَسْلَمَ" "ولاَ تَعْصِ نتَعَذَّبَ" "وہَل تَعلَمُ فتنجوُ" "وماتزورُنا فنُكرِمَكَ" "ولَیتَ لِیْ مالاً فاُنفقہٗ" اور "الاتَنزِلُ بِنَا فتُصِیبَ خیراً۔ (۵) اور اس واؤ کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوتا ہے جو اسی طریقہ سے ان سات جگہوں کے جواب میں آئے مثلاً "اَسْلِمْ وتَسْلِمْ" آخر تک۔ (۶) اور اس اَوْ کے بعد مقدر رپوشیدہ ہوتا ہے جو "الیٰ اَنْ" کے معنی میں ہو یا "اِلاّ اَنْ" کے معنی میں ہو مثلاً "لَاَحبِسَنَّكَ اَوْ تعطِینی حقّی (۷) اور واو عطف کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے بشرطیکہ معطوف علیہ اسم صریح ہو۔ مثلاً "اعجبنی قیامک وتخرجَ۔ اور لام کَیْ کے ساتھ اَنْ کا اظہار درست ہے مثلاً "اسلمت لِاَنْ اَدخلَ الجنۃ" اور عطف کے واؤ کے ساتھ (بھی) اَنْ کا اظہار درست ہے۔ مثلاً "اعجبنی قیامُک واَنْ تخرجَ۔ اور لام کَیْ کا اتصال لائے نافیہ کے ساتھ ہو تو اس وقت اَنْ کا اظہار واجب ہوگا۔ مثلاً "لِئَلّاَ یَعلَمَ"۔

اور واضح رہے کہ "علم" کے بعد آنے والا اَن فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا بلکہ وہ صرف مثقلہ سے مخففہ ہوتا ہے مثلاً "علمتُ اَنْ سیقومُ" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی" اور جو اَنْ ظن کے بعد آتا ہے اس میں دو شکلیں درست ہیں (۱) اس کے باعث فعل مضارع کا منصوب ہونا (۲) اس کا حکم اس اَنْ کی طرح ہو جو علم کے بعد آتا ہے۔ مثلاً "ظَنَنْتُ اَنْ سَیَقُوْمُ"۔

تشریح وھو تجردہ عن الناصب الخ واضح رہے کہ مرفوع عامل کے درمیان نحویوں کا اختلاف ہے۔ نحویانِ کوفہ یہ کہتے ہیں کہ اس کا عامل مرفوع بس اس کا نصب وجزم دینے والے عامل سے خالی ہونا اور ان دونوں میں سے کسی عامل کا اس پر نہ آنا ہے۔ صاحب کتاب کا بھی اس بارے میں یہی مسلک معلوم ہو رہا ہے۔ اور نحویانِ بصرہ کے نزدیک اس کا مرفوع عامل اس کے اسم کی جگہ میں آنا ہے۔ مثال کے طور پر "زیدٌ ینصرُ"، "زیدٌ ناصرٌ" کی جگہ آیا ہے پس اسے ایسا اعراب عطا گیا جو سب سے مقدم اور قوی ترین ہے۔

المنصوب عاملہ خمسۃ احرف الخ یعنی فعل مضارع کو نصب دینے والے یہ پانچ حروف ہیں جو کتاب میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اَنْ کی حیثیت اس بارے میں اصل کی ہے۔ اسلئے کہ اس کی اُس "اَنَّ" سے باعتبار لفظ ومعنی مشابہت ہے جسے مشدّدہ سے مخففہ بنایا جاتا ہے۔ لفظی اعتبار سے تو مشابہت بالکل عیاں ہے اور معنوی اعتبار سے مشابہت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی دراصل مصدریہ ہیں اور رہے باقی نصب دینے والے حروف۔ تو انھیں اسی پر محمول کیا جاتا ہے اسلئے کہ اَن کا آنا برائے استقبال ہوتا ہے اور اَنْ سے قبل "ظن" اور "علم" نہ ہونے کی صورت میں فعل مضارع پر نصب لانا لازم ہے۔

لَنْ۔ علی الاطلاق "لَنْ" بھی نصب دیتا ہے اور یہ برائے نفی مستقبل آیا کرتا ہے اور یہ بمقابلۂ "لا" نفی مستقبل کے لئے زیادہ آتا ہے۔ علامہ سیبویہ اسے مستقل کلمہ قرار دیتے ہیں اور یہ کہ لَن کسی اصل سے متغیر شدہ نہیں۔ درست قول یہی ہے۔ "فراء" کے نزدیک یہ فی الحقیقت لاَ ہے پھر اس کا الف منقلب عن النون ہوکر "لَنْ" ہوگیا۔ خلیل نحوی کے نزدیک یہ درحقیقت "لا آن" تھا زیادتی استعمال کے باعث اس کا الف وہمزہ حذف ہوگیا۔ مثال کے طور پر جسطرح "ایُّ شیئٍ" میں بعد تخفیف "ایش" بولتے ہیں۔

اور کَیْ یہ سببیت کے معنیٰ میں آتا ہے یعنی اس کے ماقبل کی حیثیت اس کے مابعد کے لئے سبب کی ہوا کرتی ہے مثال کے طور پر کہتے ہیں "اسلمتُ کَیْ اُدخلَ الجنۃ" کہ اس میں قبول اسلام جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ نحاۃ کوفہ یہی فرماتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک سارے استعمالات میں یہ فعل کو منصوب کرتا ہے۔ اس کے برعکس نحاۃِ بصرہ کے نزدیک کَیْ حرف جر ہے اور نصب اس صورت میں آتا ہے جبکہ اَنْ پوشیدہ ہو۔ صاحب کتاب نے اس جگہ نحاۃ کوفہ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے اسے بذاتہ منصوب کرنے والا قرار دیا ہے اور سبب یہ قرار دیتے ہیں کہ کَیْ کے حرفِ جار ہونے کی صورت میں اس کے اوپر جر دینے والا لام نہ آتا۔ حالانکہ اس کے اوپر جر دینے والا لام

آتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد باری تعالیٰ "لکیلا یکون"

واِذَنْ۔ علامہ سیبویہ کے نزدیک یہ مستقل حرف شمار ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اصل کے اعتبار سے یہ اور کچھ ہو اور پھر تبدیلی کے بعد اس کی یہ صورت ہوئی ہو۔ بعض "اذا" ظرفیہ کو اذن کی اصل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا مضاف درحقیقت حذف کر دیا گیا اور پھر اس کے اخیر میں تنوین لے آئے۔ واضح رہے کہ اِذَنْ اس وقت فعل مضارع کو منصوب کریگا جبکہ حسب ذیل دو شرطیں پائی جائیں (۱) مابعد اِذَنْ ماقبل اِذَن کا معمول شمار نہ ہوتا ہو (۲) اندرون فعل بجائے معنی حال کے معنیٔ مستقبل پائے جاتے ہوں۔ مثال کے طور پر "اسلمت" کہنے والے کے جواب میں "اذن تدخل الجنۃ" کہا جائے۔ تو ذکر کردہ مثال میں نہ اذن کا مابعد ماقبل کا معمول ہے۔ علاوہ ازیں اندرون مضارع معنیٔ استقبال پائے جا رہے ہیں۔ اس بناء پر اذن کا عمل مابعد میں حسب قاعدہ ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے فعل مضارع پر نصب آئے گا۔ مگر اذن کے مابعد کے ماقبل کا معمول ہونے کی صورت میں وہ فعل مضارع کو منصوب نہ کریگا بلکہ ایسے موقعہ پر اس کے مابعد کے اوپر رفع آئے گا۔ مثال کے طور پر "انا آتیتک" کا جواب دیتے ہوئے "انا اذن اکرمک" کہا جائے کہ یہاں فعل مضارع میں معنیٔ استقبال پائے جانے کے باوجود عمل اذن کی شرط نہیں پائی جاتی۔ اسوجہ سے اس کے مابعد پر نصب نہ آئے گا۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں مابعد ماقبل کا معمول بن رہا ہے لہذا اس کے مابعد پر عمل کرنے کی صورت میں ایک معمول پر دو عاملوں کے اکٹھے ہونے کا لزوم ہوگا۔ علاوہ ازیں اِذَنْ کے مابعد کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس اعتبار سے کہ ماقبل کا معمول ہے اذن پر بلحاظ حکم مقدم شمار ہوگا جیسے کہ یہ بات عیاں ہے کہ اتصال معمول مع العامل ناگزیر ہے تو اس صورت میں حکم کے اعتبار سے مابعد فعل مقدم ہونے کے باعث اس میں اذن کا کوئی بھی عمل نہ کرے گا۔

وتقدر اَنْ فی سبعۃ مواضع الخ فرماتے ہیں کہ سات مقامات ایسے ہیں کہ وہاں اَنْ پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کے بعد آنے والا فعل مضارع منصوب ہوتا ہے۔ وہ سات جگہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) بعد حتّیٰ اَنْ پوشیدہ ہوا کرتا ہے مثلاً "اسلمتُ حتی اَدخل الجنۃ" (۲) لام کَیْ کے بعد ان پوشیدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "قام زیدٌ لیذہبَ" (۳) لام جحد کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً "ما کان اللہ لیعذبہم" (۴) فا کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوا کرتا ہے یعنی وہ فا جو امر، نہی، استفہام، نفی، تمنی اور عرض کے جواب میں آتی ہو مثال کے طور پر "اسلم فتسلم" "ولا تعص فتعذب" "وہل تعلم فتنجو" (۵) اس واؤ کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوا کرتا ہے جو ان ذکر کردہ جگہوں میں سے کسی جگہ کے بعد آ رہا ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "اسلم وتسلم"۔ (۶) اس واؤ کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوا کرتا ہے جو اِلیٰ اَنْ یا اِلّا اَنْ کے معنی میں ہو اور اس کے بعد آنے والا فعل مضارع منصوب ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "لاحبسنک او تعطینی حقی"

وواو العطف اذا کان المعطوف علیہ اسما الخ فرماتے ہیں کہ بعد واؤ عطف بھی اَنْ پوشیدہ ہوا کرتا ہے بشرطیکہ عطف کے واؤ سے قبل اسم صریح آ رہا ہو مثلاً کہا جائے "اعجبنی قیامک وتخرج" کہ یہ درحقیقت اس طرح تھا "اعجبنی

قیامک وان تخرج "یہاں ان کے مقدر و پوشیدہ ہونے کا سبب یہ ہے تاکہ اندرونِ اسم تاویل ہو سکے۔ اس لئے کہ یہاں اَنْ مقدر نہ ہونے کی صورت میں اسم کے اندر تاویل نہ ہو سکے گی اور اس کا نقصان یہ ہوگا کہ عطف اسم صریح پر صحیح نہ رہے کیونکہ ضابطہ کے مطابق عطف الفعل علی الاسم درست نہیں ہوتا۔

ویجوز اظہار اَنْ مع لام کَیْ الخ صاحب کتاب وہ جگہیں بتا رہے ہیں کہ جہاں اَنْ مصدریہ کو ظاہر کرنا یا تو ضروری ہے یا درست ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ " اَنْ، لام کَیْ کے بعد ظاہر کرنا جائز ہے۔ مثلاً " اسلمت لان ادخل الجنۃ " اسی طرح واو عطف کے ساتھ اس کا اظہار درست ہے مثلاً " اعجبنی قیامک وان تخرج " لام اور حروف العاطفہ اَنْ کے اظہار کے جائز ہوتے کا سبب یہ ہے کہ یہ اسم صریح پر آیا کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر کہیں لام کَیْ کے ساتھ لائے نافیہ آرہا ہو تو اس صورت میں اَنْ کا اظہار واجب ہوگا اور حکم محض جواز تک محدود نہ رہے گا۔ مثلاً " لئلا یعلم " اور اَنْ کے یہاں ظاہر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دو لاموں کے یکجا ہونے کا لزوم نہ ہو۔

واعلم انَّ ان الواقعۃ بعد العلم الخ۔ یہاں دراصل مقصود ایک اشکال کا جواب ہے اشکال یہ کیا گیا کہ وہ ان جو لفظوں میں مذکور ہو اس کے بعد فعل مضارع پر نصب ہی آئے یہ کوئی ضابطہ کلیہ نہیں ورنہ مثال کے طور پر " علمتُ ان سیقومُ " میں بھی فعل مضارع مرفوع ہے اور یہاں مضارع پر نصب نہیں آیا۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دراصل فعل مضارع پر نصب اسوقت آتا ہے جبکہ فعل مضارع اَنْ ناصبہ مصدریہ کے بعد واقع ہو۔ یہ مراد نہیں کہ وہ اَنْ مخففہ من المثقلہ کے بعد آئے اور یہاں علم کے بعد آنے والا اَنْ دراصل مخففہ من المثقلہ ہے مصدریہ ہے ہی نہیں۔ پس اس تفصیل کے بعد ضابطہ کلیہ پر کسی طرح کا اثر نہیں پڑا اور وہ اپنی جگہ صحیح رہا۔ علم سے مقصود ایسا فعل لیا گیا جو یقین کا فائدہ دیتا ہو چاہے لفظ علم آیا ہو یا اس جیسا کوئی اور لفظ مثلاً شہادت، وجدان " وغیرہ۔

واضح رہے کہ اگر علم کے بعد فعل مضارع کے اوپر اَنْ مخففہ آرہا ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ بعد اَنْ فعل مضارع پر سین یا سوف یا قد وغیرہ حروف نفی میں سے کوئی حرف آئے تاکہ اس طرح ابتدا ہی سے اَنْ مصدریہ اور ان مخففہ کے درمیان فرق ظاہر ہو کر امتیاز ہو جائے۔

واَنِ الواقعہ بعد الظن جاز فیہ الوجہان الخ فرماتے ہیں کہ وہ اَنْ جو بعد " ظن " آرہا ہو اس کے اندر دو صورتیں درست قرار دی گئیں۔ یعنی اس اَنْ کو مخففہ من المثقلہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کو اَنْ مصدریہ بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ ظن ایسی جانب کو کہتے ہیں جسے ترجیح حاصل ہو تو اس کی ترجیح کو دیکھتے ہوئے تو موزوں اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے جس سے تحقیق کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اور معنیٔ ظن کو دھیان میں رکھتے ہوئے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں امکانِ عدم موجود ہے اَنْ مصدریہ لانا موزوں معلوم ہوتا ہے۔

فصل۔ المجزومُ عاملہٗ لم ولمّا ولام الامر ولا فی النہی وکلِم المجازات وھی

اِنْ ومہما واذما وحیثما واین ومتیٰ وما ومَن وایُّ وانّٰی وان المقدرۃ نحو لم یضرِبْ ولمّا یضربْ ولیضرِبْ ولاتضرِبْ وان تضربْ اَضْرِبْ ۱ھ واعلم ان لم تقلِبُ المضارِع ماضیًا منفیًّا ولما کذٰلِکَ الا اَنَّ فیہا توقعًا بعدہٗ ودوامًا قبلہٗ نحو قامَ الامیرُ لمّا یرکبْ وایضًا یجوز حذفُ الفعلِ بعدَ لمّا خاصّۃً تقول ندِمَ زیدٌ ولمّا ای ولما ینفعہُ الندمُ ولا نقول ندِمَ زیدٌ ولَمْ. واما کلِمُ المجازاتِ حرفًا کانت اواسمًا فہی تدخُلُ علی الجملتین لِتدُلّ علی انّ الاُولی سببٌ للثانیۃِ وتسمی الاولی شرطًا والثانیۃُ جزاءً ثمّ ان کانَ الشرطُ والجزاءُ مُضارِعَیْن یجبُ الجزمُ فیہما لفظًا نحوان تُکرِمْنی اُکرِمْکَ وان کانا ماضِیَیْن لم تعْمل فیہما لفظًا نحوان ضَربْتَ ضربْتُ وان کان الجزاءُ وحدَہٗ ماضِیًا یجب الجزمُ فی الشرطِ نحوان تَضْرِبْنی ضربتُکَ وان کانَ الشرطُ وحدَہٗ ماضیًا جازَ فی الجزاءِ الوجہان نحو ان جئتَنِی اُکرِمُکَ۔

ترجمہ یہ فصل ہے فعل مضارع مجزوم کے بیان میں۔ فعل مضارع مجزوم کے عامل حسب ذیل ہیں۔ لم۔ لما لام الامر، لائے نہی۔ مجازات کے کلمے اور وہ ہیں ان، مہما، اذما، حیثما، این، متیٰ، ما، مَن، ایؐ انیٰ اور انْ مقدرہ۔ مثلاً لم یضرب، لما یضرب، لیضربْ، لاتضرب، اِنْ تضربْ اَضربْ۔

واضح رہے کہ لم فعل مضارع کو ماضی منفی کے معنیٰ میں کردیتا ہے۔ اور لمّا کا عمل بھی اسی طرح کا ہے یعنی فعل مترقب اس کے بعد منفی ہو جاتا ہے اور اس کا ماقبل دوامًا منفی رہتا ہے مثلاً قام الامیر لما یرکب" نیز لمّا کے بعد خصوصیت کے ساتھ تو فعل کا حذف کرنا درست ہے کہوگے "ندم زیدٌ ولمّا" اے ولما ینفعہ الندم" (نادم ہوا زیدا اور اب تک) یعنی اب تک اس کو ندامت نفع بخش نہیں ہوئی" اور یہ نہیں کہوگے "ندم زیدٌ ولم" اور رہے کلمات مجازات چاہے وہ حرف ہوں یا اسم وہ دو جملوں پر آتے ہیں تاکہ اس کی نشاندہی کریں کہ جملۂ اول جملۂ ثانیہ کا سبب ہے۔ جملہ اول کا نام شرط اور جملہ ثانی کا نام جزا ہوتا ہے پھر شرط اور جزا کے مضارع ہونے کی صورت میں دونوں میں اندرونِ الفاظ جزم لانا ضروری ہے مثلاً" اِن ضربتَ ضربتُ۔ اور اگر صرف جزا ماضی ہو تو اس وقت شرط میں جزم لانا واجب ہے۔ مثلاً ان تضربنی ضربتک۔ اور اگر محض شرط ماضی ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں مثلاً" ان جئتنی اکرمک۔"

تشریح المجزوم عالمہ لم الخ یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ فعل مضارع اس وقت مجزوم ہوتا ہے جبکہ لَم، لمّا لامِ امر، لائے نہی اور کلماتِ مجازات اِنَ، مَہما، اذمَا، حیثمَا، اینَ، متیٰ، مَا، مَن، ایؐ، انیٰ اور ان مقدرہ میں سے کوئی اس پر آئے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے لَم یَضربْ، لما یضربْ، لیضربْ، لاتضربْ

اور " ان تضرب اضرب "

واعلم ان لم تقلب المضارع الخ۔ اس جگہ صاحب کتاب مضارع کو جزم دینے والے حروف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لم کے مضارع پر داخل ہونے سے فعل مضارع ماضی منفی کے معنی میں ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اس پر لمّا داخل ہو تب ماضی منفی کے معنیٰ میں ہوجائے گا البتہ لم اور لما کے درمیان یہ فرق کیا جاتا ہے کہ جہاں تک لما کا تعلق ہے اس میں نفی برائے استغراق یعنی انتفار کے وقت سے شروع ہوکر تا وقت تکلم سارے گذشتہ زمانوں پر یہ نفی محیط رہتی ہے۔ اس کے برعکس لَم کا حال یہ ہے کہ وہ محض بزمانۂ ماضی فعل کی نفی کرتا ہے اس میں استغراق کے معنیٰ نہیں پائے جاتے علاوہ ازیں لمّا اکثر و بیشتر اس فعل میں مستعمل ہوا کرتا ہے جس کے واقع ہونے کی امید ہوتی ہے۔ اسی سبب سے لمّا کے فعل کا اس صورت میں محذوف کرنا درست ہے جبکہ اس کے حذف کا کوئی قرینہ پایا جائے۔ مثال کے طور پر کوئی ایسے موقعہ پر جہاں کے امیر کے سوار ہونے کے متعلق گفتگو ہورہی ہو کہے " جئت لما " یعنی لما یرکب۔ اور بعض اوقات لمّا غیر متوقع فعل کے اندر بھی مستعمل ہوجاتا ہے مثال کے طور پر کہا جائے " ندِمَ زیدٌ ولمّا " یعنی ولما ینفعہ الندم۔ ایسے موقعہ پر ندِمَ زید ولم " نہیں کہا جاتا۔ ایک اور فرق لما اور لم کے درمیان یہ ہے کہ لما کا جہاں تک تعلق ہے اس پر حروفِ شرط نہیں آتے لہذا " ان لما یضرب " و من لما یضرب " نہیں کہا جاتا۔ البتہ ان لم یضرب و من لم یضرب کہنا درست ہے

واما کلم المجازات حرفاً کانت الخ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ کلمات مجازات کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ یہ اس سے قطع نظر کہ اسم ہوں یا یہ حرف ہوں یہ شرط اور جزار کے دو فعلوں پر آتے ہیں اور فعل اول کے سبب اور فعل دوم کے مسبب ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ فعل اول شرط شمار ہوتا ہے اور فعلِ ثانی جزار واقع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے ان یکرم اکرم۔

ثم ان کان الشرط والجزاء مضارعاً الخ۔ فرماتے ہیں کہ شرط و جزا دونوں کے فعل مضارع ہونے کی صورت میں یہ ناگزیر ہوتا ہے کہ دونوں میں جزم لفظاً آئے۔ مثال کے طور پر کہا جائے " اِنْ تکرمنی اکرمکَ " وجہ یہ ہے کہ فعل مضارع کا شمار معرب میں ہوتا ہے۔ اور یہ کلماتِ مجازات کے باعث اس لائق ہوتا ہے کہ اس پر جزم آئے اور فرماتے ہیں کہ شرط و جزا دونوں کے ماضی واقع ہونے کی صورت میں کلماتِ مجازات کا عمل شرط و جزا میں اندرونِ تلفظ نہیں ہوتا اور ان کے ماضی ہونے کی بنار پر اثر عامل عیاں نہ ہوگا اور اگر ایسا ہو کہ شرط تو مضارع واقع ہو اور محض جزار فعل ماضی ہو تو پھر شرط میں جزم لفظاً لانا ضروری ہوجائے گا۔ مثال کے طور پر کہا جائے گا " ان تضربنی ضربتک " اور محض شرط کے ماضی ہونے کی صورت میں مضارع میں دو صورتیں درست ہوں گی یعنی جزم لانا یا رفع لانا۔ جزم لانا تو اس بنار پر درست ہوگا کہ حرف جازم آرہا ہے اور اس میں جزم کا محل بننے کی اہلیت موجود ہے اور رفع لانا اس واسطے درست ہوگا کہ وسط ماضی میں آنے کے باعث جازم سے اس کا تعلق اور ربط کمزور پڑ گیا۔

واعلم انّهٗ اذا كانَ الجزاءُ ماضيًا بغيرِ قَدْ لم يجزِ الفاءُ فيهِ نحو اِنْ اكرمْتني

اکرمتکَ قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وان کان مضارعًا مثبتًا اومنفیًا بلا جازفیہِ الوجھانِ نحوانْ تَضْرِبْنِیْ اَضْرِبْکَ اوفَاَضْرِبُکَ وانْ تَشْتِمْنِیْ لَا اَضْرِبُکَ اوفَلَا اَضْرِبُکَ وان لم یکنِ الجزاءُ احدَ القِسْمَیْنِ المذکورَیْنِ فیجبُ الفاءُ فیہِ وذٰلکَ فی اربعِ صُوَرٍ الاُولیٰ ان یکون الجزاءُ ماضیًا مَعَ قد کقولہٖ تعالیٰ اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ۔ والثانیۃُ ان یکونَ مضارعًا منفیًا بغیرِ لَا کقولہٖ تعالیٰ "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ"۔ والثالثۃُ ان یکونَ جملۃً اسمیۃً کقولہٖ تعالیٰ "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا"۔ والرابعۃُ ان یکونَ جملۃً انشائیۃً اما امرًا کقولہٖ تعالیٰ "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ"، واِمّا نہیًا کقولہٖ تعالیٰ "فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ"۔ وقد یقعُ اذا مَعَ الجملۃِ الاسمیۃِ موضعَ الفاءِ کقولہٖ تعالیٰ "وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ اِذَا ھُمْ یَقْنَطُوْنَ"۔ وانما تُقَدَّرُ اِنْ بعدَ الافعالِ الخمسۃِ التی ھی الامرُ نحو تَعَلَّمْ تَنْجُ۔ والنہیُ نحو لَا تَکْذِبْ یَکُنْ خَیْرًا لَّکَ۔ والاستفہامُ نحو ھَلْ تَزُوْرُنَا نُکْرِمْکَ والتمنّی نحو لَیْتَکَ عِنْدِیْ اَخْدِمْکَ والعرضُ نحو اَلَا تَنْزِلُ بِنَا تُصِبْ خَیْرًا وبعدَ النہیِ فی بعضِ المواضعِ نحو لَا تَفْعَلْ شَرًّا یَکُنْ خَیْرًا لَّکَ۔ وذٰلکَ اِذا قُصِدَ اَنَّ الاولَ سببٌ للثانی کما رأیتَ فی الامثلۃِ فانَّ معنیٰ قولنا تَعَلَّمْ تَنْجُ ھُوَ اِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ وَکَذٰلِکَ البواقی فلذٰلکَ امْتَنَعَ قولُکَ لَا تَکْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ لامتناعِ السببیۃِ اذ لا یصحُّ ان یقال ان لا تکفر تدخل النارَ۔

ترجمہ:۔ اور واضح رہے کہ جزاء ماضی میں "قد" کے بغیر آئی ہو تو اس میں فا لانا درست نہ ہوگا مثلاً "ان اکرمتنی اکرمتک"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ومن دخلہ کان آمنا" (الآیۃ) اور مضارع کے مثبت یا لاء کے ساتھ منفی ہونے کی صورت میں دو شکلیں درست ہوں گی مثلاً "ان تضربنی اضربک" اور "فاضربک"، وان تشتمنی لا اضربک او فلا اضربک"۔ اور جزاء کے ذکر کردہ دونوں قسموں میں سے کوئی قسم نہ ہونے کی صورت میں اس میں فا لانا ضروری ہوگا۔ اور اس طرح کی صورتیں چار ہیں۔

(۱) اول یہ کہ جزا ماضی قد کے ساتھ آئی ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ "ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل"

(۲) دوم یہ کہ جزاء مضارع منفی لا کے علاوہ کے ساتھ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" (الآیۃ)

(۳) سوم یہ کہ وہ جملہ اسمیہ ہو مثلاً ارشادِ ربانی "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا" (الآیۃ)

(۴) چہارم یہ کہ جزار جملہ انشائیہ یا امر واقع ہو مثلاً ارشاد باری تعالیٰ " قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی" اور یا وہ نہی واقع ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد " فان علمتموہن مومنٰت فلا ترجعوہن الی الکفار" (الآیۃ) اور بعض اوقات فار کی جگہ اذا جملہ اسمیہ کے ساتھ آجاتا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ " وان تصبہم سیئۃ بما قدمت ایدیہم اذا ہم یقنطون" (الآیۃ) اور پانچ فعل ایسے ہیں کہ ان کے بعد اَنْ مقدر و پوشیدہ ہوا کرتا ہے۔ وہ پانچ فعل یہ ہیں (۱) امر۔ مثلاً تعلم تنج۔ (۲) نہی۔ مثلاً " لاتکذب یکن خیرالک " (جھوٹ نہ بول کہ یہ تیرے لئے بہتر ہوگا) (۳) استفہام۔ مثلاً " ہل تزورنا نکرمک " (کیا تو ہماری زیارت کرے گا ہم تیرا اکرام کریں گے) (۴) تمنیٰ مثلاً " لیتک عندی اخدمک " (کاش تو میرے پاس ہوتا تو میں تیری خدمت کرتا)۔ (۵) عرض مثلاً " الا تنزل بنا تصب خیراً " (تو ہمارے پاس کیوں نہیں ٹھیرتا کہ بھلائی سے ہم کنار ہو۔)

اور بعض جگہوں میں نفی کے بعد بھی اِنْ مقدر و پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً " لا تفعل شرا یکن خیرالک " (تو شرارت اختیار نہ کر کہ وہ تیرے لئے بہتر ہے) اور یہ اِنْ کا مقدر ماننا اس صورت میں ہوگا جبکہ اول کو ثانی کا سبب بنانے کا قصد کیا گیا ہو جیسا کہ تم نے مثالوں میں اس کا مشاہدہ کیا۔ اسلئے کہ ہمارے قول " تعلم تنج " کے معنی یہ ہیں " ان تتعلم تنج " (اگر تو سیکھے گا تو نجات حاصل کرے گا۔) ایسے ہی باقی مثالوں کا حال ہے اسی واسطے تمہارا " لا تکفر تدخل النار " کہنا ممنوع ہے کہ یہاں اول ثانی کا سبب نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ کہنا درست نہیں " ان لا تکفر، تدخل النار " (کفر اختیار نہ کرنے پر دوزخ میں داخل ہوگا۔)

تشریح واعلم انہ اذا کان الجزاء ماضیا بغیرقد الخ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ اگر جزار ماضی ہو اور اس میں " قد " استعمال نہ کیا گیا ہو اس سے قطع نظر کہ ماضی باعتبار الفاظ ہو یا باعتبار معنی بہرصورت اس میں فار کا لانا درست نہ ہوگا مثال کے طور پر کہا جائیگا " اِن اکرمتنی اکرمتک " اور ارشاد باری تعالیٰ ہے " ومن دخلہ کان آمنا " وجہ یہ ہے کہ فار کے لانے کا منشا جزا کا شرط کے ساتھ ارتباط ہوا کرتا ہے اور حاجتِ واسطہ ایسے موقعہ پر ہوا کرتی ہے کہ جہاں حرف شرط کے مؤثر ہونے کی امید نہ ہو اس جگہ کیونکہ بذریعہ حرف شرط ماضی بمعنیٰ مستقبل ہوگیا تو حرف شرط مؤثر ہوگا اور اب کسی اور واسطہ کی احتیاج نہ ہوگی۔ اس کے برعکس ماضی کے قد کے ساتھ آنے کی صورت میں ماضی بمعنیٰ مستقبل نہیں ہوتی اور اس کے اپنے معنی برقرار رہتے ہیں تو تاثیر حرف شرط ثابت نہ ہونے کی بنار پر فا لانے کی احتیاج ہوتی ہے۔

وان کان مضارعا مثبتا الخ یہاں فرماتے ہیں کہ مضارع کے مثبت یا منفی لا کے ساتھ ہونے کی صورت میں فا کے لانے اور نہ لانے دونوں کو جائز قرار دیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ حروفِ شرط کے باعث اگرچہ مضارع مستقبل کے معنی کے ساتھ مخصوص ہوگیا لیکن مضارع میں یہ مستقبل کے معنی پہلے سے ہی موجود تھے پس برائے ربط فار کے لانے کی احتیاج نہیں۔ اور دوسری طرف اگر یہ دیکھا جائے کہ کسی حد تک حرف شرط کی تاثیر ثابت نہیں تو اسے دیکھتے ہوئے فار کے لانے کو درست قرار دیں گے۔ مثال کے طور پر کہا جائے " ان تضربنی اضربک " یا " ان تضربنی فاضربک "۔

"وان تشتمنی لااضربک" یا ان تشتمنی فلااضربک"

وان لم یکن الجزاء احد القسمین المذکورین الخ یعنی اگر ایسا ہو کہ نہ تو ماضی قد کے بغیر آئی ہو اور نہ مضارع مثبت ہو اور نہ منفی لا کے ساتھ آیا ہو تو اس صورت میں فا کا لانا ضروری ہوگا اور چار صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں فا لانا ضروری ہے.

اول یہ کہ ماضی کی جزاء قد کے ساتھ آئی ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ "ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل"

ثانی یہ کہ مضارع لا کے علاوہ مثلاً ما اور لن سے منفی ہو تو اس صورت میں فا کا لانا ضروری ہوگا مثلاً ارشاد باری تعالیٰ "ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ" (الآیۃ) یہاں فاء لانے کا سبب یہ ہے کہ حروف جوازم کا اثر معناً قطعاً نہیں ہو سکا اور اس بناء پر رابطہ کی احتیاج واقع ہوئی۔

سوم یہ کہ جزاء جملہ اسمیہ واقع ہوئی ہو تو فا کا لانا ضروری ہوگا یہاں بھی وہی وجہ ہے کہ حروف جوازم اثر انداز نہیں ہوتے اور اس بناء پر رابطہ کی احتیاج پیش آتی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا" (الآیۃ)

چہارم یہ کہ جزاء جملہ انشائیہ یا امر واقع ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی" یا یہ کہ وہ نہی واقع ہو رہا ہو مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "فان علمتموہن مؤمنٰت فلا ترجعوہن الی الکفار" (الآیۃ)

وقد یقع اذا مع الجملۃ الاسمیۃ الخ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات جزا پر فا کی جگہ اذا مفاجاتیہ آتا ہے مگر اس میں جملہ کے اسمیہ ہونے کی شرط قرار دی گئی مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وان تصبہم سیئۃ بما قدمت ایدیہم اذا ہم یقنطون" (الآیۃ) فا کی جگہ اذا مفاجاتیہ کے آنے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ معنی اذا بھی تقریباً فا جیسے ہیں کیونکہ عادتاً اذا کے ذریعہ ایک امر کے بعد امر دیگر کے وقوع کی نشاندہی ہوتی ہے تو اس میں معنی فائے تعقیبیہ پائے گئے۔

وانما تقدر ان بعد الافعال الخمسۃ الخ. اس جگہ صاحب کتاب ان شرطیہ کے پوشیدہ ہونے کی شکلیں ذکر فرما رہے ہیں. کہتے ہیں کہ ان شرطیہ امر، نہی، استفہام، تمنی وعرض کے بعد پوشیدہ ہوا کرتا ہے اور اس کے باعث فعل مضارع مجزوم ہوتا ہے۔

وذٰلک اذا قصد ان الاول سبب للثانی الخ. یعنی ان ذکر کردہ پانچ چیزوں کے بعد ان شرطیہ کا پوشیدہ ہونا اور فعل مضارع کا مجزوم ہونا اس صورت میں ہے جبکہ مضمون مضارع کے واسطے ذکر کردہ پانچ چیزوں کے سبب بننے کا ارادہ کیا گیا ہو۔

ایک اشکال کا جواب

اگر اس جگہ کوئی یہ اشکال کرے کہ ان ذکر کردہ پانچ چیزوں کے بعد ان شرطیہ کے پوشیدہ ہونے کا حقیقی سبب کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان چیزوں سے طلب کی نشاندہی ہوتی ہے اور طلب اس طرح کے مطلوب کی ہوا کرتی ہے جس سے کسی فائدہ کا ترتب اس طریقہ سے ہوتا ہو کہ مطلوب کی حیثیت اس فائدہ کے سبب کی ہو اور اس فائدہ کی حیثیت مسبب کی ہو. مثال کے طور پر کہا جائے "اَسْلِم تدخل الجنۃ" اس مثال میں "اَسْلِمْ" امر کا صیغہ آیا ہے نیز یہاں مطلوب دراصل اسلام ہے اور اس پر مرتب ہونے والا فائدہ جنت میں داخل ہونا ہے تو قبول اسلام کی حیثیت

سبب کی ہوئی اور جنت میں داخلہ کی حیثیت مسبب کی ۔

فلذٰلک امتنع قولک ۔ فرماتے ہیں کہ اس جگہ تو یہ ترکیب ممنوع ہے کیونکہ "لاتکفر" فعل مثبت کا دراصل قرینہ نہیں بلکہ فعل منفی کا ہے تو اصل عبارت اس طرح قرار دیجائے گی " ان لاتکفر تدخل النار " ۔

والثالث الامر وهوَ صيغةٌ يُطلَبُ بها الفعلُ من الفاعِلِ المخاطب بأن تحذِفَ من المضارِعِ حرفَ المضارعةِ ثمَّ تنظر فان كانَ ما بعدَ حرف المضارعةِ ساكِنًا زدتَ همزةَ الوَصلِ مضمومةً ان انضمّ ثالثُهُ نحو اُنصُرْ ومكسورةً ان انفتَحَ اوانكسَرَ كاِعْلَمْ واِضْرِبْ واِستَخْرِجْ وان كانَ متحرّكًا فلاحاجةَ الى الهمزةِ نحو عِدْ وحاسِبْ والامر من باب الإفعال من القسم الثاني وهو مَبْنِيٌّ على علامةِ الجَزمِ كاِضْرِبْ واغزُ وَارْمِ واسْعَ واضرِبَا واضرِبُوا واضرِبِيْ

ترجمہ: فعل کی قسم ثالث امر ہے اور وہ اس طرح کا صیغہ کہلاتا ہے کہ اس کے ذریعہ طلب فعل فاعل مخاطب سے ہوتی ہے بایں طور کہ مضارع سے حرف مضارع کو حذف کرکے یہ دیکھو کہ اگر حرف مضارع کے بعد ساکن آرہا ہو تو ہمزۂ وصل مضمومہ کا اضافہ کردو بشرطیکہ مضارع کا حرف ثالث مضموم ہو مثلاً " اُنصُرْ " اور اگر مفتوح یا مکسور ہو تو ہمزۂ وصل مکسور لاؤ مثلاً اِعْلَمْ اور اِضرِبْ اور اِستخرِجْ، اور حرف مضارع کے بعد متحرک حرف ہونے کی صورت میں ہمزہ لانے کی احتیاج نہیں مثلاً، عِدْ، اور حَاسِبْ اور امر باب افعال کی قسم ثانی میں سے ہے اور وہ علامت جزم پر مبنی ہوا کرتا ہے مثلاً " اِضرِبْ، اُغزُ، اِرْمِ اور اِسْعَ اور اضرِبَا اضرِبُوا، اضرِبِی ۔

تشریح

وہو صیغۃ یطلب بہا الفعل من الفاعل الخ نحویوں کی اصطلاح کے اعتبار سے اگرچہ امر، امر حاضر معروف و مجہول و امر غائب تمام کے لئے ہی بولا جاتا ہے مگر امر حاضر معروف پر امر بالصیغہ کا اطلاق ہوتا ہے صاحب کتاب نے " الامر ہو صیغۃ " فرماکر اس جانب اشارہ کیا کہ اس جگہ امر سے امر حاضر ہی مقصود ہے کیونکہ مطلقاً " امر " کے کہنے سے امر حاضر ہی سمجھا جاتا ہے امر غائب نہیں ۔ عبارت " ہو صیغۃ یطلب بہا " کی حیثیت جنس کی ہے کہ اس کے زمرے میں امر غائب، حاضر و متکلم اور نہی سارے داخل ہیں اس سے قطع نظر کہ وہ معروف ہو یا مجہول ہو اور " الفعل " کی حیثیت فصل کی ہے کیونکہ الفعل کے آنے سے نہی نکل گئی۔ اسلئے کہ نہی میں مقصود فعل کا ترک ہوا کرتا ہے اور " من الفاعل " کی قید سے امر مجہول کے سارے صیغے نکل گئے کیونکہ مجہول میں فاعل کے بجائے مفعول سے طلب ہوا کرتی ہے۔ پھر " المخاطب " کے ذریعہ غائب اور متکلم سے اجتناب ہوگیا۔ اور " بان تحذف من المضارع حرف المضارعۃ "

بجھ میں آنے والی قید احترازی نہیں ہے واقعی ہے۔

فان کان مابعد حرف المضارعۃ ساکنا الخ فرماتے ہیں کہ حرف مضارع کے محذوف ہونے کے بعد یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے مابعد کے ساکن ہونے کی صورت میں ایسے ہمزۂ وصل کا اضافہ کیا جائے جو مضموم ہو جبکہ حرف ساکن کے بعد تیسرے حرف پر ضمہ آرہا ہو تاکہ سکون سے ابتداء کا لزوم نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہو کہ حرف ساکن کے بعد فتحہ یا کسرہ آرہا ہو مثلاً اضرب وغیرہ تو اس صورت میں ہمزۂ مکسور لانا چاہئے اور متحرک ہونے کی شکل میں ہمزۂ وصل لانے کی احتیاج ہی نہیں مثلاً "د" "عِدْ"

والامر من باب الافعال من القسم الثانی الخ یہاں دراصل ایک پوشیدہ اشکال کا جواب مقصود ہے۔ اشکال یہ ہے کہ اس سے قبل یہ ذکر ہو چکا کہ حرف مضارع کے مابعد کے ساکن ہونے کی اور مضارع کے عین کلمہ کے مکسور ہونے کی صورت میں ہمزۂ وصل مکسور لایا جاتا ہے تو مثال کے طور پر "اکرم" جو تکرم سے بنا ہے، حرف مضارع کا مابعد ساکن ہونے اور عین کلمہ غیر مضموم ہونے کی بناء پر از روئے قاعدہ ہمزۂ وصل مکسور آنا چاہئے تھا مگر اس جگہ بجائے مکسور کے مفتوح لایا گیا۔

اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمزۂ مکسور ایسے وقت لاتے ہیں جبکہ حرف مضارع کے مابعد کے ساکن ہونے کے ساتھ ساتھ عین کلمہ پر کسرہ ہو اور اس جگہ یہ صورت نہیں اسلئے کہ حرف مضارع کے مابعد پر سکون کے بجائے فتحہ ہے اور فتحہ اس جگہ محذوف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تکرم درحقیقت "تأکرم" تھا بروزن "تأفعل" پس یہاں مذکورہ اشکال پیش نہیں آتا۔

وھو مبنی علی علامۃ الجزم الخ فرماتے ہیں کہ امر حاضر معروف کا جہاں تک تعلق ہے وہ ٹھیک اور پوری طرح مضارع مجزوم کی علامات پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ یعنی جس طریقہ سے مضارع میں جزم کے وقت کبھی نون اعرابی ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی حرف علت کا سقوط ہوتا ہے اور کبھی حرکت ساقط ہو جایا کرتی ہے اسی طریقہ سے امر حاضر معروف کا حال ہے اور اس اعتبار سے دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں

فصل فعل مَا لَمْ فاعلہٗ ھو فِعلٌ حُذِفَ فاعِلُہٗ واُقِیْمَ المفعُوْلُ مَقامَہٗ ویُختصُّ بالمُتعدِّیْ وعلامتہٗ فی الماضِی اَنْ یکُوْنَ اولُہٗ مضمُوْمًا فقط وماقبلَ اٰخرِہٖ مکسورًا فی الاَبوابِ الّتِیْ لَیْسَتْ فی اوائِلِھا ھَمزۃُ وصلٍ و لا تاءٌ زائدۃٌ نحوضُرِبَ و دُحْرِجَ واُکْرِمَ وان یَکُونَ اولُہٗ وثانِیہٖ مَضمُومًا وماقبل اٰخرِہٖ کذٰلِکَ فیْما فِی اَوَّلِہٖ تاءٌ زائدۃ نحو تُفُضِّلَ وتُضُوْرِبَ وان یکون اولُہٗ وثالثُہٗ مضمومًا وماقبل اٰخرِہٖ کذٰلِکَ فی ما فی اوّلہٖ ھَمزۃُ وَصلٍ نحو اُسْتُخْرِجَ واُقْتُدِرَ والھَمزۃُ تتبَعُ المضمُومَ ان لم تُدرَجْ وفی المضارع ان یکونَ حرفُ المضارِعَۃِ مضمومًا وماقبل اٰخرِہٖ مفتُوحًا نحو یُضْرَبُ ویُسْتَخْرَجُ الافی باب المفاعلۃ والإفعالِ والتفعیل و

الفعللة ومُلحقاتِهَا الثمانيةِ فانَّ العلامةَ فيهَا فتحُ مَاقبل الأخِرِ نحو يحاسَبُ و
يُدَحْرَجُ وفى الاَجوَفِ ماضِيهِ قيل و بيع وبالاِشمامِ قيل وبيع وبالوا وقُولَ و بُوِ عَ
وكذٰلِكَ بابُ اُختِيرو اُنقيد دون اُستُخِيْرَواُقيم لفقد فُعِلَ فيهما وفى مضارِعِهِ
تقلب العين الفًا نحو يُقَالُ ويُبَاعُ كما عَرَفْتَ فى التصريف مُسْتَقْصىً

ترجمہ:۔ یہ فصل ایسے مفعول کے فعل کے ذکر میں ہے جس کا فاعل نہ ذکر کیا گیا ہو وہ اس طرح کا فعل کہلاتا ہے جس کے فاعل کو حذف کرکے مفعول کو اس کے قائم مقام بنا دیا گیا ہو. یہ فعل متعدی کے ساتھ مخصوص ہے .ماضی میں اس کی علامت یہ قرار دی گئی کہ محض اس کا اول حرف مضموم ہوتا ہے اور اس کے آخری حرف سے پہلا حرف ان ابواب میں مضموم ہوتا ہے جن کے شروع میں نہ تو ہمزۂ وصل آیا ہو اور نہ تا زائدہ آئی ہو۔ مثلاً ضُرِبَ ، دُحْرِجَ ، اُکْرِمَ . اور اسی طریقہ سے ان بابوں میں جن کے آغاز میں تا زائدہ ہو اول اور ثانی حرف مضموم اور آخری حرف سے پہلا حرف مکسور ہوتا ہے. مثلاً تُفُضِّلَ و تُضُوْرِبَ۔ اور ایسے ہی وہ باب جن کے شروع میں ہمزۂ وصل ہو اول اور تیسرا حرف مضموم اور آخری حرف سے پہلا حرف مکسور ہوگا مثلاً اُسْتُخْرِجَ ، اُقْتُدِرَ۔ اور ہمزہ ساقط نہ ہونے کی صورت میں مضموم حرف کے تابع ہوگا اور مضارع میں حرف مضارع مضموم اور آخری حرف سے پہلا حرف مضموم ہوگا. مثلاً یُضْرَبُ ، یُسْتَخْرَجُ۔ البتہ باب مفاعلت، افعال، تفعیل، فعللۃ اور ان کے آٹھوں ملحقات میں علامت یہ ہوگی کہ آخری حرف سے پہلا حرف مفتوح ہوگا. مثلاً یُحَاسَبُ ، یُدَحْرَجُ۔ اور اندرون اجوف اس کی ماضی "قیل" اور "بیع" ہوگی اور مع الاشمام "قیل وبیع" اور مع الواؤ "قُوْلَ" اور بُوْعَ ہوگی۔ اور ایسے ہی باب "اُخْتِیْرَ" اور اُنْقِیْدَ میں ہوگا۔ اُسْتُخِیْرَ اور اُقِیْمَ میں فُعِلَ کی عدم موجودگی کے باعث ایسا نہ ہوگا۔ اور اندرون مضارع اجوف عین کلمہ الف سے بدل جاتا ہے مثلاً یُقَالُ اور یُبَاعُ جیسا کہ تم علم صرف میں بخوبی جان چکے ہو۔

تشریح فعل مالم یسم فاعلہ الخ یعنی فعل مالم یسم فاعلہ ایسا فعل کہلاتا ہے جس کے فاعل کو حذف کردیا گیا ہو اور اسے حذف کرکے مفعول کو اس کے قائم مقام بنادیا گیا ہو۔

واقیم المفعول مقامہ الخ۔ اس جگہ یہ اشکال کیا گیا کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کے بلحاظ معنی مفعول ہونے کی بنا پر اس میں یہ اہلیت نہیں کہ فاعل کی جگہ آکر مرفوع ہوسکے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ فعل کی دراصل دو جانبیں ہیں ایک اس کی باعتبار صدور ہے اور یہ جانب فاعل کہلاتی ہے اور دوسری جانب وقوعی جانب ہے اور اس وقوعی جانب کا نام مفعول ہے. پس فاعل و مفعول اس اعتبار سے

مشابہت کے باعث مفعول فاعل کی جگہ آنے کی صورت میں مرفوع ہو سکتا ہے۔ اسلئے کہ یہاں فاعل کا فاعل ہونا اس بنیاد پر ہے کہ اسناد فعل اس کی طرف ہو رہی ہے۔

ویختص بالمتعدی الخ یعنی جہاں تک فعل مالم یسم فاعلہ کا تعلق ہے وہ فعل متعدی ہی سے بنا کرتا ہے اس واسطے کہ اگر اسے فعل متعدی سے نہ بنائیں اور پھر فاعل سرے سے مذکور ہی نہ ہو تو اس صورت میں اس طرح کی کوئی چیز باقی نہ رہیگی جس کی جانب اسناد فعل ممکن ہو اور ایسا ہونا اپنی جگہ نادرست ہے۔

وعلامتہ فی الماضی الخ صاحب کتاب کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا فعل جس کے فاعل کو محذوف کرکے اس کے قائمقام مفعول کو بنا رہے ہوں۔ فعل ماضی ہونے کی صورت میں اس کا اول مضموم ہوگا اور آخری حرف سے پہلا حرف مکسور مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "فُعِلَ۔ ضُرِبَ۔ قُتِلَ۔" اس کا سبب یہ ہے کہ فعل مالم یسم فاعلہ کو بناتے ہوئے اس طرح کا تصرف نہ کرنے کی شکل میں یہ امتیاز نہ ہو سکے گا کہ ان میں سے کون سا فعل معروف ہے اور کونسا مجہول۔

رہی یہ بات کہ اس طرح کی تبدیلی صرف مجہول ہی میں کس واسطے کی جاتی ہے یہ تو معروف میں بھی ہو سکتی تھی تو اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ مجہول کا جہاں تک تعلق ہے وہ معروف کی فرع شمار ہوتا ہے۔ تو اس طرح کی تبدیلی بجائے اصل کے فرع میں موزوں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایسی تبدیلی فقط مجہول میں ہوا کرتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اول کو مضموم کرنے اور آخری حرف سے پہلے حرف کو مکسور کرنے کا حکم محض اس صورت میں ہوگا جبکہ ماضی کے شروع میں نہ ہمزۂ وصل آرہا ہو اور نہ تاء زائدہ۔ اور ابتداء "تا" ہونے کی صورت میں پہلے اور دوسرے حرف پر ضمہ آئے گا اور آخر سے پہلے حرف پر کسرہ آئے گا مثلاً "تُفُضِّلَ"، اور ہمزۂ وصل ابتداء میں ہو تو پہلے اور تیسرے حرف پر ضمہ آئے گا اور آخری حرف سے پہلا حرف حسب سابق مکسور ہوگا مثلاً "اُسْتُخْرِجَ اور اُقْتُدِرَ"، حاصل یہ کہ ہمزہ ساقط نہ ہونے کی صورت میں تابع مضموم شمار ہوگا۔

وفی المضارع ان یکون الخ۔ اس کا عطف ماضی پر کیا گیا۔ یعنی علامتِ مضارع مجہول اسے قرار دیا گیا کہ حرف مضارع تو مضموم واقع ہو اور آخری حرف سے پہلے حرف پر فتحہ آئے مثلاً "یُضْرَبُ، یُسْتَخْرَجُ" مگر شرط یہ ہے کہ باب مفاعلت، افعال، تفعیل، فعللۃ اور اس کے آٹھوں ملحقات میں سے نہ ہو۔ اس واسطے کہ ان میں سے ہونے کی صورت میں علامت مجہول یہ ہوگی کہ اس کے آخری حرف سے پہلے حرف پر فتحہ آئے گا مثلاً "یُحَاسَبُ اور یُدَحْرَجُ"۔

وفی الاجوف ماضیہ الخ فرماتے ہیں کہ معتل العین کے یائی اور واوی ہونے کی صورت میں زیادہ فصیح لغت کی بناء پر "قیل" اور "بیع" کہا جائے گا۔ اور اس کے اندر اشمام بھی درست ہوگا۔ اشمام کی صورت یہ ہے کہ کسرۂ فاکلمہ بجانب ضمہ مائل کرکے پڑھا جائے اور یا جو کہ عین کلمہ ہے اسے بجانبِ واؤ مائل کرکے پڑھا جائے۔

وکذلک باب اُختیر۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ جس طریقہ سے ماضی ثلاثی مجرد میں اوپر ذکر کردہ تینوں وجہوں کا نفاذ ہوتا ہے ٹھیک اسی طریقہ سے ماضی بابِ انفعال وافتعال کے اندر میں بشرطیکہ معتل العین واقع ہو رہی ہو ان کے اوپر ذکر کردہ تینوں وجہوں کا نفاذ ہوگا۔ مثال کے طور پر "اُخْتِیْرَ" اور "اُنْقِیْدَ"، کہ انھیں تین طریقوں سے

پڑھا جاسکتا ہے۔

(ون استخیر و أُتیم الخ) فرماتے ہیں کہ باب افعال واستفعال کی ماضی کا جہاں تک تعلق ہے اس کے معتل العین ہونے کی صورت میں اوپر ذکر کردہ تین وجہوں کا نفاذ نہ ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اصل کے لحاظ سے حرف علت سے پہلا حرف ان میں ساکن واقع ہوا ہے اسلئے انھیں "قیل" اور "بیع" کے مانند قرار نہ دیں گے۔

(وفی مضارعہ تقلب العین) فرماتے ہیں کہ مضارع کا عین کلمہ معتل ہونے کی صورت میں صرف کے مقررہ قاعدہ کے اعتبار سے عین کلمہ کے الف سے بدلجانے کا حکم ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جائے گا "یُقَالُ" اور "یُبَاعُ"

فصل الفعلُ امّا متعدٍّ وهو ما يتوقفُ فهمُ معناه على متعلِّقٍ غيرِ الفاعِلِ كضرَبَ وَ إمّا لازمٌ وهو ما بخلافِهٖ كقَعَدَ و قَامَ والمتعدي قد يَكُونُ الى مفعُولٍ واحِدٍ كضَرَبَ زيدٌ عَمرًا والى مفعولَين كاَعطىٰ زيدٌ عَمرًا دِرهَمًا و يجوز فيه الاقتصارُ على احدِ مفعولَيه كاَعْطَيْتُ زيدًا او اَعطَيتُ دِرهَمًا بخلاف باب عَلِمتُ والى ثلثةِ مفاعِيلَ نحو اَعْلَمَ اللهُ زيدًا عمرًوا فاضِلًا. ومنه اَرىٰ وانبَاء و نبّاء واَخبَر وخَبّر وحدّثَ وهذِهِ السبعةُ مفعولُها اولُ مَعَ الاَخيرين كمفعُولَى اَعطيتُ فى جوازِ الاقتصارِ على احدِهما تقول اَعلم اللهُ زيدًا والثانى مع الثالث كمفعولَى علمتُ فى عَدَمِ جَوَازِ الاقتِصارِ على احدِهما فلا تقولُ اَعْلَمْتُ زيدًا خيرَ النّاسِ بل تقول اَعْلَمْتُ زيدًا عمرًوا خيرَ النّاسِ.

ترجمہ۔ یہ فصل فعل کے بیان میں ہے۔ فعل یا تو متعدی واقع ہوگا اور متعدی ایسا فعل کہلاتا ہے کہ جس کا سمجھنا متعلق غیر فاعل پر موقوف ہو مثلاً ضَرَبَ۔ اور یا فعل لازم واقع ہوگا۔ لازم وہ فعل کہلاتا ہے جو خلاف متعدی واقع ہو مثلاً "قَعَدَ" اور "قَامَ" اور متعدی بعض اوقات بجانب یک مفعول ہوا کرتا ہے مثلاً ضَرَبَ زیدٌ عمرًوا۔ اور بعض اوقات دو مفعولوں کی جانب ہوتا ہے۔ مثلاً "اعطیٰ زیدٌ عمرًوا درہمًا" اور اس میں دو مفعولوں میں سے ایک مفعول پر بھی اکتفا درست ہے مثلاً "اعطیتُ زیدًا" یا "اعطیتُ درہمًا" یہ باب علمت کے خلاف ہے۔ اور بعض اوقات تین مفعول کی جانب متعدی ہوتا ہے مثلاً "اعلم اللہ زیدًا عمرًوا فاضلًا" اور اعلم ہی کی قسم سے "اریٰ" انباء" نبّا" اخبر" خبّر اور حدّث ہیں۔ یہ کل سات ہیں ان کا مفعول اول اخیر کے دو مفعولوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسے "اعطیتُ" کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ یہ اس بنا پر کہ ان میں دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفاء درست ہے کہوگے "اعلم اللہ زیدًا" اور مفعول دوم مفعول سوم کے ساتھ "علمتُ" کے دو مفعولوں کی طرح ہوگا کہ ان میں صرف ایک مفعول پر اکتفاء جائز

نہ ہوگا۔ تو نہیں کہو گے " اَعلمتُ زیدًا خیرَ النّاسِ " بلکہ کہو گے " اعلمت زیدًا عمروًا خیر النّاس "۔

تشریح المفعول اما متعد وہو ما یتوقف الخ اس جگہ فعل کی دو قسموں کے متعلق ذکر فرمارہے ہیں ان میں سے کہتے ہیں کہ متعدی تو ایسا فعل کہلاتا ہے کہ اس کے سمجھنے کا انحصار فاعل کے علاوہ اس کے متعلق پر ہو یہاں متعلق سے مقصود مفعول بہ ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے " ضَرَبَ " کہ اس کے سمجھنے کا انحصار جس طریقہ سے فاعل یعنی ضارب " کے اوپر ہے ٹھیک اسی طریقہ سے فاعل کے علاوہ یعنی مضروب کے اوپر بھی ہے۔

واما لازم وہو ما بخلافہ الخ یعنی لازم وہ کہلاتا ہے کہ جس کے سمجھنے کا انحصار فاعل کے علاوہ پر نہ ہو۔ مثال کے طور پر کہا جائے " قَعَدَ زیدٌ " " قَامَ زیدٌ "

والمتعدی قد یکون الی مفعول واحد۔ فرماتے ہیں کہ فعل متعدی کی ایک نہیں متعدد صورتیں ہیں بعض اوقات فعل متعدی بجانب یک فعل متعدی ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " ضرب زیدٌ عمرًا " اور بعض اوقات بجانب مفعولین متعدی ہوا کرتا ہے مثلاً کہتے ہیں " اعطیٰ زیدٌ عمرًا درہمًا "

وہذہ السبعۃ مفعولہا الخ۔ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے افعال کی تعداد جو بجانب مفعول ثلاثہ متعدی ہوا کرتے ہیں سات تک پہنچتی ہے۔ ان میں مفعول اول کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو مفعولِ " اعطیتُ " کی طرح ہوتا ہے لہٰذا جس طریقہ سے اعطیتُ میں یہ درست ہے کہ بجائے دو مفعولوں کے محض ایک پر اقتصار کیا جائے بالکل اسی طریقہ سے ان افعال میں یہ درست ہے کہ فقط مفعولِ اول بیان کیا جائے۔ نیز یہ صورت بھی صحیح ہے کہ پہلا مفعول تو حذف کر دیا جائے اور مفعول دوم و سوم بیان کر دیئے جائیں۔ اس کے برعکس مفعول دوم اور سوم کا حال یہ ہے کہ وہ باب علمتُ کے دو مفعولوں کی طرح شمار ہوتے ہیں اور ان میں یہ درست نہیں کہ بجائے دونوں کو بیان کرنے کے ایک بیان کریں اور ایک حذف کر دیں۔ یا دونوں ہی حذف کر دیئے جائیں۔

فصل۔ افعالُ القلوب عَلِمتُ وظَنَنتُ وحَسِبتُ وخِلتُ ورَأیتُ ووَجدتُ و زَعَمتُ وہیَ افعالٌ تدخلُ علی المبتدأ والخبرِ فتنصبُہما علی المفعولیۃِ نحو علمتُ زیدًا عالمًا **واعلم** انَّ لہٰذِہِ الافعالِ خواصَّ **منہا** اَنْ لَا تَقْتَصِرَ علی اَحَدِ مَفعُولَیہا بخلاف باب اَعْطَیتُ فلا تقول عَلِمتُ زیدًا **ومنہا** جوازُ الالغاءِ اذا توسّطتْ نحو زیدٌ ظننتُ قائمٌ او تاخّرتْ نحو زیدٌ قائمٌ ظننت **ومنہا** انّہا تُعَلَّقُ اذا وقعتْ قبلَ الاستفہامِ نحو عَلِمتُ اَزیدٌ عِندَکَ اَمْ عَمرٌو وقبلَ النفیِ نحو عَلِمتُ مَا زیدٌ فِی الدّارِ وقبلَ لامِ الابتداءِ نحو عَلِمتُ لَزیدٌ مُنطَلِقٌ **ومنہا** انّہا یجوزُ ان یکونَ فاعلُہا ومفعولُہا ضمیرینِ لشیٔ واحدٍ نحو عَلِمْتُنِی مُنطلقًا وظننتُک

فَاضِلًا واعلَمْ انّه قد یکونُ ظَننتُ بمعنیٰ اِتّہمتُ و عَلِمتُ بمعنیٰ عرفتُ ورَأیتُ بمعنیٰ ابصَرتُ و وجَدتُ بمعنیٰ اَصَبتُ الضّالّۃَ فتنصبُ مفعولًا واحدًا فقط فلا تکونُ حینئذٍ من افعال القُلُوب۔

ترجمہ۔ یہ فصل افعال قلوب کے بیان میں ہے۔ افعال قلوب حسب ذیل ہیں۔ "علمتُ، ظننتُ، حسبتُ، خلتُ، رأیتُ، وجدتُ، زعمتُ۔" یہ افعال مبتدا اور خبر پر آکر ان کے مفعول ہونے کے باعث نصب دیتے ہیں مثلاً "علمتُ زیدًا عالمًا" اور واضح رہے کہ ان افعال کی کچھ خصوصیات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا اقتصار دو مفعولوں کے بجائے ایک مفعول پر نہیں ہوتا۔ باب اعطیتُ کے برعکس۔ تو یہ نہیں کہوگے "علمتُ زیدًا" اور ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ درمیان میں آنے پر ان افعال کے عمل کو لغو کالعدم کرنا درست ہوتا ہے مثلاً "زیدٌ ظننتُ قائمٌ" یا مؤخر اور مبتدا و خبر کے بعد واقع ہونے پر ان کا عمل لغو کالعدم ہوجاتا ہے۔ مثلاً "زیدٌ قائمٌ ظننتُ"۔
اور ایک خصوصیت ان کی یہ ہے کہ استفہام سے قبل واقع ہونے پر (لفظاً) ان کا عمل مہمل و بے کار ہوجاتا ہے مثلاً "علمتُ ازیدٌ عندک ام عمروٌ" اور اسی طرح نفی سے پہلے واقع ہونے پر ہوتا ہے مثلاً علمتُ ما زیدٌ فی الدار" اور لام ابتداء سے قبل آنے کی صورت میں یہی حال ہوتا ہے مثلاً "علمتُ لزیدٌ منطلقٌ" اور ان کے خواص میں سے یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ ایک چیز کے لئے ان کے فاعل و مفعول کی دو ضمیریں ہوں مثلاً "علمتنی منطلقًا و ظننتک فاضلاً" اور واضح رہے کہ بعض اوقات ظننتُ، اتہمتُ کے معنی میں، اور علمتُ عرفتُ کے معنی میں اور رأیتُ بمعنی ابصرتُ اور وجدتُ، اصبتُ الضالۃ (میں نے گم شدہ کو پالیا) کے معنی میں آتا ہے۔ اور یہ افعال صرف ایک مفعول کو منصوب کرتے ہیں تو اس وقت یہ افعال قلوب میں سے نہیں رہتے۔

تشریح۔ افعال القلوب علمتُ الخ۔ باعتبار حصر استقرائی افعالِ قلوب کی کل تعداد سات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اردتُ، اعتقدتُ، اور عرفتُ کا شمار افعال قلوب میں ہوا کرتا ہے اور یہ بھی بجانب مفعولین متعدی ہوا کرتے ہیں۔ مگر از روئے احکام انکا شمار افعال قلوب میں نہیں ہوتا اور نہ ان پر احکام افعال قلوب کا نفاذ ہوتا ہے۔ ان کا نام افعالِ قلوب رکھنے کا سبب یہ ہے کہ انھیں باعتبار صدور ظاہری جوارح و اعضاء کی احتیاج نہیں ہوتی بلکہ باطنی قویٰ ہی انکے لئے کافی و وافی ہوجاتے ہیں۔ اسلئے کہ ان میں سے بعض کا استعمال برائے شک اور بعض کا استعمال برائے یقین ہوتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ امتزاج شک و یقین کے حامل ہیں اور اسی بناء پر یہ افعال الشک والیقین کے نام سے موسوم ہوئے۔ علمتُ وغیرہ ان افعال کی تعبیر سے کی گئی تو اس کا مطلب

یہ نہیں کہ ان سے خصوصیت کے ساتھ معنیٰ ماضی مقصود ہیں بلکہ مقصود مطلقاً اطلاع فعل ہے چاہے وہ مضارع ہو اور چاہے وہ امر ہو اور بصیغۂ ان افعال کی تعبیر اس مصلحت سے کی گئی کہ بمقابلہ اس کے کہ آدمی دوسروں کے دلوں کے حال سے آگاہ ہو اپنے دل کا حال اچھی طرح جانتا ہے افعالِ قلوب میں سے " علمتُ، وجدتُ اور رائیتُ" برائے یقین اور " ظننت، حسبتُ، خلتُ برائے شک آتے ہیں اور رہا " زعمتُ " وہ برائے یقین و شک دونوں کے لئے آتا ہے۔

وہی افعال تدخل الخ۔ فرماتے ہیں کہ یہ افعال جملہ اسمیہ پر آیا کرتے ہیں اور ان کے جملہ اسمیہ پر آنے سے مقصود یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ یہ جملہ علم کے زمرے میں ہے یا ظن کے۔ مثال کے طور پر کہا جائے " علمتُ زیدًا عالمًا " اور ظننتُ عمرًا قاعدًا " تو زیدٌ عالمٌ یہاں ایک جملہ ہے اور اسی طرح عمرًا قاعدًا ایک جملہ ہے اور علمتُ و ظننتُ کے ان پر آنے سے قبل یہ احتمال موجود تھا کہ برائے زید ثبوتِ علم از روئے علم ہے یا از روئے ظن۔ اس کے بعد علمتُ زیدًا عالمًا کہنے پر یہ بات معلوم ہوئی کہ ذکر کردہ حکم از قبیل علم ہے اور ظننتُ زیدًا قاعدًا کہنے سے پتہ چلا کہ ذکر کردہ حکم ظن کے زمرے میں ہے۔

منہا ان لا تقتصد الخ۔ صاحب کتاب یہاں سے افعال قلوب کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر ان کے دو مفعولوں میں ایک بیان کر دیا گیا ہو تو دوسرے کو بھی بیان کرنا ضروری ہوگا اور ان میں سے محض ایک پر اکتفا درست نہ ہوگا کیونکہ دونوں مفعولوں کی حیثیت ایک مفعول کی سی ہے اس لئے ایک کے بیان کرنے اور دوسرے کے حذف کی صورت میں کلمہ کے بعض اجزاء کو گویا حذف کرنے کا لازم ہوگا۔ جو ظاہر ہے درست نہیں۔ البتہ باب اعطیتُ کا جہاں تک تعلق ہے وہاں یہ درست ہے کہ دو مفعولوں میں سے محض ایک پر اکتفا کر لیا جائے۔

منہا جواز الالغاء اذا توسطت الخ فرماتے ہیں کہ افعال قلوب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر کہیں ان افعال میں سے کوئی فعل دو مفعولوں کے بیچ میں آجائے یا ان کے بعد آئے تو اس صورت میں باعتبار لفظ و معنیٰ اس کے عمل کو باطل و کالعدم قرار دینا درست ہوگا۔ اس صورت میں ان کا عمل باطل و کالعدم قرار دینے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ یہ دونوں مفعول اس بنیاد پر کہ یہ مبتدا و خبر بننے کی اہلیت رکھتے ہیں ان کی حیثیت مستقل کلام کی ہے اور افعال قلوب کا جہاں تک معاملہ ہے باعتبار عمل ان میں ضعف ہوتا ہے تو ان کے دو مفعولوں کے بیچ میں آنے یا اُن سے موخر ہونے کی صورت میں یہ درست ہے کہ اپنے ضعف کے باعث یہ عمل نہ کریں اسلئے کہ اگرچہ فی ذاتہ قوت عمل پائی جاتی ہے مگر عارض کے باعث قوت عمل کمزور پڑ گئی تو ان کا عمل کرنا بھی درست ہوگا اور نہ کرنا بھی۔ البتہ محض اتنا فرق ہے کہ ان کے دو مفعولوں کے بیچ میں آجانے یا مؤخر ہونے کی شکل میں اولیٰ و بہتر یہ ہے کہ ان کا عمل باطل و کالعدم قرار دیا جائے بعض کے نزدیک دونوں صورتیں یکساں ہیں۔

ومنہا انہا تعلق اذا وقعت قبل الاستفہام۔ الخ فرماتے ہیں کہ افعال قلوب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت

یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی استفہام یا نفی یا لام ابتداء سے پہلے آئے تو وہ معلق ہو جایا کرتا ہے یعنی لفظوں میں اس کے عمل کا باطل و کالعدم ہونا ناگزیر ہوتا ہے البتہ معنوی اعتبار سے برقرار رہتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے "علمتُ ازیدٌ عندک ام عمروٌ" ان ذکر کردہ تینوں شکلوں میں معلق ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان تینوں کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ انھیں صدارت کلام میسر ہو اور بوقتِ عمل صدارتِ افعال سے ان کی صدارت باطل و کالعدم ہو جاتی ہے۔ پس اس طرح یہ افعال باعتبار الفاظ باطل و کالعدم ہو جاتے ہیں۔ اور فقط معنوی لحاظ سے عامل برقرار رہتے ہیں۔

قبل الاستفہام سے مقصود عموم ہے چاہے یہ استفہام بذریعہ حرف استفہام ہو جیسے اوپر مثال بیان کی گئی اور چاہے استفہام ایسے اسم کے ذریعہ ہو جس میں ہمزۂ استفہام کے معنی موجود ہوں۔

ومنہا انہا یجوز ان یکون فاعلہا الخ افعال قلوب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں کہ فاعل و مفعول کی دو متصل ضمیروں کا ایک ہی چیز مثلاً محض غائب یا مخاطب یا فقط متکلم کے واسطے ہونا درست ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "علمتنی منطلقا" اس مثال میں فاعل و مفعول جو متکلم کی خبریں ہیں یہ صرف متکلم کی جانب راجع ہیں اور اس طرح ایک چیز کے لئے دو ضمیروں کا اکٹھا ہونا دیگر افعال میں درست نہیں۔ لہٰذا اگر مثلاً کوئی "ضربتنی" کہے تو یہ درست نہیں بلکہ ایسی شکل میں نفس کرتے ہوئے "ضربت نفسی" کہا جائے گا۔ رہی یہ بات کہ افعال قلوب ہی میں یہ صورت کیوں درست ہے تو اس کا اصل سبب یہ ہے کہ درااصل ان کا مفعول ثانی ہوتا ہے مفعول اول کی حیثیت محض مفعول دوم کی تمہید کی ہوا کرتی ہے لہٰذا اگر افعالِ قلوب میں فاعل اور مفعولِ اول کے بیچ ایک چیز کے لئے محض ایک ضمیر ہونے کی صورت میں اتحاد کا وقوع نہیں ہوتا اور ان کے برعکس دیگر افعال میں فاعل و مفعول کے بیچ میں اتحاد کا لزوم ہوتا ہے تو وہاں بطور فصل لفظ نفس وغیرہ لے آتے ہیں۔

واعلم انہ قد یکون الخ خلاصہ یہ کہ افعال قلوب کے اور معانی بھی ہیں اور اسی بنا پر وہ بجانب یک مفعول متعدی ہوا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر "ظننتُ" کہ "اتہمتُ" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور اسی طریقہ سے "علمتُ" بمعنیٰ "عرفتُ" متعدی بجانب یک مفعول ہوا کرتا ہے۔ یہ ارشاد ربانی اسی سے ہے "ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت" (الآیۃ) اسی طریقہ سے "رأیت" بمعنی "ابصرت" آیا کرتا ہے۔ اور ایسے ہی "وجدت" بمعنیٰ "اصبت" استعمال ہوتا ہے اور متعدی بجانب یک مفعول ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ یہ افعالِ قلوب جب ان ذکر کردہ معنی میں آتے ہیں تو وہ مفعول کو نصب دیتے ہیں۔

فصل الافعالُ الناقصۃُ ہِیَ افعالٌ وُضِعَتْ لتقریر الفاعِلِ علٰی صفۃٍ غیر صفۃِ مصدرِہا وہی کان وصار وظل وبات الٰی اٰخرہا تدخل علی الجملۃ الاسمیۃ لافادۃ نسبتہا حکمَ مَعْنَاہَا فترفعُ الاولَ وتنصِبُ الثانی فتقول کَانَ زیدٌ قائمًا وکان علٰی ثلٰثۃِ اقسامٍ ناقصۃ وہی تَدُلّ علٰی ثبوتِ خبرِہَا لفاعِلِہا فی الماضی امّا دائمًا

نحو كَانَ اللهُ عَلِيمًا حَكِيمًا اومنقطعًا نحو كَانَ زيدٌ شَابًّا وتامة بمعنى ثبت وحَصَلَ نحو كَانَ القِتَالُ اى حَصَلَ القتال وزائدة لايتغير باسقاطها معنى الجملة كقول الشاعر۔ **شعر**

جِيَادُ ابنِي ابى بَكرٍ تَسَامَى ؛ على كَانَ المسَوَّمَةِ العِرَابِ

اى على المسومة وصار للانتقالِ نحوصار زيدٌ غَنِيًا واصبحَ وامسىٰ واضحىٰ تدل على اقتران مَضمُونِ الجملة بتلك الاوقات نحو اَصْبَحَ زيدٌ ذاكِرًا اى كان ذاكرا فى وقت الصبح وبمعنى صار نحو اَصبحَ زيدٌ غَنِيًّا وتامةٌ بمعنى دَخَلَ فى الصَّبَاحِ والضحى والمسا وظَلَّ وبَاتَ يدُلّانِ على اقتران مضمُونِ الجُمْلَةِ بوقتيهما نحو ظَلَّ زيدٌ كاتبًا وبمعنى صار ومازالَ ومافتئ ومابَرِحَ ومَا انفَكَّ تَدُلُّ على استمرارِ ثبوت خبرها لفاعِلها مذ قَبِلَهُ نحومازالَ زيدٌ اَميرًا ويلزمُها حرف النفى ومادامَ يدلُّ على توقيتِ اَمرٍ بمدةِ ثبوتِ خبرها لفاعِلها نحو اَقُومُ مادَامَ الامِيرُ جالسًا وليسَ يدل على نفى معنى الجملةِ حالًا وقيل مطلقًا وقد عرفت بقية احكامها فى القسم الاوّل فلانعيدُها۔

ترجمہ:۔ یہ فصل ہے افعال ناقصہ کے بیان میں۔ افعال ناقصہ وہ افعال کہلاتے ہیں کہ جس کی وضع صفت مصدر کے علاوہ کسی اور صفت سے فاعل کو ثابت کرنے کے لئے ہوئی ہو۔ افعال ناقصہ یہ ہیں۔ کان۔ صار۔ ظل۔ بات۔ ان کے آخر افعال تک۔ یہ افعال جملہ اسمیہ پر آتے ہیں تاکہ اپنے معنیٰ کا اثر و حکم خبر کو دے سکیں۔ تو یہ اول (یعنی مبتدا) کو مرفوع کرتے اور ثانی (یعنی خبر) کو منصوب تو کہوگے "کان زیدٌ قائماً" اور کان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ناقصہ۔ یہ بزمانہ ماضی خبر برائے فاعل ثابت ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ یا تو دائمی طور پر مثلاً "کان اللہ علیماً حکیماً" یا بطور منقطع مثلاً "کان زیدٌ شاباً" (زید کبھی جوان تھا) اور تامہ بمعنی ثبت اور حصل ہے مثلاً "کان القتال" اے "حصل القتال" اور زائدہ کے گرانے سے جملہ کے معنی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی مثلاً شاعر کا شعر

جِیَادُ ابنی ابی بکر تسامیٰ ؛ علیٰ کان المسومۃ العراب

(میرے بیٹے ابوبکر کے عمدہ گھوڑے۔ نشان زدہ خالص عربی گھوڑوں سے ممتاز ہیں)

اے علی المسومۃ (نشان لگائے ہوئے گھوڑوں پر)

اور صار ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کے واسطے آتا ہے مثلاً "صار زیدٌ غنیاً" اور

اصبح اور امسیٰ اور اضحیٰ یہ ان اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً "اصبح زیدٌ ذاکراً" (یعنی زید بوقت صبح ذاکر ہوا) اور بمعنیٰ صار مثلاً "اصبح زیدٌ غنیاً" (زید مالدار ہوا) اور تامہ بمعنی دخل فی الصباح والضحی والمساء، (داخل ہوا بوقتِ صبح اور بوقت چاشت اور بوقت شام) اور ظلّ اور بات دونوں مضمونِ جملہ کے دونوں وقتوں (دن ورات) میں اقتران کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً "ظلّ زیدٌ کاتباً" (زید دن میں کاتب ہوا، یا رات میں کاتب ہوا) اور ما زال، ما فتئ، ما برح، ما انفک یہ فاعل کے لئے استمرارِ ثبوتِ خبر کی نشاندہی کرتے ہیں، اسوقت سے جب سے فاعل یہ خبر قبول کرچکا ہو مثلاً "ما زال زیدٌ امیراً" (زید مسلسل امیر رہا) اور اس کے واسطے حرفِ نفی لازم ہوتا ہے۔

اور مادام کسی امر کو اس مدت تک موقت کرنے کے لئے آتا ہے جو مدت کہ برائے فاعل ثبوت خبر کی ہوتی ہے مثلاً "اقومُ مادام الامیرُ جالساً" (جب تک امیر بیٹھا ہوا ہے میں کھڑا رہوں گا)

اور لیس بلحاظ زمانۂ حال معنیٔ جملہ کی نفی کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ مطلقاً ہر زمانہ میں معنیٔ جملہ کی نشاندہی کیا کرتا ہے۔ اور اس کے باقی احکام قسم اول (بحث اسم) میں تم جان چکے ہو تو ہم انھیں اب نہیں دہراتے۔

تشریح الافعال الناقصۃ ہی افعال الخ فرماتے ہیں کہ ان افعال کو ناقصہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ دوسرے افعال کی مانند ان میں فاعل پر کلام کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ اس کی احتیاج ہوتی ہے کہ ان کی خبر لائی جائے۔

وُضعت لتقریر الفاعل الخ ان افعال کی وضع اس واسطے ہوتی ہے کہ فاعل کا ارتباط ان فعلوں کے مصدروں کی متغائر صفتوں کے ساتھ ہو سکے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "کان زیدٌ قائماً" تو اس جگہ کان اسلئے آیا تاکہ قیام کا ارتباط زید کے ساتھ کرسکے۔

تدخل علی الجملۃ الاسمیۃ۔ فرماتے ہیں کہ افعال ناقصہ جملہ اسمیہ پر اسلئے آتے ہیں کہ یہ اپنے معنیٰ کا حکم داثر خبر تک پہنچا سکیں۔ مثال کے طور پر کہا جائے "کان زیدٌ قائماً" اس مثال میں کان جو فعل ناقص ہے جملہ اسمیہ پر آرہا ہے اور اس کے آنے کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے معنیٰ کے حکم داثر کو خبر یعنی قیام تک پہنچا سکے۔

فترفع الاول وتنصب الثانی الخ افعال ناقصہ جملہ اسمیہ پر آتے ہیں تو پہلے جزء کو مرفوع کر دیتے ہیں اور دوسرے جزء کو منصوب۔ مثال کے طور پر "کان زیدٌ قائماً" میں کان کی حیثیت تو عامل کی ہے اور کان کے باعث زید پر رفع آیا ہے اور قائماً پر نصب۔

وکان علیٰ ثلٰثۃ اقسام۔ فرماتے ہیں لفظ کان میں تفصیل اس طرح ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) کان ناقصہ (۲) کان تامہ (۳) کان زائدہ۔ پھر کان ناقصہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک کان ایسا ہے کہ وہ بزمانۂ ماضی خبر برائے اسم ثابت کیا کرتا ہے اس سے قطع نظر کہ یہ ثابت ہونا بزمانۂ ماضی اور غیر زمانۂ ماضی میں دائمی طور پر ہو مثلاً

"کان اللہ علیماً حکیماً" یا یہ دائمی نہ ہو بلکہ منقطع ہو مثال کے طور پر "کان زیدٌ شاباً"

وتامة بمعنی ثبت وحصل۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کان تامہ ہوا کرتا ہے اور تامہ ہونے کے وقت اس کے معنی "ثبت" اور "حصل" کے ہوتے ہیں۔ کان تامہ کی تکمیل فاعل پر ہو جاتی ہے اور اسے خبر کی احتیاج نہیں ہوتی مثلاً "کان القتال" والے حصل القتال۔ یعنی اس جگہ کان بمعنی حصل آیا ہے۔

وزائدة لایتغیر الخ اور کان کی قسم سوم زائدہ ہے۔ کان بعض اوقات زائدہ ہوا کرتا ہے۔ کان زائدہ ایسے وقت ہوتا ہے کہ اگر اسے عبارت میں نہ بھی رکھا جائے تو اس کی وجہ سے معنی میں کسی طرح کا نقص واقع نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات کان باعتبار الفاظ بھی زائدہ ہوتا ہے اور بلحاظ معنی بھی۔ اور بعض اوقات محض بلحاظِ الفاظ زائد ہوا کرتا ہے۔

وصار للانتقال الخ یعنی صار کا استعمال ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کے لئے آتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "صار زیدٌ غنیاً"، کہ اس میں صفتِ غربت ختم ہو کر صفت غنا و مالداری آگئی۔ یا ایک حقیقت کی جگہ دوسری حقیقت۔ پہلے مثال کے طور پر کہا جائے "صار الماء ثلجاً"، (پانی برف بن گیا)

واصبح وامسی واضحی تدل الخ۔ ان تینوں کا استعمال مضمونِ جملہ کے اوقات کے ساتھ اقتران کے واسطے ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "اصبح زیدٌ ذاکراً"، (یعنی زید نے صبح کے وقت ذکر کیا)

وبمعنی صار۔ بعض اوقات یہ تینوں فعل بمعنی صار آتے ہیں اور اس موقعہ پر لحاظِ اوقات ان کے معنی میں ملحوظ نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جائے "اصبح زیدٌ غنیاً" (زید غنی ہو گیا)

اور بعض اوقات یہ تینوں تامہ ہوا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جائے "اصبح زیدٌ" ایسے موقعہ پر انھیں خبر کی احتیاج نہ ہوگی۔

وظل وبات یدلان الخ یعنی افعال ناقصہ میں سے ان دو کا استعمال مضمون جملہ کو وقت کے ساتھ مربوط کرنے کی خاطر ہوتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "ظلّ زیدٌ کاتباً"، یعنی زید دن بھر لکھتا رہا۔ یہ دونوں فعل بمعنی صار ہوا کرتے ہیں مثلاً "ظلّ زیدٌ عالماً"، یعنی صار زید عالماً۔

ومازال ومابرح الخ یعنی مازال، مافتیٔ، مابرح اور ماانفک کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی خبروں کا برائے فاعل استمرار ثابت کرنے کی خاطر آتے ہیں مگر یہ علی الاطلاق نہیں بلکہ صرف ایسی صورت میں جبکہ ان کے فاعل خبر قبول بھی کریں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "مازال زیدٌ امیراً"، یعنی جس وقت سے زید نے امارت قبول کی۔ اسوقت سے امیر ہونے کی صفت زید میں دائمی طور پر موجود ہے۔

اس جگہ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ ذکر کردہ افعال کے استمرار کی نشاندہی کرنے کا اصل سبب کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ ان افعال کا جہاں تک تعلق ہے ان میں معنیٰ نفی موجود ہیں پھر ان پر مائے نافیہ آتا ہے تو نفی کی نفی سے معنیٰ استمرار و ثبات بن جاتے ہیں جو کہ حسب قاعدہ ہے۔

ویلزمہا حرف النفی فرماتے ہیں کہ ان ذکر کردہ افعال کے ذریعہ استمرار و دوام کے قصد کی صورت میں نفی کا لزوم

ہوگا، اس سے قطع نظر کہ یہ نفی الفاظ میں ہو یا معناً ہو۔

وما دام یدل علیٰ توقیت امر الخ افعال ناقصہ میں سے فعل ناقص مادام امر کو ایسی مدت کے ساتھ مؤقت کرنے کی خاطر آیا کرتا ہے جس میں خبر برائے فاعل ثابت ہو رہی ہو مثلاً "اقوم مادام الامیر جالساً" یعنی تا وقتیکہ امیر بیٹھا رہے میں کھڑا رہونگا۔ تو ذکر کردہ مثال میں متکلم کے کھڑے ہونے کو امیر کے بیٹھنے کی مدت تک موقت کیا گیا۔

ولیس یدل الخ یہاں لیس کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ بزمانۂ حال مضمون جملہ کی نفی کی خاطر آیا کرتا ہے بعض کے نزدیک زمانۂ حال کی قید کے بغیر مطلقاً مضمون جملہ کی نفی کی خاطر آیا کرتا ہے۔

فصل افعالُ المقاربۃِ ھی افعالٌ وُضِعَتْ للدّلالۃِ علیٰ دُنُوِّ الخبرِ لفاعِلِھا وھی ثلٰثۃُ اقسامٍ **الاول** للرّجاءِ وھو عسٰی وھو فعلٌ جامِدٌ لایستعمَلُ منہ غیرُ الماضی وھو فی العمل مثل کادَ اِلّا اَنّ خبَرَہٗ فِعلٌ مضارعٌ مَعَ اَنْ نحو عسٰی زیدٌ اَنْ یَّقُوْمَ ویجوز تقدیمُ الخبرِ علیٰ اسمِہٖ نحو عسٰی ان یقُومَ زیدٌ وقد یحذف اَنْ نحو عسٰی زیدٌ یقُومُ **والثانی** للحُصُول وھو کادَ خبرُہٗ مضارعٌ دُون ان نحو کاد زیدٌ یَقُوْمُ وقد تدخل اَن نحو کادَ زیدٌ اَنْ یَّقُوْمَ **والثالث** للاخذ والشروعِ فی الفعلِ وھُوَ طَفِقَ وجَعَلَ وکَرَبَ واَخَذَ واستعمالُھا مثل کاد نحو طفِقَ زیدٌ یکتُبُ واوشَکَ واستِعمالُھا مثل عسٰی وکاد۔

ترجمہ:۔ یہ فصل افعال مقاربہ کے بیان میں ہے۔ افعال مقاربہ وہ افعال کہلاتے ہیں جنھیں اس لئے وضع کیا گیا کہ وہ فاعل سے خبر کے قریب ہونے کی نشاندہی کریں۔ یہ تین قسموں پر مشتمل ہیں (۱) قسم اول وہ افعال جو برائے رجاء و امید آتے ہیں اور وہ ایسا جامد فعل کہلاتا ہے کہ وہ ماضی کے علاوہ کہیں استعمال نہ کیا جاتا ہو۔ اور وہ باعتبار عمل کاد کی طرح ہوتا ہے۔ البتہ (فرق یہ ہے کہ) اس کی خبر فعل مضارع اَنْ کے ساتھ آتی ہے مثلاً "عسیٰ زید ان یقوم" (توقع ہے کہ زید کھڑا ہو جائے) اور اس کی خبر کا اس کے اسم سے پہلے لانا درست ہے مثلاً "عسیٰ ان یقومَ زیدٌ" اور بعض اوقات اَنْ حذف کر دیا جاتا ہے مثلاً "عسیٰ زیدٌ یقوم"۔

(۲) دوسرے وہ فعل جو برائے حصول آتا ہے اور وہ فعل کادَ ہے۔ اور اس کی خبر مضارع اَنْ کے بغیر آتی ہے مثلاً "کاد زیدٌ یقومُ"۔ اور بعض اوقات اَنْ کا استعمال ہوتا ہے مثلاً "کاد زیدٌ ان یقومَ"

(۳) اور افعال سوم برائے اخذ و آغاز فعل آتے ہیں اور وہ فعل طفق، جعل، کرب اور اخذ ہیں ان کا استعمال کادَ کی طرح ہوتا ہے مثلاً طفق زیدٌ یکتبُ۔ اور (تیسری قسم میں) ایک فعل اوشک ہے

اس کا استعمال عسیٰ اور کاد کی طرح ہوتا ہے ۔

تشریح افعال المقاربۃ ۔ افعال مقاربہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ کیونکہ خبر کے اقتضاء کے اعتبار سے افعال ناقصہ کے مطابق ہوتا ہے اسلئے صاحب کتاب نے انہیں افعال ناقصہ کے بعد بیان فرمایا ۔ بعض حضرات کے نزدیک افعال مقاربہ دراصل افعال ناقصہ ہی شمار ہوتے ہیں اسلئے کہ مرفوع پر ان کا اتمام نہیں ہوتا ۔ لیکن کیونکہ کچھ خاص احکام بھی ہیں اس واسطے انہیں الگ بیان فرمایا ۔

ہی افعال وضعت للدلالۃ ۔ فرماتے ہیں کہ افعال مقاربہ کی وضع دراصل خبر کو فاعل سے قریب کر دینے کی خاطر کی گئی ہے اس سے قطع نظر کہ خبر کا فاعل سے قریب کر دینا رجاء و توقع کے لحاظ سے ہو یا بلحاظ اخذ دحصول کے ۔

الاول للرجاء ۔ اول افعال مقاربہ میں سے وہ فعل بیان کر رہے ہیں جس کا استعمال بطور رجاء دامید ہوا کرتا ہے یعنی بلحاظ توقع وامید خبر کو فاعل سے قریب کرنے کی خاطر استعمال ہوتا ہے ۔ توان افعال میں سے ایسا فعل عسیٰ ہے مثال کے طور پر کہتے ہیں " عسیٰ زید ان یقوم " یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ عسیٰ کا جہاں تک تعلق ہے وہ غیر منصرف ہے اور بجز ماضی اور کوئی بھی صیغہ اس سے نہیں آیا کرتا ۔ عسیٰ کے استعمال کے دو طریقے ہیں ۔ ایک تو اس طرح کہنا " عسیٰ زید ان یقوم " اس شکل میں فاعل عسیٰ اسم صریح ہوگا اور عسیٰ کی خبر فعل مضارع مع اَنْ ہوگی ۔ اور دوسری صورت استعمال کی اس طرح ہے " عسیٰ ان یقوم زیدٌ " اس صورت میں عسیٰ تامہ ہوگا ۔

خلاصہ یہ کہ عسیٰ ان دو طریقوں سے استعمال ہوا کرتا ہے ۔ البتہ استعمال کی پہلی شکل میں بعض اوقات اَنْ مصدریہ فعل مضارع سے حذف کر دیتے ہیں مثلاً " عسیٰ زیدٌ یقوم " ۔

والثانی للحصول وہو کاد الخ فرماتے ہیں کہ افعال مقاربہ کی قسم ثانی برائے حصول ہے یعنی اس کے ذریعہ اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حصول خبر برائے فاعل یقیناً ہوگا ۔ اس معنیٰ کی خاطر فعل کاد آیا کرتا ہے ۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " کاد زید یقوم " (زید کے لئے کھڑا ہونا یقینی ہے) تو ذکر کردہ مثال میں زید فاعل کاد ، اور یقوم جو کہ فعل مضارع ہے اس کی خبر واقع ہوا ہے اور فرماتے ہیں کہ بعض اوقات خبر کاد پر اَنْ مصدریہ آتا ہے کیونکہ کاد مشابہ عسیٰ ہے لہٰذا خبر کاد میں بھی عسیٰ کی مانند اَنْ مصدریہ آئے گا ۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " کاد زید اَنْ یقوم " ۔

والثالث للاخذ الخ یہاں فرماتے ہیں کہ افعال مقاربہ کی قسم سوم یہ ہے کہ ان سے برائے فاعل خبر کے باعتبار اخذ و آغاز قریب ہونے کا پتہ چلتا ہے ۔ یہ افعال طفق ، جعل ، کرب اور اخذ ہیں اور یہ استعمال میں کاد کی طرح ہیں مثلاً " طفق زیدٌ یکتب " اور ایک فعل اوشک بھی آتا ہے ۔ یہ استعمال میں عسیٰ اور کاد کی طرح ہوتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " اوشک زیدٌ ان یقوم " اور " اوشک ان یقوم زیدٌ " ۔ اور بعض اوقات کاد کی مانند یہ بھی ان کے بغیر استعمال ہوا کرتا ہے ۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " اوشک زیدٌ یقوم " ۔

فصل فعلا التعجبِ ما وُضِع لانشاءِ التعجّبِ ولہ صیغتانِ ما افعلَہٗ نحو مَا اَحْسَنَ زیدًا ای ایُّ شیءٍ اَحْسَنَ زیدًا وفی اَحسن ضمیر وھُوفاعلہٗ واَفْعِلْ بِہٖ نحو اَحْسِنْ بِزَیدٍ ولایُبْنَیان الامِمَّا یُبنیٰ منہ افعلُ التفعیل ویُتوصّلُ فی الممتنع بمثلِ مَا اَشَدَّ استخراجًا فی الاولِ واَشْدِدْ باستخراجِہٖ فی الثانی کما عرفتَ فی اسم التفضیل ولا یجوزُ التصرّفُ فیھما بتقدیم ولا تاخیر ولا فصل۔ والمازنیؒ اجازا لفصلَ بالظرفِ نحو ما اَحْسَنَ الیومَ زیدًا۔

ترجمہ:- یہ فصل افعال تعجب کے بیان میں ہے۔ افعال تعجب دو ہیں۔ یہ ایسے فعل کہلاتے ہیں جن کی وضع اظہار تعجب کے لئے ہوئی ہو۔ یہ دو صیغے ہیں (۱) ما افعلہ مثلاً " ما احسن زیدًا" اے ای شیءٍ احسن زیدًا" یعنی کس چیز نے زید کو خوبصورتی عطا کی) اور احسن میں موجود ضمیر احسن کا فاعل ہے (۲) افعل بہ۔ مثلاً "احسن بزیدٍ" اور یہ دو صیغے اسی سے بنائے جاتے ہیں جس سے کہ افعل التفضیل بنایا جاتا ہے۔ اور جس سے ان کا بنانا بھی ممنوع ہے ما اشد استخراجًا کے مانند اول کے اندر اور اشدد باستخراجہ کے مانند ثانی کے اندر بنانے کے جواز کی دلیل دیتے ہیں جیسا کہ آپ کو اسم تفضیل کے بیان میں معلوم ہو چکا۔ اور ان میں تصرف تقدیم و تاخیر اور فصل کی صورت میں جائز نہیں۔ اور المازنی کے نزدیک فصل ظرف کے ساتھ جائز ہے مثلاً " ما احسن الیوم زیدًا۔"

تشریح فعلا التعجب ما وضع لانشاء التعجب الخ یعنی برائے تعجب دو فعل آتے ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ تعریف برائے جنس ہے تو موزوں یہ ہے کہ " فعل التعجب " کہا جائے۔ اور کثرتِ افراد کا اظہار مقصود ہے تو اس شکل میں موزوں یہ ہے کہ صیغۂ جمع لایا جائے۔ تثنیہ لانا اس بناء پر ہے کہ تعجب کے دو ہی صیغے آتے ہیں ایک " ما افعلہٗ " اور دوسرا " افعل بہٖ " یہ دونوں ہی صیغے اس طرح کے ہیں کہ ان میں تصریف کا نفاذ نہیں ہوتا حتیٰ کہ مضارع اور مجہول میں سے کوئی بھی ان سے نہیں آتا۔ تعجب اس حالت کی واقفیت کے بعد اثر کا نام ہے جو کسی چیز سے آگاہی کے بعد ہوا کرتی ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں فعل تعجب وہ کہلاتا ہے جس کی تخلیق ہی تعجب کے اظہار کے لئے ہوئی ہو مثال " ما احسن زیدًا " میں علامہ سیبویہ تو یہ فرماتے ہیں کہ ما دراصل مبتدا نکرہ چیز کے معنی میں ہے اور ما کے مابعد کو وہ خبر قرار دیتے ہیں۔ اور دوسرے نحوی اخفش اس ما کو موصولہ قرار دیتے ہیں اور اس کے مابعد کو صلہ۔ پھر صلہ موصول ملکر مبتدا واقع ہوئے ہیں اور " شیٔ عظیم " جو کہ خبر ہے وہ حذف کر دی گئی۔ تو علامہ سیبویہ تو " ما احسن زیدًا " " شیٔ احسن زیدًا " کے معنی میں قرار دیتے ہیں اور اخفش " الذی احسن زیدًا شیٔ عظیم " کے معنی میں شمار کرتے ہیں۔ رہی دوسری مثال " احسن بزید " تو اس کے اندر علامہ سیبویہ فرماتے ہیں کہ " بزید " تو فاعل واقع ہوا ہے لہٰذا اس صورت میں " احسن " صیغۂ امر ہونے کے

باوجود بمعنی حسن ہوگا ۔ اور" بزید" کی بآر جر دینے والی اور زائدہ اور اس کا فاعل شمار ہوگی ۔ رہا ہمزہ تو اسے صیرورت کا قرار دیں گے ۔

ولا یبنیان الا مابنی منہ الخ فرماتے ہیں کہ فعل تعجب کے صیغے بھی اسی شے سے بنائے جایا کرتے ہیں جس سے کہ افعل التفضیل بناتے ہیں یعنی ایسا ثلاثی مجرد کہ اس میں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں ۔ افعل التفضیل اور افعال تعجب میں اس مشارکت کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا استعمال برائے مبالغہ ہوتا ہے علاوہ ازیں واضح رہے کہ فعل تعجب اس سے کبھی نہیں آیا کرتا جو کمی بیشی کو قبول نہ کرے اور یہ کہ صیغہ تعجب برائے فاعل آیا کرتا ہے برائے مفعول نہیں ۔ ٹھیک اس طرح جیسے صیغہ افعل التفضیل برائے فاعل آیا کرتا ہے لہٰذا اگر کہیں برائے مفعول آیا ہو تو وہ شاذ اور کالعدم کے درجہ میں ہے ۔

اگر یہاں کوئی یہ اشکال کرے کہ جس شے سے فعل تعجب کی وضع ممنوع ہے اس شے سے فعل تعجب کس طرح بنایا جائیگا اور اس کے جائز ہونے کی کیا شکل ہوگی ۔

صاحب کتاب اس کا جواب " ویتوصل " کے ذریعے دے رہے ہیں کہ ایسے موقعہ پر شدت یا حسن وغیرہ سے ان صیغوں کی وضع اس طرح ہوگی کہ ایسا مصدر جس کے فعل سے تعجب کے صیغہ کا بنانا ممنوع ہو اسے اس کے بعد بیان کریں گے مثال کے طور پر " استخراج " جو ثلاثی مجرد کے علاوہ سے ہے اس سے تعجب کے صیغے بنانے کی یہ صورت ہوگی کہ " ما اشد استخراجا " اور " اشدد باستخراج " کہا جائیگا ۔

ولا یجوز التصرف فیہما الخ واضح رہے کہ فعل تعجب کے صیغوں میں یہ درست نہیں کہ از روئے تقدیم و تاخیر تصرف ہو حتی کہ مفعول بہ اور جار مجرور کو بھی ان سے پہلے نہیں لائیں گے اور ان سے مقدم نہیں کریں گے ۔ لہٰذا یہ صحیح نہ ہوگا کہ " مازیدا احسن " اور " بزید احسن " کہا جائے ۔ اسی طریقے سے یہ بھی درست نہ ہوگا کہ فعل تعجب کے معمول اور خود اس فعل کے بیچ میں کوئی فصل واقع ہو ۔ البتہ المازنی کی رائے الگ ہے ۔ ان کے نزدیک یہ درست ہے کہ فعل تعجب کے معمول اور خود اس فعل کے بیچ میں ظرف کے ساتھ فصل واقع ہو ۔ وجہ یہ ہے کہ ظرف اس وسعت کی حامل ہے جو ظرف کے علاوہ میں نہیں پایا جاتا ۔ بس " ما احسن الیوم زیدا " کہنا درست ہوگا ۔

فصل افعالُ المدح والذم ما وُضِع لِانشاءِ مدحٍ او ذمٍّ ۔ امّا المدح فله فِعلان نِعْمَ وفاعِلُهٗ اسمٌ مُعَرَّفٌ باللام نحو نِعْمَ الرجُلُ زیدٌ او مضافٌ الی المعرف باللام نحو نعْمَ غلامُ الرَّجُلِ زیدٌ وقد یکونُ فاعلُهٗ مُضْمَرًا ویجبُ تمییزُهٗ بنکرةٍ منصوبةٍ نحو نِعْمَ رجلًا زیدٌ او بما نحو قوله تعالیٰ فَنِعِمَّا هِیَ ای نِعْمَ شیئًا هی وزیدٌ یُسمّی المخصوصَ بالمدح وحبذا نحو حَبَّذا زیدٌ حَبَّ فعلُ المدح وفاعلُهٗ ذا والمخصوصُ بالمدح زیدٌ ویجوزُ ان یقعَ قبل المخصوص او بعدَهٗ تمییزٌ نحو حَبَّذا رجلًا زیدٌ و

حبّذا زیدٌ رجلًا او حالٌ نحو حَبَّذا راکبًا زیدٌ وحَبّذَ ا زیدٌ راکبًا واما الذم فله فعلان ایضًا بئسَ نحو بئسَ الرجلُ عمرٌو وبئسَ غلام الرجُلِ عمرٌو وبئسَ رجلًا عمرٌو وساء نحو سَآءَ الرجلُ زیدٌ وسَآءَ غلامُ الرجُل زیدٌ وسَآءَ رجلًا زیدٌ وساء مثل بئس فی سائر الاقسامِ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل افعالِ مدح وذم کے بیان میں ہے۔ افعال مدح و ذم وہ کہلاتے ہیں جن کی وضع اظہارِ مدح (تعریف) وذم (برائی) کی خاطر ہوئی ہو۔ پھر برائے مدح دو فعل آتے ہیں۔

(۱) نِعْمَ۔ اس کا فاعل ایسا اسم ہوتا ہے جو معرف باللام ہو مثلاً "نعم الرجلُ زیدٌ" یا معرف باللام کی جانب مضاف ہو مثلاً "نعمَ غلام الرجل زیدٌ" اور بعض اوقات اس کا فاعل ضمیر مستتر ہوتی ہے اور اس کی تمیز منصوب نکرہ لانا ضروری ہے مثلاً نعم رجلاً زیدٌ۔ یا اس کی تمیز مَا کے ساتھ آتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَنِعِمَّا ہِیَ" اے نعم شیئًا ہی۔ (یعنی وہ شے خوب ہے) اور (اوپر ذکر کردہ مثال میں) زید مدح کیساتھ خاص کہلائے گا۔

اور دوسرا فعل مدح "حَبَّذَا" ہے مثلاً "حبذا زید" (اس میں) حب تو مدح کا فعل ہے اور ذَا اس کا فاعل واقع ہوا ہے اور مخصوص بالمدح زید ہے۔ اور یہ درست ہے کہ مخصوص بالمدح سے قبل یا مخصوص بالمدح کے بعد تمیز واقع ہو مثلاً "حبذا رجلاً زیدٌ" وحبذا زیدٌ رجلاً" یا حال واقع ہو مثلاً حبذا راکبًا زیدٌ وحبذا زیدٌ راکبًا اور ذم کے لئے بھی دو فعل آتے ہیں۔ (۱) بئس۔ مثلاً "بئس الرجل عمرو" وبئس غلام الرجل عمرو" و بئس رجلاً عمرو" (۲) ساء۔ مثلاً "ساء الرجل زیدٌ" وساء غلام الرجل زیدٌ" وساء رجلاً زیدٌ۔ اور ساء، ساری قسموں میں بئس کی طرح ہے۔

تشریح:۔ افعال المدح والذم۔ صاحب کتاب اس جگہ افعال مدح و ذم کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ افعال مدح وذم وہ ہیں جن کی دراصل وضع ہی مدح یا ذم کے اظہار کے لئے ہوتی ہے اور ان کا استعمال ہی مدح و ذم کے واسطے ہوا کرتا ہے۔

اما المدح فلہ فعلان۔ کہتے ہیں کہ افعال مدح (صرف) دو فعل ہیں ان میں سے ایک نِعْمَ ہے اور دوسرا فعل حَبَّذَا فاعل نعم میں یہ شرط قرار دیگئی کہ یا تو وہ ایسا اسم ہوگا جو لام کے ساتھ معرفہ ہو مثلاً کہا جائے "نعم الرجل زیدٌ"۔ یا یہ کہ معرف کے لام کی جانب اس کی اضافت ہو مثلاً کہا جائے "غلام الرجل زیدٌ" اور فرماتے ہیں کہ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر واقع ہوتی ہے اور اس صورت میں اس کی تمیز نکرہ منصوبہ لانی واجب ہوگی مثلاً "نعم رجلاً زیدٌ" اور یا تمیز لفظ مَا کے ساتھ آئے گی مثلاً "فنعما ہِیَ" اس سے مراد ہے "نعم شیئًا ہِیَ"، (وہ چیز کیا ہی خوب ہے)

اس مثال میں ما بمعنی شے نکرہ واقع ہوا ہے اور تمیز کے باعث محل کے لحاظ سے اس پر نصب آیا ہے۔

وزید یسمیٰ المخصوص بالمدح۔ یعنی ذکر کردہ مثال میں زید مدح کے ساتھ مخصوص شمار ہوگا۔ بلحاظ ترکیب مخصوص بالمدح کی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ وہ مبتدا واقع ہو رہا ہو اور اس کا ماقبل جملہ بنا کر اسکی خبر واقع ہو۔

اس جگہ اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ مبتدا کی خبر کے جملہ واقع ہونے کی صورت میں اس کے اندر کوئی عائد بھی ہونا چاہیئے تھا جبکہ یہاں یہ نظر آتا ہے کہ کوئی ضمیر موجود نہیں جو بجانب مبتدا عائد (وراجع) بن سکے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ علۂ محض ضمیر ہی واقع ہو بلکہ ذکر کردہ مثال "نعم الرجل زیدٌ" میں عہد کا الف لام بھی عہد کا واقع ہوا ہے۔ واضح رہے کہ مخصوص کی ایک شرط یہ قرار دی گئی ہے کہ وہ مخصوص بالمدح مذکر و مونث اور تثنیہ اور جمع ہونے میں عین فاعل کے مطابق واقع ہو۔ مثال کے طور پر "نعم الرجل زیدٌ" اور اسی طرح "نعمۃ المرأۃ فاطمۃ" اور اسی طریقہ سے نعم الرجلان العمران "، "نعم الرجال العمرون"۔

وحبذا۔ افعال مدح میں سے دوسرا فعل حبذا ہے اس کی ترکیب حب و ذا سے کی گئی۔ حب تو فعل ہے اور ذا فاعل حب واقع ہوا ہے۔ یہ اس طرح کا فعل مدح کہ دائمی طور پر یکساں حال پر رہا کرتا ہے۔ از روئے تثنیہ و جمع تانیث و تذکیر اپنے مخصوص کے موافق نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً کہا جاتا ہے "حبذا الزیدان"، حبذا الزیدون، حبذا ہند" وغیرہ علاوہ ازیں حبذا کے اندر بعد ذا جو اسم ذکر کیا جائے گا وہ مدح کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور اس مدح کے ساتھ خاص کا اعراب بھی ٹھیک ایسا ہی ہوگا جیسا کہ نعم کے مخصوص بالمدح کا۔

ویجوز ان یقع قبل مخصوص۔ فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ حبذا سے قبل یا حبذا کے تمیز یا حال واقع ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے۔ حبذا رجلاً زیدٌ، و حبذا زیدٌ رجلاً۔ اور حال کی مثال "حبذا راکباً زیدٌ" و حبذا زیدٌ راکباً"۔

واما الذم فلہ فعلان الخ فرماتے ہیں کہ جس طرح مدح کے دو فعل آتے ہیں ٹھیک اسی طرح ذم کے دو فعل ہیں۔ ایک فعل بئس اور دوسرا فعل ساء۔ ان دونوں کا استعمال بھی نعم کی مانند ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "بئس الرجل عمرو" و "بئس غلام الرجل عمرو"، و" بئس رجلاً عمرو" اسی طرح "ساء الرجل زیدٌ" و" ساء غلام الرجل زیدٌ" و "ساء رجلاً زیدٌ"۔

القسمُ الثالثُ فی الحُروفِ وقد مضیٰ تعریفُہ واقسامُہ سبعۃَ عشرَ[۱۷] حروفُ[۱] الجرّ والحُروفُ[۲] المشبّھۃُ بالفعلِ وحُروفُ[۳] العطف وحُروفُ[۴] التنبیہ وحُروفُ[۵] النداءِ وحُروفُ[۶] الایجابِ وحُروفُ[۷] الزیادۃ وحرفا[۸] التفسیرِ وحروفُ[۹] المصدرِ وحروفُ[۱۰] التحضیضِ وحروفُ[۱۱] التوقّعِ وحرفا[۱۲] الاستفھامِ وحروفُ[۱۳] الشرطِ وحرفُ[۱۴] الردعِ وتاءُ[۱۵] التانیثِ الساکنۃُ والتنوینُ[۱۶] ونونا[۱۷] التاکید

ترجمہ:۔ قسم سوم حروف کے ذکر میں۔ حرف کی تعریف پہلے بیان ہوچکی یہ سترہ قسموں پر مشتمل ہے۔

(۱) حروفِ جر (۲) حروف مشبہ بالفعل (۳) حروف عطف (۴) حروفِ تنبیہ
(۵) حروفِ ندا (۶) حروف ایجاب (۷) حروف زیادۃ (۸) دو حرف تفسیر
(۹) حروفِ مصدر (۱۰) حروف تحضیض (۱۱) حروف توقع (۱۲) دو حرفِ استفہام
(۱۳) حروفِ شرط (۱۴) حروف ردع (۱۵) تائے تانیث ساکنہ
(۱۶) تنوین (۱۷) نون تاکید۔

تشریح حروف الجر الخ اس جگہ ایک اشکال یہ کیا گیا کہ ضابطہ کے مطابق حروف مشبہ بالفعل کو حروف جر سے قبل ذکر کرنا چاہیئے تھا کیونکہ یہ رفع ونصب کے عامل شمار ہوتے ہیں۔ اور حروف جر کا جہاں تک تعلق ہے وہ جر کے عامل قرار دیئے جاتے ہیں اور حسب ضابطہ مرفوع ومنصوب مجرور سے پہلے ہوا کرتے ہیں تو یہاں اول حروف جر کو بیان کرنا مقررہ قاعدہ کے خلاف ہوا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ صاحب کتاب کے حروف جر کو مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ حروفِ جر کی باعتبار عمل اصل کی حیثیت ہے اور حروفِ مشبہ بالفعل کی حیثیت باعتبار عمل فرع کی ہے۔ کیونکہ حروفِ مشبہ کا عمل مشابہت فعل کے باعث ہوتا ہے اس بنیاد پر حروفِ جر کا ذکر پہلے کیا گیا۔ واضح رہے کہ ان حروف کے حرف جار رکھنے کا اور یہ نام رکھے جانے کا سبب یہ ہے کہ جر کے معنی دراصل کھینچنے کے آتے ہیں اور ان حروف کا خاصہ یہ ہے کہ مشبہ بالفعل یا فعل کے معنی کو اس کے مدخول کی جانب کھینچا کرتے ہیں۔ ان حروف کا دوسرا نام حروف اضافت بھی ہے اسلئے کہ معنی اضافت ملانے کے آتے ہیں اور ان حروف کا کام بھی فعل کے معنیٰ یا شبہ فعل کو معمول سے ملانا ہوتا ہے۔

فصل حُروفُ الجرحُروفٌ وُضِعَتْ لافضاء الفِعل وشِبهِہٖ او مَعْنیَ الفِعل الیٰ ما تلیہ نحو مررتُ بزیدٍ وانامارٌ بزیدٍ وھذا فی الدارِ ابوكَ ای اشیرالیہِ فیھا وھی تسعَۃَ عشَرَحرفًا۔ مِنْ وھی لابتداءِ الغایۃِ وعلامتہٗ ان یصحَّ فی مُقابلتِہٖ الانتھاءُ کماتقولُ سِرتُ من البصرۃِ اِلی الکوفۃِ۔ وللتبیین وعلامتہٗ ان یصحَّ وضعُ لفظِ الذی مکانہٗ کقولہٖ تعالیٰ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ و للتبعیضِ وعلامتہٗ ان یصِحَّ لفظُ بعضٍ مَکانہٗ نحو اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاھِمِ و زائدۃً وعلامتہٗ ان لا یختلَّ المعنیٰ باسقاطِھا نحو مَاجَاءَنِی مِنْ اَحَدٍ ولاتزادُ مِنْ فی الکلامِ الموجَب خلافًا للکوفیین واما قولھم قَدْ کانَ مِنْ مَطَرٍ وشبھُہٗ فمتاَوَّلٌ۔ والیٰ وھی لانتھاءِ الغایۃِ کمامَرَّ وبمعنی مع قلیلاً کقولہٖ تعالیٰ

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ۔ وحتّی وهی مثلُ الی نحو نمتُ البارحةَ حتّی الصَّبَاحِ و بمعنی مع کثیرًا نحو قَدِمَ الحَاجُّ حتّی المُشَاةِ و لاتدخلُ الا علی الظاهر فلا یقال حتّاهُ خلافًا للمبرّدِ و قول الشاعر **شعر**

فَلَا واللّٰهِ لا یبقٰی اُناسٌ　　فتًی حَتَّاكَ یا ابنَ اَبِی زِیَادِ

شاذٌّ۔ و فی وهی للظرفیة نحو زیدٌ فی الدّارِ والماءُ فی الکوزِ و بمعنی علیٰ قلیلًا نحو قوله تعالیٰ وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ۔ والباء وهی للالصاق نحو مَرَرْتُ بزیدٍ ای التصق مُروری بموضعٍ یقربُ مِنه زیدٌ وللاستعانة نحو کتبتُ بالقلمِ وقد یکونُ للتعلیل کقوله تعالیٰ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ وللمصاحبة نحو خَرَجَ زیدٌ بعشیرتهٖ وللمقابلة کبعتُ هٰذا بذاك۔ وللتعدیة کذَهَبْتُ بزیدٍ وللظرفیة کجلستُ بالمسجدِ وزائدة قیاسًا فی خبر النفی نحو ما زیدٌ بقائمٍ۔ و فی الاستفهام نحو هل زیدٌ بقائمٍ و سماعًا فی المرفوع نحو بحسبك زیدٌ ای حسبُك زیدٌ وکفی باللّٰهِ شهیدًا ای کفی اللّٰهُ و فی المنصوب نحو القی بیدهٖ ای القی یدهٗ۔ و اللام وهی للاختصاصِ نحو الجُلُّ لِلفَرَسِ والمالُ لزیدٍ وللتعلیل کضربتُهٗ للتادیب وزائدة کقوله تعالیٰ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ وفیه نظرٌ و بمعنی الواوِ فی القسم للتعجّب کقول الهزلی **شعر**

لِلّٰهِ یبقٰی علی الایامِ ذوحَیَدٍ　　بِمُشْمَخِرٍّ بِهِ الظَّیَّانُ والآسُ

ورُبَّ وهی للتقلیل کما انّ کم الخبریة للتکثیر وتستحقُّ صدرَ الکلامِ ولاتدخل الّا علیٰ نکرةٍ موصوفةٍ نحو رُبَّ رجلٍ کریمٍ لقیتُهٗ او مضمرٍ مُبهمٍ مفردٍ مذکرٍ ابدًا ممیزٍ بنکرةٍ منصوبةٍ نحو رُبَّهٗ رجلًا و رُبَّهٗ رجلین و رُبَّهٗ رجالًا و رُبَّهٗ امرأةً کذلك وعند الکوفیین یجب المطابقة نحو رُبَّهُمَا رجلین و رُبَّهُم رجالًا و رُبَّهَا امرأةً وقد تلحقها ما الکافة فتدخل علی الجملتین نحو رُبَّمَا قام زیدٌ و رُبَّمَا زیدٌ قائمٌ ولا بدّ لها من فعلٍ ماضٍ لانّ رُبَّ للتقلیلِ المحقّق وهو لایتحقّق الا بهٖ ویحذف ذلك الفعلُ غالبًا کقولك رُبَّ رجلٍ اکرمنی لقیتُهٗ فاکرمنی صفة الرجلِ ولقیتُه فعلها و هو محذوفٌ و واو رُبَّ وهی الواو التی تبتدأ بها فی اولِ الکلامِ کقول الشاعرِ **شعر**

وبَلْدَةٍ لَیْسَ بِهَا اَنِیْسُ　　اِلَّا الْیَعَافِیْرُ وَاِلَّا الْعِیْسُ

وواوُ القسمِ وهی تختص بالظاهرِ نحو واللّٰهِ والرحمٰنِ لاضربنّ فلا یقالُ

وَلَكَ - وتاءُ القسم وهي تختصُّ باللهِ وحدهُ فلا يقالُ تالرحمٰنِ وقولهم تربّ الكعبة شاذٌّ وباءُ القسمِ وهي تدخلُ على الظاهر والمضمر نحو باللهِ وبالرحمٰن وبكَ ولابدَّ للقسمِ من الجواب وهي جملةٌ تسمى المُقسَمَ عليها فان كانت موجبةً يجبُ دُخولُ اللام في الاسميّةِ والفعليّة نحو واللهِ لزيدٌ قائمٌ وواللهِ لافعلنَّ كذا وإنَّ في الاسميّةِ نحو واللهِ إنَّ زيداً القائمُ وإنْ كانتْ منفيةً وجبَ دخولُ مَا ولَا نحو وَاللهِ ما زيدٌ بقائمٍ وَوَاللهِ لا يقومُ زيدٌ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل حروفِ جر کے بیان میں ہے۔ حروف جر وہ کہلاتے ہیں جو فعل یا شبہ فعل یا معنیٔ فعل اس تک پہنچانے کے لئے وضع کئے گئے ہوں جس پر یہ حروف آتے ہیں مثلاً "مررتُ بزیدٍ" (میں زید کے قریب سے گذرا) اور "انا مارٌّ بزیدٍ" (میں زید کے قریب سے گذرنے والا ہوں) "ہٰذا فی الدار ابوک" (اور یہ گھر میں آپ کے والد ہیں) یعنی میں ان کے گھر میں موجود ہوتے ہوئے اس کی جانب اشارہ کرتا ہوں۔ اور حروف جر کی (کل) تعداد انیس[۱۹] ہے۔

(۱) مِنْ ۔ یہ آغاز مسافت (اور وقت وجگہ) کی ابتدا (بیان کرنے) کے لئے آتا ہے۔ اس کی علامت اس کے مقابلہ میں انتہاء کا درست ہونا ہے۔ جیسے کہوگے "سرت من البصرة الی الکوفة" (میں نے بصرہ سے کوفہ تک کی مسافت طے کی) اور مِن برائے بیان آتا ہے۔ اس کے بیانیہ ہونے کی علامت قرار دی گئی کہ اس کی جگہ لفظ الذی لانا درست ہو مثلاً یہ ارشادِ ربانی "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" (الآیۃ) اور مِن برائے تبعیض آتا ہے۔ اس کے تبعیضیہ ہونے کی علامت یہ شمار کی گئی کہ اس کی جگہ لفظ بعض لانا درست ہو مثلاً "اخذتُ من الدراہم" (میں نے دراہم میں سے بعض لئے) اور مِن زائدہ بھی ہوتا ہے اس کے زائدہ ہونے کی علامت یہ قرار دی گئی کہ اس کے گرانے سے معنی میں کوئی خلل وخرابی واقع نہ ہو مثلاً "ما جاءنی من احدٍ" (میرے پاس کوئی نہیں آیا) اور موجب ومثبت کلام میں من کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ اس میں نحاۃِ کوفہ کا اختلاف ہے۔ رہا ان کا قول "قد کان من مطر" (بارش ہوئی) اور اسی کے مشابہ کوئی قول تو اس کی تاویل کی گئی۔

(۲) اور اِلیٰ ۔ یہ مسافت کی انتہا بتانے کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور یہ بہت ہی کے ساتھ مع کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق" (الآیۃ) (تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت)

(۳) اور حتّیٰ ۔ یہ الیٰ کی طرح ہے مثلاً "نِمتُ البارِحةَ حتّی الصّباحِ" (میں شب گذشتہ تا صبح سویا) اور یہ اکثر مع کے معنی میں آتا ہے مثلاً "قَدِمَ الحاجُّ حتّی المُشاةُ" (بہت حاجی آئے حتی کہ

پیدل بھی اور حتی محض اسم ظاہر پر آتا ہے ۔ لہذا "حتاہ" نہیں کہا جائیگا ۔ علامہ مبرد نحوی کا اس میں اختلاف ہے اور شاعر کا یہ شعر ۔ فلا واللہ لا یبقیٰ اُناسٌ ۞ فتیً حتاکَ یا ابنَ ابی زیادٍ
(قسم اللہ کی جوان لوگ باقی نہ رہیں گے ۔ حتیٰ کے ابوزیاد کے بیٹے بھی) شاذ اور کالعدم کے درجہ میں ہے ۔

(۴) اور فی ۔ برائے ظرفیت آتا ہے مثلاً "زیدٌ فی الدار" (زید گھر کے اندر ہے) والماء فی الکوز (اور پیالے میں پانی ہے)۔ اور فی بمعنی علیٰ بہت کم استعمال ہوتا ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ "وَلأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ" (اور تم سب کو کھجور کے درختوں پر ٹنگواتا ہوں)

(۵) اور ب ۔ وہ برائے الصاق آتی ہے ۔ مثلاً "مررت بزید" اے التصق مروری بموضعٍ یقرب منہ زید" (میں ایسی جگہ سے گذرا کہ زید اس سے قریب تھا) اور ب برائے استعانت بھی آتی ہے مثلاً "کتبتُ بالقلم" (میں نے بمددِ قلم لکھا) اور بعض اوقات برائے تعلیل آتی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ "انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل" (بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنی اس گوسالہ پرستی کی تجویز سے) اور ب برائے مصاحبت آتی ہے مثلاً "خرج زیدٌ بعشیرتہٖ" (زید اپنے قبیلہ کے ساتھ نکلا) اور ب برائے مقابلہ آتی ہے مثلاً "بعت ہٰذا بذاکَ" (میں نے اسے اس کے عوض فروخت کیا ۔) اور ب برائے تعدیہ آتی ہے مثلاً "ذہبتُ بزید" (میں زید کو لے گیا) اور ب برائے ظرفیت آتی ہے مثلاً "جلست بالمسجد" (میں مسجد میں بیٹھا) اور خبر نفی میں از روئے قیاس با زائدہ آیا کرتی ہے مثلاً "ما زیدٌ بقائم" (زید کھڑا ہونے والا نہیں) اور با خبر استفہام میں آتی ہے ۔ مثلاً "ہل زیدٌ بقائم" (کیا زید کھڑا ہونے والا ہے) اور باعتبار سماع مرفوع میں آتی ہے مثلاً "بحسبک زیدٌ" اے حسبک زیدٌ (تجھے زید کافی ہے)۔ "وکفیٰ باللہ شہیدا" ۔ اے کفی اللہ ۔ اور ب منصوب میں استعمال ہوتی ہے مثلاً "القیٰ بیدہٖ" اے القیٰ یدہٗ (اس نے اپنا ہاتھ ڈالا)۔

(٦) اور لام ۔ یہ اختصاص کی خاطر آتا ہے مثلاً "الجُلُّ للفرس" (جھول گھوڑے کے لئے ہے ۔) "وَالمالُ لِزیدٍ" (اور مال زید کے لئے ہے) اور لام برائے تعلیل آتا ہے مثلاً "ضربتہٗ للتادیب" (میں نے اسے ادب سکھانے کی خاطر مارا) اور لام زائدہ آتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "رَدِفَ لَكُمْ" اے ردفکم ۔ (وہ تمہارا ردیف بنا) اور لام قول کے ساتھ استعمال کی صورت میں بمعنی "عن" آتا ہے ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ" (الآیۃ) یہ استدلال قابل غور ہے ۔

اور لام قسم میں برائے تعجب بمعنی واؤ آتا ہے مثلاً الہذلی کا شعر ،
للہ یبقیٰ علی الایام ذو حَیَدٍ ۞ بمشمخرٍ بہ الظیَّانُ والآسُ

(اللہ کی قسم زمانے میں سینگوں دار پہاڑی بکرا ایسے بلند پہاڑ پر باقی نہ رہے گا جہاں ظیان اور آس کے درخت موجود ہیں۔)

(۷) اور رُبَّ۔ اسی طرح کمی بیان کرنے کی خاطر آتا ہے جس طرح کہ کم خبریہ بیانِ کثرت کے لئے آتا ہے۔ یہ کلام کی ابتدا میں آیا کرتا ہے۔ اور رُبَّ محض نکرہ موصوفہ پر آتا ہے۔ مثلاً "رُبَّ رجلٍ کریمٍ لقیتہ" (جن سے میں ملا ان میں کریم لوگ بہت کم تھے) یا یہ ہمیشہ ایسے مضمر مبہم مفرد مذکر ممیز پر آتا ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہو مثلاً "رُبَّہٗ رَجُلاً، وَرُبَّہٗ رَجُلَیْنِ ورُبَّہٗ رِجالاً و رُبَّہٗ امرأۃً" اور اسی طرح دوسری مثالیں) اور (نحاۃ) کوفہ کے نزدیک مطابقت واجب ہے مثلاً "رُبَّہُمَا رجلَیْنِ، ورُبَّہُمْ رِجالاً، ورُبَّہَا امرأۃً" اور بعض اوقات رُبَّ کے ساتھ ما کافہ کا الحاق ہوتا ہے تو رُبَّ دو جملوں (فعلیہ واسمیہ) پر آتا ہے مثلاً رُبَّمَا قامَ زیدٌ ورُبَّمَا زیدٌ قائمٌ۔ اور اس کے لئے فعل ماضی ہونا ضروری ہے اسلئے کہ رُبَّ ثابت شدہ تقلیل کے لئے آتا ہے اور تقلیل اسی کے ساتھ ثابت بھی ہوتی ہے اکثر وبیشتر اس کا فعل حذف ہو جاتا ہے مثلاً تیرا قول "رُبَّ رجلٍ اکرمنی" یہ ایسے شخص کے جواب میں ہو جو کہے "ہل لقیتَ من اکرمَکَ (کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے بوقت ملاقات میرا اکرام کیا) تو اکرمنی صفتِ رجل اور "لقیتہ" اس کا فعل محذوف ہے۔

(۸) اور واوِ رُبَّ۔ یہ ایسا واو ہے جسے کلام کے شروع میں لاتے ہیں۔ مثلاً شاعر کا شعر ۔

وبلدۃٍ لیس بہا انیسُ ٭ الا الیعافیرُ و الاّ العیسُ

(اور بہت سے شہروں میں مٹیالے ہرنوں اور سفید بالوں والے اونٹوں کے سوا کوئی انیس وغمخوار نہیں۔)

(۹) اور واوِ قسم۔ یہ اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً "واللہ، والرحمٰن لاضربنَّ" تو "وَکَ" نہیں کہا جاتا

(۱۰) اور تائے قسم۔ یہ لفظ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا "تالرحمٰن" نہیں کہا جائیگا۔ اور ان کا قول "تربّ الکعبۃ" شاذ کے درجہ میں ہے۔

(۱۱) اور قسم کی با۔ یہ اسم ظاہر و مضمر دونوں پر آتی ہے مثلاً "باللہ و بالرحمٰن و بک" اور قسم کا جواب ناگزیر ہے اور اس جملہ کا نام مقسم علیہا ہوتا ہے۔ پس اس کے موجبہ ہونے کی صورت میں اسمیہ اور فعلیہ دونوں میں لام کا آنا ضروری ہوگا مثلاً "واللہ لزیدٌ قائمٌ (واللہ زید کھڑا ہونے والا ہے) "واللہ لافعلنّ کذا" (اور واللہ میں ایسا ضرور کرونگا) اور لفظ اِنَّ جملہ اسمیہ میں مثلاً "واللہ اِنَّ زیدًا لقائمٌ"۔ اور منفی ہونے کی صورت میں ما اور لا کا لانا ضروری ہوگا مثلاً "واللہ ما زیدٌ بقائمٍ" "واللہ لا یقوم زیدٌ"

تشریح حروفِ الجر حروف الخ فرماتے ہیں حروف جر انھیں کہا جاتا ہے جن کی وضع اس واسطے ہوئی ہو کہ وہ معنیٰ فعل یا شبہ فعل یا فعل کو اس شے تک پہنچا دیں جس کے ساتھ ان حروف میں سے کسی حرف کا اتصال ہو۔ اس جگہ فعل سے مقصود اصطلاحی فعل ہے۔ رہا شبہ فعل سے کیا مقصود ہے وہ صاحب کتاب نے خود ذکر فرما دیا

کہ شبہ فعل اسے کہا جاتا ہے جو اپنے فعل کا سا عمل کرے اور وہ اسی مادہ سے مرکب ہو مثال کے طور پر مصدر، اسم مفعول اسم فاعل وغیرہ اور معنیٔ فعل سے اس موقعہ پر وہ شے مقصود ہے جس سے معنیٔ فعل کا استنباط ہوا ہو۔ مثلاً جار مجرور وغیرہ۔

الی ماتلیہ۔ ما سے دراصل اسم مقصود ہے اور "تلیہ" میں جو ضمیر ہے وہ فعل مضارع واقع ہو رہی ہے۔ واضح رہے کہ اس جگہ اسم سے جو مقصود ہے اس میں تعمیم ہے چاہے وہ اسم صریح واقع ہو مثال کے طور پر "مررت بزید" اور یا مؤل ہو۔ مثال کے طور پر "ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔"

من۔ صاحب کتاب کے "من" کو دوسرے حروف سے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ "من" برائے ابتدار آیا کرتا ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ آغاز بیان اسی سے ہو۔

لابتداء الغایۃ الخ غایت ہر شے کی انتہا کو کہا جاتا ہے چاہے وہ مکان ہو یا زمان۔ غایت کے ایک اور معنی مسافت کے آتے ہیں۔ یعنی من کا استعمال ایسی چیز کے لئے ہوا کرتا ہے جس کی انتہا ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی وہ ابدی امور جو لانہایت ہیں "من" کا استعمال ان کی ابتدا بیان کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔

وعلامتہ ان یصح فی مقابلتہ الخ فرماتے ہیں اس "من" کی علامت یہ قرار دی گئی کہ اس کے بالمقابل انتہا کی نشاندہی کرنے والے حرف کا لانا صحیح ہو یعنی اس کے بالمقابل الیٰ کا لانا صحیح ہو جو برائے انتہا آیا کرتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "سرتُ من البصرۃ الی الکوفۃ" یہ مکانی ابتدار کی مثال ہے اور زمانی کی مثال مثلاً "صمت من یوم الجمعۃ الیٰ یوم الاربعاء"۔

وللتبیین وعلامتہ الخ یعنی من کا استعمال مبہم بات کو واضح کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے اس کے بیانیہ ہونے کی علامت یہ قرار دی گئی کہ اس کی جگہ اگر الذی لایا جائے تو اس کا لانا درست ہو۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد ربانی:۔

"فاجتنبوا الرجس من الاوثان" (الآیۃ) یہاں "من بیانیہ" برائے رجس ہے۔ وہ من جس کی جگہ یہ درست ہوتا ہے کہ "الذی" رکھ دیا جائے اس سے لفظ "الذی" خصوصیت کے ساتھ مراد نہیں بلکہ اس سے مقصود اسم موصول مع لازم ہوتا ہے پس اس پر "فقد کان من مطر" سے اشکال نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے اندر "من بیانیہ" ہونے کے باوجود اس کی جگہ پر اسم موصول لانا درست نہیں۔ اسلئے کہ اگر ایسا ہو تو نکرہ کے مع المعرفہ موصوف ہونے کا لزوم ہوگا اور یہ صحیح نہیں۔

وللتبعیض وعلامتہ الخ یعنی من کا استعمال برائے تبعیض بھی ہوا کرتا ہے اور من کے تبعیضیہ ہونے کی علامت یہ قرار دی گئی کہ اس کی جگہ لفظ بعض کا لانا صحیح ہو۔ مثال کے طور پر کہا جائے "اخذتُ من الدراہم" یعنی بعض الدراہم۔

وزائدۃ وعلامتہ الخ یہ الابتداء پر معطوف ہے اور خبر ہونے کے باعث اس کے اوپر رفع آیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات منْ کا جہاں تک تعلق ہے وہ کلام میں زائد بھی ہوتا ہے اور دراصل اس کے کلام میں الگ سے کوئی معنی نہیں ہوتے اسے محض تزئین کلام کی خاطر لے آتے ہیں۔ منْ کے کلام میں زائد ہونے کی علامت یہ قرار دی گئی کہ اگر اسے ساقط کردیں اور کلام میں بالکل برقرار نہ رکھیں تب بھی کلام میں کسی طرح کی خرابی واقع نہ ہو اور کلام بدستور اپنی جگہ مکمل رہے۔

ولا تزاد من فی کلام الموجب الخ فرماتے ہیں کہ "من" کا اضافہ کلام موجب میں نہیں ہوا کرتا یعنی ایسا کلام جس میں

نہ نفی ہو نہ نہی ہو اور نہ استفہام وغیرہ۔ واضح رہے کہ من کے زائدہ ہونے میں نحویوں کی رائیں مختلف ہیں۔ نحاۃ بصرہ کے نزدیک "من" کا اضافہ محض کلام غیر موجب میں ہوا کرتا ہے۔ اور نحاۃ کوفہ و اخفش کے نزدیک "من" کے اضافہ کو کلام غیر موجب کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں بلکہ من کا اضافہ کلام موجب میں بھی ہوتا ہے اور بطور استدلال انھوں نے اہل عرب کا قول "قد کان من مطر" پیش کیا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس قول میں "من" زائدہ ہے۔ یہ دراصل بغیر من کے "قد کان مطرًا" تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس میں یہ تاویل کی گئی کہ یہ من بیانیہ شمار ہو یا تبعیضیہ۔

والیٰ وہی للانتہاء الخ۔ یعنی الیٰ انتہائے مسافت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس بارے میں نحویوں کی رائیں مختلف ہیں کہ الیٰ کے مابعد کو الیٰ کے ماقبل میں داخل قرار دیا جائے یا داخل قرار نہ دیں۔ بعض نحویوں کے نزدیک الیٰ وضع ہی اسلئے کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ انتہائے مسافت کی نشاندہی ہو اس بناء پر دراصل اس کے مابعد کو ماقبل میں داخل قرار نہ دیں گے بلکہ اس صورت میں فقط مجازاً داخل شمار ہوگا۔ بعض نحوی اس کے برعکس فرماتے ہیں اور بعض کے نزدیک الیٰ کا دونوں معنیٰ میں اشتراک ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہو کہ الیٰ کا مابعد الیٰ کے ماقبل ہی کی جنس سے واقع ہو تو اس صورت میں الیٰ کے مابعد کو الیٰ کے ماقبل میں داخل قرار دیں گے ورنہ داخل قرار نہ دینگے۔ رہی مسافت تو وہ عام ہے خواہ اس کا تعلق زمان سے ہو یا مکان سے۔ مکان سے ہونے کی صورت میں انتہائے مکان کی نشاندہی ہوگی اور زمان سے ہونے کی شکل میں انتہائے زمانہ کی نشاندہی کرے گا۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد ربانی "اتموا الصیام الی اللیل" (الآیۃ) اور یہ ارشاد باری تعالیٰ "فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق" (الآیۃ)

وحتیٰ۔ یعنی انتہائے مسافت وغایت بتانے کا جہاں تک تعلق ہے۔ حتیٰ ٹھیک الیٰ کی طرح ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "نمت البارحۃ حتی الصباح" (میں گذشتہ شب تا صبح سوتا رہا)

وبمعنیٰ مع کثیراً۔ فرماتے ہیں کہ اکثر و بیشتر حتیٰ مع کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ الیٰ کے معنیٰ میں کم آتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "قَدِمَ الحاج حتی المشاۃ"

ولا تدخل الی علی الظاہر الخ۔ یہاں حتی کے بارے میں ایک ضابطہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ کبھی اسم ضمیر پر نہیں آتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کا آنا اسم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اس قاعدہ وضابطہ کی بنیاد پر "حتاہ" کہنا درست نہ ہوگا۔ علامہ مبرد اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اسم ظاہر پر بھی آتا ہے اور اسم ضمیر پر بھی۔ وہ اپنے مستدل کو شاعر کے حسب ذیل شعر سے ثابت کر رہے ہیں۔ ؎

فلا واللہ لا یبقی اُناسٌ ٭ فتیً حتّاک یا ابن ابی زیادٍ

جمہور اور اکثر نحوی اس شعر میں حتی کے استعمال کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ شاذ کے درجہ میں ہے اور شاذ کالعدم ہوتا ہے۔ صاحب کتاب نے جمہور ہی کا قول اختیار کیا ہے اسی لئے اس کا جواب دیتے ہوئے اسے قیاس کے خلاف اور شاذ فرمایا ہے۔ اور یہ کہ اس پر دوسرے کو قیاس کرنا درست نہیں۔

(وفی وہی للظرفیۃ۔ فرماتے ہیں کہ فی برائے ظرفیت آیا کرتا ہے۔ یعنی فی جس پر آتا ہے وہ اس کے ماقبل کا ظرف بنتا ہے چاہے یہ حقیقی اعتبار سے ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "الماء فی الکوز" کہ اس میں "الکوز" الماء کا ظرف واقع ہوا ہے اور چاہے حقیقتاً نہ ہو بلکہ باعتبار حکم ہو۔ مثال کے طور پر کہا جائے "نظرتُ فی الکتاب" کہ اس مثال میں "الکتاب" باعتبار حکم "نظر" کا ظرف واقع ہوا ہے، فی الحقیقت نہیں۔

وبمعنیٰ علیٰ قلیلاً۔ کہتے ہیں کہ فی بمعنیٰ علیٰ بھی آتا ہے مگر اس کا علیٰ کے معنی میں آنا بہت کم کے ساتھ ہے مثلاً یہ ارشاد باری تعالیٰ "ولاصلبنکم فی جذوع النخل" (الآیۃ) یہاں فی علیٰ کے معنی میں ہے۔

والباء وہی للالصاق۔ حروف جر میں سے با چند معانی میں استعمال ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک الصاق ہے الصاق ایک چیز کے دوسری چیز سے اتصال کو کہتے ہیں۔ با سے اس کے مدخول کے ساتھ کسی چیز کے الصاق واتصال کا فائدہ ہوتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ اتصال حقیقی طور پر ہو یا مجازاً ہو مثلاً "بہ داءٌ" کہا جائے تو یہ اتصال حقیقی ہے کہ واقعی وہ شخص مریض ہے اور مرض اس کے ساتھ چپٹا ہوا ہے۔ اور مجازاً اتصال کی مثال "مررتُ بزید" یعنی ایسی جگہ سے گذرنا ہوا جو زید سے متصل تھی۔

والاستعانۃ۔ معنیٰ استعانت طلب مدد کے آتے ہیں اور با برائے استعانت آیا کرتی ہے۔ یعنی با اس کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس کے مدخول کا شمار آلۂ فعل میں ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "کتبتُ بالقلم" یعنی میرا لکھنا قلم کی مدد سے تھا۔

وقد یکون للتعلیل الخ یعنی با کے آنے کا مقصد کبھی اس کی نشاندہی کرنا ہوتا ہے کہ با جس پر آرہی ہے وہ علت وسبب واقع ہوا ہے مثال کے طور پر ارشاد ربانی "اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ" (الآیۃ) کہ اس میں دراصل سبب ظلم عجل واقع ہوا ہے۔

وللمصاحبۃ۔ با کبھی برائے مصاحبت یعنی مَعَ کی جگہ آتی ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "خرج زیدٌ بعشیرتہ" (زید اپنے قبیلہ کے ساتھ نکلا) با برائے مصاحبت بمعنی مَعَ کی دو علامتیں قرار دی گئیں۔ ایک علامت تو یہ کہ بجائے با کے اس کی جگہ مَعَ لانا درست ہو۔ دوسری علامت یہ کہ جس پر یہ آرہی ہو وہ مصحوب سے حال بن سکے۔ الصاق اور مصاحبت کے درمیان وجہ امتیاز وفرق یہ بات قرار دی گئی کہ فعل کے فاعل کے ساتھ آنے کی صورت میں مصحوب کا صاحب کے ساتھ لگے رہنا ضروری نہیں مثلاً "خرج زیدٌ بعشیرتہ" یہ تو لازم ہے کہ نکلنا قبیلہ کا بھی ہوا اور زید کا بھی مگر یہ لازم نہیں کہ بوقت خروج قبیلہ زید کے ساتھ ہی لگا ہوا ہو۔ اور با کے برائے اتصال ہونے کی شکل میں یہ ناگزیر ہے۔ پس اس تفصیل کے مطابق مصاحبت میں تو تعمیم ہے اور الصاق میں تخصیص۔

وللمقابلۃ۔ با کا جہاں تک تعلق ہے وہ برائے مقابلہ بھی آیا کرتی ہے یعنی اس سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ با جس پر آرہی ہے اس کے مقابل ایک چیز ہے۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد ربانی "اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ

تعملون" (الآیۃ) یعنی بہشت میں داخلہ عمل کا عوض ہے۔

وللتعدیۃ۔ اصطلاحی اعتبار سے تعدیہ کے معنیٰ ہیں کہ لازم کو متعدی بنا دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ با کے ذریعہ فعل لازم، لازم سے متعدی بنجاتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" ذہبت بزید" "ذہب زید" کے معنی تو یہ ہیں کہ ذہاب کا صدور زید سے ہوا اور" ذہبت بزید" کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اسے ذاہب بنا دیا۔ تو اس طرح یہاں تعدیہ با کے ساتھ خاص ہوگیا۔ تعدیہ کے معنی ہیں معنیٰ فعل کو اس کے معمول کی جانب حرف جر کے ذریعہ پہنچا دینا سارے حروف جر اس سلسلہ میں مساوی ہیں۔

وللظرفیۃ۔ اور با ظرفیت کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" جلست بالمسجد" یہاں با بمعنی فی ہے یعنی فی المسجد۔

وزائدۃ قیاسًا فی خبر النفی۔ زائدۃ پر رفع ہے اور" للالصاق" پر یہ معطوف ہے اور" فی خبر" یہ متعلق زائدہ قرار دیا گیا۔ اور عبارت میں" قیاسًا" مفعول مطلق واقع ہوا ہے۔ کہنا دراصل یہ چاہتے ہیں کہ از روئے قیاس با کا اضافہ دو مقامات پر ہوتا ہے ایک موقعہ تو نفی کی خبر کا ہے جو کہ لیس یا ما کی، تو وہاں با زائدہ ہوگی مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" مازید بقائم" اور دوسرا موقع استفہام کا ہے۔ استفہام سے مقصود بالخصوص وہ استفہام ہے جو" ہل" کے ساتھ ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" ہل زیدٌ بقائم" اور" ہل" کے علاوہ دوسرے حروف سے استفہام ہو تو وہاں با زائدہ نہ ہوگی۔

وسماعًا فی المرفوع۔ فرماتے ہیں کہ خبر مذکور کے علاوہ میں جہاں تک با کے زائدہ ہونے کا تعلق ہے وہ محض از روئے سماع ہے۔ اس سے قطع نظر کہ جس مرفوع میں با کا اضافہ ہو رہا ہو وہ مبتدا واقع ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" بحسبک زیدٌ" یعنی یہ حقیقتًا ہے" حسبک زیدٌ" اور وہ مرفوع فاعل واقع ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" وکفیٰ باللہ شہیدًا" یعنی" کفی اللہ" اور یا وہ اضافہ بجائے مرفوع کے منصوب میں واقع ہو رہا ہو مثلاً کہا جائے" والقیٰ بیدہ" یعنی" والقیٰ یدہٗ"

واللام وہی للاختصاص۔ فرماتے ہیں حروف جر میں ایک حرف لام ہے یہ تخصیص پیدا کرنے کی خاطر آتا ہے باب افتعال، اختصاص دراصل مصدر ہے۔ اس کا استعمال لازم و متعدی دونوں طریقوں سے ہوتا ہے۔ اختصاص کے معنی حقیقتًا یہ ہیں کہ لام کے مدخول کا جہاں تک تعلق ہے وہ ایک چیز کے واسطے تو ثابت ہو اور دوسری چیز کے واسطے ثابت نہ ہو۔ اس اختصاص کی دو قسمیں ہیں ایک قسم کا نام اختصاص ملک اور دوسری کا نام اختصاص استحقاق ہے۔ اختصاص ملک کی یہ مثال ہے" المال لزید" اور دوسری قسم یعنی اختصاص استحقاق کی مثال ہے" الجلّ للفرس"

وللتعلیل۔ یہاں یہ بیان فرماتے ہیں کہ لام کسی چیز کی علت ذکر کرنے کی خاطر بھی آتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے" ضربتہ للتادیب" (میں نے اسے ادب سکھانے کی خاطر زد و کوب کیا)

وزائدۃ۔ یہ" للاختصاص" پر معطوف ہے یعنی بعض اوقات لام زائدہ ہوا کرتا ہے مثال کے طور پر ارشاد ربانی

"ردف لکم" سے "ردفکم"۔ یعنی اس جگہ لام زائدہ ہے۔

وبمعنی عن اذا استعمل مع القول۔ فرماتے ہیں کہ لام عن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر اس کے لئے شرط یہ قرار دی گئی کہ اس کا اتصال قول کے ساتھ ہو مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ "قال الذین کفروا للذین آمنوا لو کان خیرًا ماسبقونا الیہ" (الآیۃ) یہاں پر "للذین" کا لام بمعنی عن استعمال ہوا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ میں لام بمعنیٰ عن مراد لینا محلّ تامّل ہے۔ خلاصہ اس تامل کا یہ ہے کہ بعض کے نزدیک مذکورہ بالا آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ لام بمعنی عن بھی آیا کرتا ہے صحیح نہیں اسلئے کہ لام بمعنیٰ عن لینے کی صورت میں یہ لازم ہوگا کہ "سبقونا" کی بجائے "سبقتمونا" ہو۔ وجہ یہ ہے کہ صلۂ قول مع العن آنے کی صورت میں وہ بمعنیٰ مخاطب ہوا کرتا ہے۔

وبمعنی الواؤ فی القسم للتعجب الخ فرماتے ہیں کہ لامِ جارہ اس وقت لام قسم کے معنیٰ میں ہوگا جبکہ مقسم بہ اس طرح کا امر ہو کہ اس کے جواب قسم کا شمار ایسے عظیم امور میں ہوتا ہو جو باعث تعجب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شعر ؎

للہ یبقیٰ علی الایام ذو حید ؛ بمشمخر بہ الظیّانُ و الآسُ

یعنی مرورِ زمانہ سے بڑے سینگوں والا ایسے بلند پہاڑ پر بھی باقی نہ رہے گا جس میں ظیان اور آس کے درخت ہیں۔ تو جب ایسی حفاظت کی جگہ بھی باقی نہ رہے گا تو عالم کی کوئی چیز بھی فنا سے نہ بچے گی۔

واضح رہے کہ لام کا استعمال بعض اوقات برائے صیرورت بھی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد باری تعالیٰ "فالتقطہ آل فرعون لیکون لہم عدوًا وحزنا" اس کا دوسرا نام لام العاقبۃ بھی ہے۔ اور بعض اوقات لام فی کے معنی میں بھی آیا کرتا ہے مثال کے طور پر یہ ارشاد ربانی "ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ" (الآیۃ)

ورُبَّ وہی للتقلیل۔ یعنی رُبَّ مدخول کے افراد کی قلت ثابت کرنے کے لئے آتا ہے ٹھیک اس طرح جیسے کم خبریہ افراد مدخول کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے آیا کرتا ہے۔

وتستحق صدر الکلام۔ اور فرماتے ہیں کہ رُبَّ کلام کی ابتداء میں آیا کرتا ہے وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر انشاء کے معنی ہوتے ہیں۔

ولاتدخل الا علی نکرۃ الخ زیادہ صحیح مسلک کے مطابق رُبَّ نکرہ موصوفہ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ دائمی طور پر نکرہ موصوفہ پر ہی آتا ہے مثلاً "رُبَّ رجلٍ کریم لقیتہ"۔ بعض کے نزدیک یہ غیر موصوفہ پر بھی آیا کرتا ہے لیکن زیادہ صحیح مسلک نہیں۔ رُبَّ کے نکرہ موصوفہ پر آنے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ رُبَّ کا جہاں تک تعلق ہے یہ برائے تقلیل آتا ہے اور اس کا حصول نکرہ سے ہی ہوسکتا ہے پس معرفہ کی احتیاج نہیں۔

او مضمر مبہم مفرد الخ۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات رُبَّ ایسی مبہم ضمیر پر بھی آتا ہے جس کی تمیز نکرہ اور منصوب واقع ہو رہی ہو۔ اور ضمیر کا جہاں تک تعلق ہے وہ دائمی طور پر مفرد مذکر ہوا کرتی ہے اس سے قطع نظر کہ اس کی ضمیر تثنیہ واقع ہو یا جمع اور مذکر واقع ہو یا مؤنث۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "رُبَّہٗ رجلاً" و "رُبَّہٗ رجلین" و "رُبَّہٗ رجالاً"، "ورُبَّہٗ امرأۃً"۔ نحاۃ کوفہ اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع، و مذکر و مونث میں مطابقت واجب

مثلاً رُبّہما رجلین و رُبّہم رجال و رُبّہا امرأۃٌ

وقد تلحقہا ما الکافۃ۔ کہتے ہیں کہ رُبَّ ما ئے کافہ پر آتا ہے مگر اس کی وجہ سے رُبَّ کا عمل باقی نہیں رہتا اور ایسی شکل میں رُبَّ جملہ پر آتا ہے اس سے قطع نظر کہ یہ جملہ اسمیہ واقع ہو رہا ہو یا فعلیہ مثلاً " رُبَّما قام زیدٌ " اور " رُبَّما زیدٌ قائمٌ "

ولابد لہا من فعل ماضٍ الخ۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ رُبَّ چاہے ما کافہ کے ساتھ آیا ہو یا ما کافہ کے ساتھ نہ آیا ہو بہرصورت ازروئے قاعدہ یہ جس فعل کے متعلق ہو رہا ہو اس میں یہ ناگزیر ہے کہ وہ ماضی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رُبَّ کا استعمال تقلیلِ واقعی ہوا کرتا ہے اور تقلیلِ واقعی کا ظاہر کرنا بذریعہ فعل ماضی ہی ممکن ہے۔

ویحذف ذلک الفعل غالباً۔ اس جگہ ایک اور ضابطہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ رُبَّ جس فعل سے متعلق ہوا کرتا ہے وہ اکثر و بیشتر کسی قرینۂ استعمال کے وجود کے باعث حذف کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے " رُبَّ رجلٍ اکرمنی " تو یہ دراصل " رُبَّ رجلٍ اکرمنی لقیتہ " کے جواب میں کہا گیا۔ پس " اکرمنی " صفت رجل ہے اور "لقیتہ" اس کا فعل ہے جو قرینۂ سوال کے باعث حذف کر دیا گیا۔

ووادُ رُبَّ الخ حروف جارہ میں سے ایک واوِ رُبَّ ہے۔ اس واؤ کے متعلق نحاۃ کی رائیں مختلف ہیں بعض نحویوں کے نزدیک اکثر و بیشتر اس واؤ کے بعد میں " رُبَّ " پوشیدہ ہوا کرتا ہے اور یہ واؤ درحقیقت عامل نہیں ہوتا بلکہ دراصل عمل کرنے والا پوشیدہ رُبَّ ہوتا ہے۔ رہا یہ واؤ تو اس کا مقصود عطف ہے۔

نحاۃ کوفہ اور علامہ مبرد کہتے ہیں کہ یہ جر کا آنا دراصل واؤ کے باعث ہوتا ہے۔ اس کا سبب پوشیدہ رُبَّ نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں یہ واؤ برائے عطف نہ ہوگا۔ یہ لوگ استدلال میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ قصیدوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان کا آغاز واؤ سے ہوتا ہے اگر واؤ برائے عطف ہو تو قصائد کا آغاز اس سے کس طرح ممکن ہے۔

نحاۃ بصرہ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ بولنے والے کا قصیدہ کے آغاز میں واؤ لانا اس ارادہ سے ہو کہ وہ اس کے ذریعہ اس کے تحت آنے والی چیز عطف کرنا چاہ رہا ہو۔

جس طرح رُبَّ نکرہ موصوفہ پر آتا ہے ٹھیک اسی طرح یہ واؤ بھی نکرہ موصوفہ پر آتا ہے اسلئے کہ یہ واؤ بمعنیٰ رُبَّ ہونے کے باعث بحکم رُبَّ ہے تو یہ بھی رُبَّ کی مانند نکرہ موصوفہ پر آئے گا اور اس کا متعلق فعل ماضی شمار ہوگا جو کہ اکثر و بیشتر محذوف ہوا کرتا ہے مگر رُبَّ اور واؤ رُبَّ کے درمیان یہ فرق ضرور ہے کہ واؤ رُبَّ کا جہاں تک تعلق ہے وہ کبھی بھی مبہم ضمیر پر نہیں آتا۔

وواو القسم وہی تختص۔ حروف جارہ میں سے ایک حرف جر واؤ قسم ہے۔ اس کا استعمال قسم کے فعل کے محذوف ہونے کے وقت ہوتا ہے۔ یہ سوال کے ساتھ کبھی نہیں آتا اور دائمی طور پر اسم ظاہر کے ساتھ اس کا آنا مخصوص ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "واللہ والرحمٰن لاضربن " اور " وک لاضربن " بولنا درست نہیں۔

وتاء القسم وہی تختص باللہ وحدہٗ۔ حروف جارہ سے ایک حرف جر تا ہے جمہور نحاۃ فرماتے ہیں کہ یہ اسم ظاہر میں سے محض اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ اللہ کے علاوہ اور کسی اسم ظاہر پر نہیں آتی اسی بنا پر " تالرحمٰن " کہنا

درست نہیں۔

ایک اشکال کا جواب اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اہل عرب "تربّ الکعبۃ" بولا کرتے ہیں تو اس میں تا رب پر آرہی ہے پھر یہ لفظ اللہ کے ساتھ مخصوص کہاں رہا۔

صاحب کتاب اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ استعمال شاذ ہے اور شاذ استعمال پر قیاس کرنا اور اسے نظیر بنانا درست نہیں۔ اخفش اسی قول عرب سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تا لفظ اللہ کے علاوہ دوسرے اسم پر بھی آتی ہے۔ اس کا جواب صاحب کتاب دے چکے۔

وباء القسم۔ حروف جار میں سے ایک حرف جار بائے قسم ہے۔ یہ اسم ظاہر اور مضمر دونوں پر آتی ہے اور اس اعتبار سے یہ واو قسم اور تائے قسم کے مقابلہ میں عام ہے۔ بائے قسم ہر اسم ظاہر پر آتی ہے چاہے یہ لفظ "اللہ" ہو یا رحمن وغیرہ۔

ولابد للقسم من الجواب۔ فرماتے ہیں کہ قسم کے واسطے یہ ناگزیر ہے کہ جواب قسم ہو۔ اور قسم کا جواب اسے کہا جاتا ہے جس پر کہ قسم کھائی جاتی ہے۔ اور وہ جملہ جس پر قسم کھائی گئی ہو "مقسم علیہا" کہلاتا ہے پس جواب قسم بننے والا جملہ مثبتہ ہونے کی صورت میں خواہ یہ جملہ اسمیہ ہو اور خواہ فعلیہ بہر صورت اس پر لام تاکید کا آنا واجب ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "واللہ لزید قائم" و "واللہ لافعلنّ کذا"۔ یہ جملہ فعلیہ کی مثال ہے اور جملہ اسمیہ کی مثال "واللہ انّ زیداً لقائم" اور منفیہ ہونے کی صورت میں ما اور لا کا آنا واجب ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "واللہ ما زیدٌ بقائم" و "واللہ لایقوم زید"۔ ما و لا کا آنا اس بنا پر ضروری ہوا تاکہ قسم اور مقسم علیہا کے درمیان ارتباط ہو کیونکہ ان دونوں کی حیثیت مستقل جملہ کی ہے ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں۔

واعلم انّهٗ قد یُحذف حرفُ النفی لزوالِ اللبسِ کقولہٖ تعالیٰ تَاللّٰہِ تَفتَؤُ تَذکُرُ یُوسُفَ ای لا تَفتَؤُ ویُحذَفُ جوابُ القسَمِ ان تقدَّمَ مَا یدُلُّ علیہِ نحو زیدٌ قائمٌ واللّٰہِ اوتوسط القسم نحو زیدٌ واللّٰہِ قائمٌ وعَنْ للمُجاوزۃِ نحو رمَیتُ السهمَ عن القوسِ الی الصیدِ وعلی للاستِعلاءِ نحو زیدٌ علی السَّطحِ وقد یکونُ عن وعلیٰ اسمَینِ اذا دخلَ علیهما مِنْ کما تقول جلستُ مِنْ عن یمینِہٖ ونزلتُ مِنْ علیٰ الفرَسِ والکاف للتشبیہ نحو زیدٌ کعمرٍو وزائدۃ کقولہٖ تعالیٰ لیس کَمِثلِہٖ شَیءٌ وقد تکون اسماً کقول الشاعر ع یَضحَکنَ عن کالبردِ المُنهَمِّ ومُذ ومُنذُ للزمانِ إمّا للابتداءِ فی الماضی کما تقولُ فی شعبانَ ما رأیتُہٗ مُذ رجبَ اوللظرفیۃِ فی الحاضرِ نحو مَا رأیتُہٗ مُذ شهرِنا ومُنذُ یومِنا ای فی شهرِنا وفی یومِنا وخلا وعدا وحاشا للاستثناءِ نحو جاءَنِی القومُ خلا زیدٍ وحاشا عمرٍو وعدا بکرٍ

ترجمہ :- اور واضح رہے کہ بعض اوقات حرفِ نفی التباس کے ازالہ کی خاطر حذف کیا جاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد " تاللہ تفتؤ تذکر یوسف (بخدا معلوم ہوتا ہے) تم سدا کے سدا یوسف کی یادگاری میں لگے رہو گے) یعنی " لا تفتؤ " اور جواب قسم کی نشاندہی کرنے والا مقدم ہونے پر جواب قسم حذف کر دیا جاتا ہے مثلاً " زیدٌ قائمٌ واللہ " یا یہ کہ درمیان میں آئے مثلاً زید واللہ قائم " اور عن برائے مجازات آتا ہے مثلاً " رمیتُ السہمَ عن القوسِ الی الصید " (میں نے بذریعہ کمان تیر شکار کی جانب پھینکا) اور علیٰ برائے استعلاء (بلندی طلب کرنے کی خاطر) آتا ہے مثلاً " زیدٌ علی السطح " (زید چھت پر ہے) اور بعض اوقات عن اور علیٰ پر من آنے کی صورت میں دونوں اسم واقع ہوتے ہیں۔ جیسے کہو " جلستُ من عن یمینہ، و نزلتُ من علی الفرس " (میں اس کے دائیں طرف بیٹھا اور میں گھوڑے سے نیچے اترا) اور کاف برائے تشبیہ آتا ہے مثلاً " زیدٌ کعمرٍو " (زید عمرو کی طرح ہے) اور کاف زائدہ بھی آتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد " لیس کمثلہ شیٔ " (اس کی مانند کوئی شے نہیں) اور بعض اوقات کاف اسم ہوا کرتا ہے مثلاً شاعر کا یہ مصرعہ ع یضحکن عن کالبرد المنہم (وہ پگھلے ہوئے اولے کی طرح ہنستی ہیں) اور مذ و منذ برائے زمانہ آتے ہیں یا زمانہ میں برائے ابتداء جیسے کہو گے ماہ شعبان میں " ما رأیتہ مذ رجب " (وہ مجھے رجب سے نظر نہیں آیا) یا برائے ظرفیت مثلاً " ما رأیتہ مذ شہرنا ومنذ یومنا " اے فی شہرنا فی یومنا (وہ مجھے اس مہینہ یا اس دن میں نظر نہیں آیا) اور خلا و عدا و حاشا برائے استثناء آتے ہیں مثلاً جاء نی القوم خلا زید وحاشا عمرو و عدا بکر (میرے پاس قوم آئی بجز زید کے اور علاوہ عمرو کے اور سوائے بکر کے)

تشریح قد یحذف حرف النفی الخ ۔ فرماتے ہیں ایسی جگہ کہ جہاں التباس کا اندیشہ نہ ہو حرفِ نفی حذف کر دیا جاتا ہے مثال کے طور پر " تاللہ تفتؤ تذکر یوسف کہ یہ دراصل " لا تفتؤا " تھا اس جگہ حرف نفی کے حذف ہونے کی نشاندہی اس سے ہو رہی ہے کہ مضارع کو مثبت قرار دینے کی صورت میں حسب قاعدہ مضارع جس وقت قسم کا جواب ہوتا ہے تو اس پر یہ ناگزیر ہوتا ہے کہ لام آئے اور اس جگہ لام نہیں آیا۔ تو یہ بات واضح ہو گئی کہ مضارع یہاں مثبت نہیں منفی ہے اور حرفِ نفی حذف کر دیا گیا ہے۔

و یحذف جواب القسم ۔ فرماتے ہیں کہ اگر اس جملہ کے بیچ میں یا اس کے بعد قسم واقع ہو رہی ہو جو جواب قسم کی نشاندہی کرتا ہے تو اس صورت میں قسم کا جواب حذف کر دیا جائے گا. مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " زیدٌ قائمٌ واللہ " یا " زیدٌ واللہ قائمٌ "

و عن للمجاوزۃ ۔ حروف جارہ میں سے ایک حرف جر عن ہے ۔ یہ برائے مجاوزت آیا کرتا ہے. مجاوزت کی تین صورتیں ہیں (۱) مفعول یا تو ایسا ہو کہ عن کے مدخول سے ہٹ کر کسی دوسری چیز کی جانب چلا گیا ہو. مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " رمیتُ السہم عن القوس الی الصید " ۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ مفعول عن کے مدخول سے زائل ہوئے بغیر کسی اور چیز کی جانب پہنچ گیا ہو۔ مثال کے طور پر

کہا جائے "اخذتُ عنہ العلم" (میں نے اس سے حصول علم کیا)

(۳) تیسری شکل یہ کہ وہ عن کے مدخول سے ملے بغیر ہٹ کر کسی دوسری چیز کی جانب پہنچ گیا ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " ادیتُ الدینَ عنہ الیٰ عمرو" (میں نے قرض اس کی جانب سے عمرو کو ادا کر دیا) تو ذکر کردہ مثال میں قرض مقروض کی جانب پہنچے بغیر اس سے ہٹ کر قرض خواہ کی جانب پہونچ گیا۔

وعلیٰ للاستعلاء۔ حروف جارہ میں ایک حرفِ جر علیٰ ہے۔ یہ برائے استعلاء آیا کرتا ہے اس سے قطع نظر کہ یہ استعلاء واقعی وحقیقی ہو۔ مثال کے طور پر "زید علی السطح" یا حقیقی نہ ہو بلکہ مجازی ہو مثال کے طور پر کہا جائے۔ "وعلیہ دین" (اس کے اوپر دَین ہے) اور فرماتے ہیں بعض اوقات عن اور علیٰ اسم بھی واقع ہوا کرتے ہیں اور ان کے اسم ہونے کی صورت میں ان پر مِنْ آیا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "جلست من عن یمینہ (میں اس کے دائیں جانب بیٹھا) "نزلتُ من علی الفرس" (اور میں گھوڑے پر سے اترا) علیٰ برائے مصاحبت بھی آیا کرتا ہے مثال کے طور پر یہ ارشاد ربانی "الحمد للّٰہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل" (الآیۃ) اور برائے تعلیل بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "ولتکبروا اللّٰہ علی ما ھداکم" (الآیۃ) اور برائے ظرفیت استعمال ہوتا ہے مثلاً "علی ملک سلیمان" الآیۃ

والکاف للتشبیہ۔ حروف جار میں سے ایک حرفِ جر کاف تشبیہ ہے اس کا استعمال جیسا کہ لفظ تشبیہ سے ظاہر ہے برائے تشبیہ ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "زیدٌ کعمرو" (زید عمرو کی طرح ہے) یا بہادری سے تشبیہ دیتے ہوئے اس طرح کہتے ہیں "عمرو کالاسد" (عمرو شیر کی طرح ہے) اور یہ کاف زائدہ بھی ہوا کرتا ہے مثال کے طور پر یہ ارشاد ربانی "لیس کمثلہ شئ" کہ یہاں کاف زائدہ ہے اور مراد یہ ہے "لیس مثلہ شئ" اور بعض اوقات کاف بطور اسم بھی آتا ہے مثال کے طور پر شاعر کا یہ قول ع: یضحکن عن کالبرد المنہم "یہاں "کالبرد" سے مراد "اسنان" (دانت) ہیں کہ اس کے دانت اولوں کی طرح سفید ہیں۔ اور کاف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہمیشہ اسم ظاہر پر آیا کرتا ہے ضمیر پر کبھی نہیں آتا۔

لیس کمثلہ شئ۔ اس میں تین شکلیں ممکن ہیں۔ اول کو کاف کو زائدہ مانا جانا۔ دوم یہ کہ کاف کو زائدہ نہ مانیں بلکہ مثل کو زائدہ تسلیم کریں۔ اسلئے کہ کاف کا آنا پہلے ہوا ہے اور مثل کا بعد میں۔ اور کاف کے ذریعہ ضرورت پوری ہوگئی تو از روئے قاعدہ بجائے پہلے کے دوسرے لفظ کو زائد ہونا چاہئے۔ اس بناء پر مثل ہی کو زائد مانا جائے۔ سوم یہ کہ نہ تو مثل کو زائد تسلیم کیا جائے اور نہ کاف کو اسلئے کہ نفی مثل کے مثل کی ہورہی ہے اور اس سے بطریق کنایہ نفیٔ مثل کا لزوم ہورہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مماثلت جانبین سے ہوا کرتی ہے کیونکہ اللہ کے مثل کا کوئی بھی مثل نہیں تو اللہ کا کوئی مثل نہیں۔ اور بمقابلۂ تصریح کنایہ زیادہ بلیغ ہوا کرتا ہے۔ بس یہی صورت راجح قرار پائے گی۔

ومُذ ومُنذ للزمان۔ حروفِ جار میں سے مُذ اور مُنذ بھی ہیں یہ دونوں برائے زمانہ آیا کرتے ہیں۔ یہ یا تو زمانۂ ماضی کے اندر فعل کے زمانہ کے آغاز کے واسطے آتے ہیں۔ مثلاً کوئی ماہ شعبان میں کہے "ما رأیتہ مُذ رجب"

(میں نے اسے ماہ رجب سے نہیں دیکھا) یا یہ زمانۂ حال میں برائے ظرفیت آتے ہیں مثال کے طور پر کہا جاتا ہے :۔
"ما رأیتہ مذ شہرنا و مذ یومنا" (میں نے اسے اس مہینہ اور اس دن سے نہیں دیکھا)۔

وخلا و عدا و حاشا للاستثناء۔ یہ تینوں حرف جر استثناء کے واسطے استعمال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "جاءنی القوم خلا زید و حاشا عمرو و عدا بکر" (بجز زید اور علاوہ عمرو اور سوا بکر کے قوم میرے پاس آئی)۔
واضح رہے کہ ان تینوں حروف میں سے کسی حرف کے ساتھ ان کے مدخول کو جر دینے کی صورت میں یہ حروف بدستور جارّہ رہیں گے۔ اور ان کے مدخول کو نصب دینے کی صورت میں یہ حروف فعل بن جائیں گے پس اس تفصیل کے مطابق بعض اوقات یہ تینوں فعل ہوا کرتے ہیں اور بعض اوقات حروف۔

فصل۔ الحروف المشبهة بالفعل ستةٌ إنَّ وأنَّ وكأنَّ ولكنَّ وليتَ ولعلَّ۔ هٰذهِ الحروفُ تدخُلُ على الجملة الاسميةِ تنصِبُ الاسمَ وترفعُ الخبرَ كما عرفتَ نحو إنَّ زيدًا قائمٌ وقد يلحقها ما الكافةُ فتكفُّها عن العملِ وحينئذٍ تدخُلُ على الافعالِ تقولُ إنّما قامَ زيدٌ۔

ترجمہ یہ فصل حروف مشبہ بالفعل کے بیان میں ہے۔ حروف مشبہ بالفعل کی کل تعداد چھ ہے :۔
(۱) إنَّ (۲) أنَّ (۳) كأنَّ (۴) لكنَّ (۵) ليت (۶) لعلَّ۔ یہ حروف جملہ اسمیہ پر آکر اسم کو منصوب اور خبر کو مرفوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ تم جان چکے ہو مثلاً "انّ زیداً قائم" اور بعض اوقات ان کے ساتھ ما کافہ کا الحاق ہوتا ہے۔ تو وہ انھیں عمل سے باز رکھتا ہے۔ اور اس وقت یہ افعال پر آتے ہیں کہو گے "انما قام زید"۔

تشریح۔ الحروف المشبہۃ بالفعل۔ حروف جر سے فراغت کے بعد اب صاحب کتاب حروف مشبہ بالفعل بیان فرما رہے ہیں۔ انھیں مشبہ بالفعل کہنے کا سبب یہ ہے کہ انہیں باعتبار لفظ اور باعتبار معنی دونوں طرح فعل سے مشابہت حاصل ہے۔ باعتبار لفظ مشابہت تو اس طرح کہ جس طریقہ سے فعل ماضی مبنی بر فتحہ ہوا کرتا ہے ٹھیک اسی طریقہ سے یہ حرف بھی فتحہ پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور جس طریقہ سے فعل کا حال یہ ہے کہ وہ خماسی بھی ہوتا ہے اور رباعی و ثلاثی بھی اسی طریقہ سے یہ حروف بھی ہوا کرتے ہیں۔ رہی معنوی مشابہت تو وہ اس طریقہ سے کہ إنّ اور أنّ کا جہاں تک تعلق ہے ان میں معنی حقیقت کے پائے جاتے ہیں اور کأنّ بمعنی "شابہت" اور "لکن" بمعنی "استدرکت" اور لیت بمعنی "تمنیت" اور "لعلّ" بمعنی ترجی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور مشابہت ان حروف اور فعل کے درمیان یہ ہے کہ جیسے فعل فاعل و مفعول کا متقاضی ہوتا

ہے ایسے ہی یہ دو اسم کے متقاضی ہوتے ہیں۔

وقد یلحقہا ما الکافۃ۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ان حروف کے ساتھ ما کافہ کا الحاق ہوتا ہے تو اس کا اثر یہ پڑتا ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا عمل برقرار نہیں رہتا اور وہ انھیں ان کے عمل سے باز رکھتا ہے۔ "کافہ" "کف" کا اسم فاعل ہے۔ روکنے والا۔ کیونکہ اس ما کے ذریعہ ان حروف کا عمل رک جاتا ہے اس بنا پر یہ اس نام سے موسوم ہوا۔ نیز فرماتے ہیں کہ جب ان حروف کے ساتھ ما کافہ آرہا ہو تو یہ افعال پر بھی آسکتے ہیں مثلاً انما قام زیدٌ"

واعلم اَنَّ إِنَّ المکسورۃَ الھمزۃ لاتُغیّرُ معنی الجملۃ بَلْ تؤکِّدُھا و اَنَّ المفتوحۃَ الھمزۃ مع مابعدَھا مِنَ الاسمِ والخبر فی حُکمِ المُفْرَدِ ولذٰلِکَ یجبُ الکسْرُ إذا کانَ فی ابتداءِ الکلام نحو إِنَّ زیدًا قائِمٌ و بعد القول کقولہ تعالیٰ "یَقُوْلُ إِنَّھَا بَقَرَۃٌ" وبعدَ المَوْصُولِ نحو مارأیتُ الَّذِی إِنَّہٗ فی المساجد وا ذاکان فی خبرِھا اللام نحو إِنَّ زیدًا لَقَائِمٌ ویجبُ الفتحُ حیثُ یقعُ فاعِلاً نحو بَلَغَنِی اَنَّ زیدًا قائِمٌ وحیث یقعُ مفعولاً نحو کرِھتُ اَنَّکَ قَائِمٌ وحیثُ یقع مُبتدأً نحو عِنْدِی اَنَّکَ قائِمٌ وحیثُ یَقَعُ مُضَافًا الیہ نحو عجبتُ من طول اَنَّ بَکْرًا قائِمٌ وحیثُ یقَع مجرورًا نحو عجبتُ مِنْ اَنَّ بَکْرًا قَائِمٌ وبعد لو نحو لواَنَّکَ عندنا لَاَکْرَمْتُکَ و بعدَ لولا نحو لولا اَنَّہٗ حَاضِرٌ لغابَ زیدٌ ویجوز العَطفُ علیٰ اسمِ إِنَّ المکسُورۃِ بالرفعِ والنصب باعتبارِ المحلِّ واللفظِ مثلُ إِنَّ زیدًا قائِمٌ وعمرو وعمرًا **واعلم** اَنَّ إِنَّ المکسورۃَ یجوزُ دُخولُ اللامِ علیٰ خبرِھَا وقد تُخَفَّفُ فیلزمُھَا اللامُ کقولِہٖ تعالیٰ وَإِنْ کُلًّا لَمَّا لَیُوَفِّیَنَّھُمْ وحینئذٍ یجوز الغاؤُھا کقولِہٖ تعالیٰ وَإِنْ کُلٌّ لَمَّا جَمِیْعٌ لَدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۔ و یجوز دُخُولُھَا عَلَی الأفعالِ علی المبتدأ والخبر نحو قولِہٖ تعالیٰ وَإِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ وَإِنْ نَظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ. وکذلکَ اَنَّ المَفْتُوحۃ قد تُخَفَّفُ فحینئذٍ یجبُ إعمالُھا فی ضمیرِ شانٍ مقدّرٍ فتدخل علی الجملۃ اسمیۃً کانت نحو بَلَغَنِی اَنْ زیدٌ قَائِمٌ اوفعلیۃً نحو بلغَنِی اَنْ قَدْ قامَ زَیْدٌ ویجبُ دخُولُ السین اوسوفَ او قَدْ اوحرفُ النفیِ علی الفِعلِ کقولِہٖ تعالیٰ عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی والضمیر المستترُ اسمُ اَنْ والجملۃ خبرُھا وکَاَنَّ للتشبیہِ نحو کاَنَّ زیدًا الاسدُ وھو مرکبٌ من کافِ التشبیہِ وإِنَّ المکسُورَۃِ وإنّما فُتِحَتْ لتقدُّمِ الکافِ علیھا تقدیرُہٗ إِنَّ زیدًا کالاسَدِ وقد تُخَفَّفُ فتُلغیٰ نحو کَاَنْ زیدٌ اسدٌ. ولٰکِنَّ للاستدراکِ

ویتوسط بین کلامین متغائرین فی المعنیٰ نحو ماجاءنی القومُ لٰکنّ عمرًا جاءَ وغابَ زیدٌ لٰکنّ بکرًا حاضرٌ ویجوز معہا الواوُ نحو قامَ زیدٌ ولٰکنّ عمرًا قاعدٌ وقد تخفف فتلغیٰ نحو مشیٰ زیدٌ لٰکنْ بکرٌ عندنا۔ ولیتَ للتمنی نحو لیتَ ہندًا عندنا واجاز الفراءُ لیتَ زیدًا قائمًا بمعنی اتمنّٰی۔ ولعلّ للترجّی کقول الشاعر شعر

أُحِبُّ الصَّالِحِینَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ؛ لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

وشذ الجربہا نحو لعلّ زیدٍ قائمٌ وفی لعلّ لغاتٌ علَّ وعَنَّ وأنَّ ولأنَّ ولعَنَّ۔ وعند المبرد اصلہٗ علَّ زیدت فیہ اللامُ والبواقی فروع۔

ترجمہ :- واضح رہے کہ وہ اِنَّ جس کے ہمزہ کو مکسور کیا گیا ہو اس سے جملہ کے معنیٰ نہیں بدلتے بلکہ وہ جملہ کے معنیٰ کی تاکید کرتا ہے اور اَنَّ جس کے ہمزہ کو فتحہ دیا جاتا ہے اس کے بعد میں آنے والے ہم اور خبر بحکم مفرد ہوا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے کلام کی ابتداء میں ہونے پر اِنّ پر کسرہ لانا واجب ہوتا ہے مثلاً "اِنَّ زیدًا قائم"۔ اور اسی طرح قول کے بعد اِنَّ کے ہمزہ پر کسرہ لانا لازم ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "یَقُوْلُ اِنَّہَا بَقَرَۃٌ" (الآیۃ) اور موصول کے بعد آنے پر ہمزہ مکسور ہوتا ہے مثلاً "مارأیتُ الذی اِنَّہٗ فی المساجدِ" (میں نے اس شخص کو مساجد میں نہیں دیکھا۔) اور اس کی خبر میں لام آنے پر ہمزہ مکسور ہوگا۔ مثلاً "اِنَّ زیدًا لقائمٌ"، اور اَنَّ فاعل واقع ہونے کی صورت میں اس کا مفتوح ہونا واجب ہے مثلاً "بلغنی ان زیدا قائم"، (مجھ تک یہ بات پہنچی کہ زید کھڑا ہونے والا ہے) اور مفعول واقع ہونے کی صورت میں بھی ہمزہ مفتوح ہوگا مثلاً "کرہتُ اَنّکَ قائم" (مجھے یہ ناپسند ہوا کہ تو کھڑا ہونے والا ہے) اور جس جگہ مبتدا واقع ہو وہاں مفتوح ہوگا مثلاً "عندی اَنّکَ قائم" (مجھے معلوم ہے کہ تو کھڑا ہونیوالا ہے) اور جہاں مضاف الیہ واقع ہو تو مفتوح ہوگا مثلاً "عجبتُ من طول ان بکرًا قائم" (مجھے اس امر کی طوالت سے تعجب ہوا کہ بکر کھڑا ہونے والا ہے) اور جس جگہ مجرور واقع ہو وہاں مفتوح ہوگا مثلاً "عجبتُ مِنْ اَنَّ بکرًا قائم" (مجھے اس بات سے تعجب ہوا کہ بکر کھڑا ہونے والا ہے) اور لَو کے بعد آئے تو ہمزہ مفتوح ہوگا مثلاً "لو اَنّکَ عندنا لاکرمتک" (اگر تیرا ہمارے پاس ہونا ثابت ہوتا تو میں تیرا اکرام کرتا) اور لولا کے بعد آنے پر ہمزہ مفتوح ہوگا۔ مثلاً "لولا انہ حاضرٌ لغاب زیدٌ" (اگر وہ حاضر نہ ہوتا تو زید غائب ہوتا) اور ان مکسورہ اسم پر محل اور لفظ کے اعتبار سے رفع و نصب لانا درست ہے۔ مثلاً "اِنَّ زیدًا قائمٌ وعمروٌ وعمرًا"۔ اور واضح رہے کہ اِنَّ مکسورہ کا اس کی خبر کے لام پر آنا درست ہے۔ اور بعض اوقات اِنّ کی تخفیف کر دی جاتی ہے تو خبر پر لام کا آنا لازم رہتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد :- "وَاِنْ کُلًّا لَمَّا لَیُوَفِّیَنَّہُمْ"، اور اس وقت اسے لغو و کالعدم قرار دینا درست ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ

کا ارشاد " وَاِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ " (الآیۃ) اور وہ افعال جو کہ مبتدا اور خبر پر آتے ہیں ان پر اس کا آنا درست ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد " وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ " وَاِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ " اور اسی طرح بعض اوقات اَنَّ مفتوحہ کی تخفیف کر دی جاتی ہے تو اس تخفیف کے وقت ضمیر شان مستتر میں عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے تو وہ جملہ اسمیہ پر آتا ہے مثلاً " بلغنی اَنْ زیدٌ قائمٌ " (مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ زید کھڑا ہوا) یا یہ جملہ فعلیہ پر آتا ہے مثلاً " بلغنی اَنْ قد قام زیدٌ " اور سین یا سوف یا قد یا حرف نفی کا فعل پر آنا واجب ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد " عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی " (الآیۃ) اور ضمیر مقدر اسم اَنْ اور خبر اَنْ واقع ہوئی۔

اور کَاَنَّ ۔ برائے تشبیہ ہے مثلاً " کَاَنَّ زیدًا لاسدٌ " (گویا کہ زید اسد ہے) اور کَاَنَّ تشبیہ کے کاف سے اور اِنَّ مکسورہ سے مرکب ہے اور اِنَّ پر فتحہ کاف کے اس پر مقدم ہونے کے باعث آیا۔ یہ دراصل " اِنَّ زیدًا کالاسد " ہے اور بعض اوقات اس میں تخفیف ہو جاتی ہے تو (باعتبار عمل) لغو (وکالعدم) ہو جاتا ہے مثلاً " کَاَنْ زیدٌ اسدٌ "۔

اور لٰکِنَّ برائے استدراک ہے اور دو ایسے کلاموں کے درمیان آتا ہے جو باعتبار معنی متغائر ہوں مثلاً " ماجاء نی القوم لٰکِنَّ عمرًا جاء، وغاب زیدٌ لٰکِنَّ بکرًا حاضرٌ " (قوم میں سے کوئی نہیں آیا لیکن عمرو آیا، اور زید غائب ہو گیا لیکن بکر حاضر رہا) اور لٰکِنَّ کا مع الواؤ آنا جائز ہے مثلاً " قام زیدٌ ولٰکِنَّ عمروًا قاعدٌ " اور بعض اوقات تخفیف کر دی جاتی ہے تو (باعتبار عمل) لغو ہو جاتا ہے مثلاً " مشٰی زیدٌ لٰکِنْ بکرٌ عندنا "۔

اور لَیْتَ برائے تمنی آتا ہے مثلاً " لیت ہندًا عندنا " (کاش ہند ہمارے نزدیک ہوتی) اور فراء کے نزدیک " لیتَ زیدًا قائمًا " کہنا درست ہے بشرطیکہ وہ بمعنیٰ " اتمنّٰی " ہو۔

اور لَعَلَّ برائے ترجی (توقع) آتا ہے۔ مثلاً شاعر کا یہ شعر

اُحِبُّ الصالحینَ ولستُ منہم　　　لعلَّ اللہ یرزقنی صلاحًا

(مجھے صالحین سے محبت ہے اور میں صالحین میں سے نہیں اس توقع پر کہ اللہ مجھے (بھی) صالح بنا دے) اور لعلّ کے ساتھ جر کا آنا شاذ کے درجہ میں ہے۔ مثلاً " لعلَّ زیدٍ قائمٌ "۔ اور لعل میں چند لغات ہیں (یعنی) عَلَّ، عَنَّ، اَنَّ، لَاَنَّ، لَعَنَّ۔ اور مبرد کے نزدیک یہ اصل میں " عَلَّ " تھا اس میں لام کا اضافہ کر دیا گیا۔ اور باقی لغات کی حیثیت فروع کی ہے۔

تشریح واعلم اَنَّ اِنَّ المکسورۃ الہمزۃ الخ یہاں صاحب کتاب تفصیل کے ساتھ حروف مشبہ بالفعل کے متعلق ذکر فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اِنَّ مکسورہ کا جہاں تک تعلق ہے اس سے معنیٔ جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور اس کے ذریعہ تحقیق و تاکید کے معنیٰ عیاں ہوتے ہیں۔ اور اَنَّ مفتوحہ کا معاملہ یہ ہے

کہ اس کے ذریعہ جملہ کے معنیٰ میں تبدیلی آتی ہے اور وہ اسے بتاویل مفرد کے حکم میں بنادیتا ہے۔ جملہ کے بحکم مفرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مصدرِ خبر کی اضافت اسم کی جانب کی گئی ہو۔

ولذلک یجب الکسر اذا کان فی ابتداء الکلام۔ فرماتے ہیں اسی بنیاد پر کہ اِنَّ کی وجہ سے معنیٰ جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اِنَّ مکسورہ آغاز کلام میں لایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "اِنَّ زیدًا قائمٌ" اور اسی طریقہ سے قول اور صلہ کے بعد اِنَّ مکسورہ آتا ہے کیونکہ بعد موصول حسب قاعدہ اس کا صلہ آیا کرتا ہے۔ اسی طرح خبر پر لام آنے کی صورت میں اِنَّ مکسورہ آئے گا۔ وجہ یہ ہے کہ لام کے ذریعہ معنیٰ جملہ کی تاکید ہوا کرتی ہے۔

واضح رہے کہ اِنَّ مکسورہ آنے کے جو چار مقامات بیان کئے گئے اس سے مقصود حصر ہرگز نہیں بلکہ ان کے علاوہ جگہوں پر بھی اِنَّ مکسورہ آتا ہے مثلاً دعاء، نداء، امر اور نہی کے بعد بھی یہ اِنَّ مکسورہ آیا کرتا ہے۔

ویجب الفتح حیث یقع فاعلاً۔ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جملہ سے ملکر فاعل واقع ہورہا ہو۔ مثلاً کہا جائے "بلغنی اَنَّ زیدًا قائمٌ"، یا یہ کہ مفعول واقع ہورہا ہو یا مبتدا واقع ہو یا مضاف الیہ واقع ہو یا یہ کہ مجرور واقع ہو یا یہ لَو کے بعد آئے یا لولا کے بعد آئے تو ان ذکر کردہ سب شکلوں میں اَنَّ پر فتحہ لانا اور اسے مفتوحہ پڑھنا ناگزیر ہوگا۔

واضح رہے کہ ان ذکر کردہ سات مواقع کے علاوہ اور مواقع بھی اس طرح کے ہیں کہ جہاں مفتوحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ان سات کے بیان سے مقصود حصر بالکل نہیں۔

ویجوز العطف علی اسم الخ: یہ دراصل "ویجب الفتح" پر معطوف ہے۔ یعنی کسی اسم کے اِنَّ مکسورہ کے اسم پر معطوف ہونے کی صورت میں اسے مرفوع پڑھنا بھی درست ہے اور منصوب پڑھنا بھی۔ محلِ اسم پر عطف کے باعث مرفوع پڑھنا صحیح ہے۔ کیونکہ ان کا اسم بلحاظ محل مبتدا ہونے کے باعث مرفوع ہوگا۔ اور الفاظِ اسم پر عطف کرتے ہوئے یہ بھی صحیح ہوگا کہ بجائے رفع کے نصب پڑھا جائے۔ اور محل پر عطف کے صحیح ہونے کا سبب یہ ہے کہ اِنَّ مکسورہ کے باعث معنیٰ جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور اس بنیاد پر یہ درست ہے کہ اسم اِنَّ کے محل پر کوئی اور اسم مع رفع معطوف ہو۔ پھر اِنَّ کے اندر تعمیم ہے خواہ اس پر باعتبار لفظ کسرہ آیا ہو یا بلحاظ حکم کسرہ آئے۔ اس کے برعکس اَنَّ مفتوحہ کا حال یہ ہے کہ اَنَّ کے اسم کے محل پر ذکر کردہ عطف مع الرفع درست نہیں۔ اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ اَنَّ مفتوحہ سے جملہ کے معنیٰ بدل جاتے ہیں لہذا اَنَّ مفتوحہ کو کالعدم قرار دیتے ہوئے اس کے محل اسم پر ذکر کردہ عطف بھی درست نہ ہوگا۔

واعلم اَنَّ اِنَّ المکسورۃ یجوز دخول اللام الخ: فرماتے ہیں جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اِنَّ سے معنیٰ جملہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی تو اس بناء پر یہ درست ہوگا کہ اس کی خبر پر لام تاکید آ جائے۔ اس کے برعکس اَنَّ کی خبر پر لام تاکید لانا درست نہیں کیونکہ لام تاکید کا آنا برائے تاکید جملہ ہوا کرتا ہے تو اس کا آنا اس کی خبر پر ہوگا جس کی بناء پر جملہ کی حیثیت میں تبدیلی نہ ہو بلکہ وہ اپنی جگہ برقرار رہے اور اس کی خبر پر لام نہ آئے گا جسکے باعث جملہ بتاویل مفرد بن جائے۔ اَنَّ مفتوحہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ جملہ کو بتاویل بحکم مفرد کردیا کرتا ہے۔

وقد تخفف فیلزمہا اللام الخ فرماتے ہیں کہ اِنَّ مکسورہ کو اس کے ثقل اور زیادہ استعمال کے باعث مخفف بھی کر لیتے ہیں اور مخفف کرنے کے بعد اس کے اِنْ نافیہ کے مانند ہونے کی بنا پر ان دونوں میں فرق وامتیاز پیدا کرنے کی خاطر اس کی خبر پر لام تاکید لے آتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ لام تاکید کا عمل عیاں ہو یا نہ ہو مگر اِنْ نافیہ سے امتیاز تو حاصل ہو ہی جاتا ہے۔

وحینئذ یجوز الغاؤہا الخ فرماتے ہیں کہ ان مکسورہ کے مخفف ہونے کی صورت میں یہ درست ہے کہ اس کا عمل کالعدم قرار دید یا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا آخر ساکن ہونے کے باعث یہ فعل کے ساتھ جس کی بنا پر وہ عمل کیا کرتا تھا مکمل طور پر مشابہ نہ رہا۔ مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ " وَاِنْ کُلٌّ لَمَّا جَمِیْعٌ لَدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ " (الآیۃ) کہ یہاں اِنْ مکسورہ مخفف ہونے کے باعث اس کا عمل کالعدم ہو کر " کُلٌّ " مرفوع ہو گیا۔ مگر اس شکل میں اصل کو دیکھتے ہوئے عمل دینا بھی درست ہوگا جیسے یہ ارشادِ باری تعالیٰ " وَاِنْ کُلًّا لَمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ " (الآیۃ) کہ اس میں ان مکسورہ مخفف ہونے کے باوجود عامل ہے۔

ویجوز دخولہا علی الافعال۔ یہ " یجوز الغاؤہا " پر معطوف ہے۔ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ اِنَّ مکسورہ کے مخفف ہو جانے کی صورت میں اس کا ان افعال پر آنا درست ہے جو کہ مبتدا اور خبر پر آیا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر افعالِ قلوب اور اس طرح کے دیگر افعال۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد " وان کنت من قبلہ لمن الغافلین، وَاِنْ نَظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ "، وجہ یہ ہے کہ درحقیقت اِنَّ اُن میں شمار ہوتا تھا جو کہ مبتدا اور خبر پر آیا کرتے ہیں اب اگر مخفف ہونے کی بنا پر ایسا ہونا ممکن نہیں تو ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ ان افعال پر آئے جو مبتدا اور خبر پر آیا کرتے ہیں تاکہ اس طریقہ سے امکانی حد تک رعایتِ اصل ملحوظ رکھی جا سکے۔ اور اس صورت میں بھی اس کے ساتھ لام تاکید آنا ضروری ہے جیسے کہ مذکورہ دونوں آیات میں لام تاکید آیا ہے۔

وکذلک اَنَّ المفتوحۃ۔ فرماتے ہیں کہ اِنَّ کی طرح اَنَّ مفتوحہ بھی مخفف ہو سکتا ہے اور مخفف ہونے کے بعد ضمیر شان مقدر و مستتر میں اس کا عمل کرنا واجب ہوگا۔ اگر اس جگہ کوئی یہ دریافت کرے کہ ضمیر شان میں اَنْ مخففہ کے عامل ہونے کا سبب کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ جہاں تک اَنَّ مفتوحہ کا تعلق ہے وہ بمقابلہ اِنَّ مکسورہ زیادہ مشابہ فعل ہے۔ لہٰذا اَنَّ مفتوحہ کے بعد ضمیر شان پوشیدہ تسلیم کیجائے گی تاکہ اِنَّ مکسورہ کو اَنَّ مفتوحہ پر امتیاز و فوقیت نہ حاصل ہو۔

فتدخل علی الجملۃ اسمیۃ الخ کہتے ہیں اِنْ مخففہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ سارے جملوں پر آیا کرتا ہے خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو۔ مثال کے طور پر " بلغنی اَنْ زیدٌ قائمٌ " یا وہ فعلیہ ہو مثلاً " بلغنی ان قد قام زیدٌ "۔

ویجب دخول السین او سوف الخ ان مخففہ کے محققہ بنجانے کے بعد فعل پر آنے کی صورت میں فعل پر ضروری ہے کہ سین یا سوف یا قد یا حرف نفی آئے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی " الآیۃ

والضمیر المستتر اسم ان الخ۔ اس جگہ صاحب کتاب اَنْ مفتوحہ مخففہ کی ترکیب کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ ضمیر مستتر تو اَنْ کا اسم واقع ہوگی اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر واقع ہوگا۔

وکانّ للتشبیہ الخ وہ حروف جو کہ مشبہ بالفعل شمار ہوتے ہیں ان میں سے ایک "کانّ" بھی ہے۔ اس کی ترکیب میں کاف تشبیہ اور اِنَّ مکسورہ شامل ہے۔ خلیل نحوی یہی کہتے ہیں اور صاحب کتاب کے نزدیک بھی راجح یہی ہے اور اس پر فتحہ کاف کے اس پر مقدم ہونے کی بناء پر دیا گیا۔ اور کاف کے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے تاکہ پہلی نظر میں پتہ چل جائے کہ کلام برائے تشبیہ ہے۔

وانما فتحت۔ یہ دراصل ایک پوشیدہ اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ کیا گیا کہ یہ واضح ہونے پر کہ کانّ کی ترکیب میں اِنَّ مکسورہ اور کاف تشبیہ داخل ہیں یہ حرف برائے نہیں ہے اس میں از روئے قاعدہ بجائے مفتوحہ کے اِنَّ مکسورہ آنا۔ اس کے خلاف کیوں ہوا؟

صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اندرون کانَّ ہمزہ کے مفتوحہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کاف جو دراصل حرف جر شمار ہوتا ہے اس سے قبل آیا ہے اور بعد حرف جر اِنَّ مکسورہ نہیں مفتوحہ آیا کرتا ہے لہذا رعایت صورت ملحوظ رکھتے ہوئے ہمزہ پر فتحہ لائے خواہ بلحاظ معنی وہ مکسور ہی کیوں نہ ہو اور "کانّ زید الاسد" یہ دراصل "اِنَّ زیداً کالاسد" تھا۔

وقد تخفف فتلغیٰ۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ "کانّ" کو مخففہ کر لیتے ہیں اور مخففہ ہو جانے کی صورت میں زیادہ صحیح مذہب کے مطابق اس کا عمل باقی نہیں رہتا۔ مخففہ ہونے کے بعد اس کے عامل نہ رہنے کا سبب یہ ہے کہ اس صورت میں اس کی مشابہت من الفعل برقرار نہ رہی۔

ولکنّ للاستدراک۔ حروف مشبہ بفعل میں سے ایک "لکنّ" بھی ہے۔ یہ برائے استدراک آیا کرتا ہے از روئے معنیٰ لغوی استدراک کسی شے کے حصول کو کہتے ہیں۔ اور از روئے اصطلاح اس کے معنیٰ ہیں پچھلے کلام سے ازالۂ وہم کرنا۔ نیز لکنّ کا استعمال ایسے دو کلاموں کے بیچ ہوا کرتا ہے جو بلحاظ معنی اندرون اثبات ونفی متغائر واقع ہوں اس سے قطع نظر کہ بلحاظ الفاظ ان میں تغایر ہو یا نہ ہو مثلاً کہا جاتا ہے "ماجاءنی القوم لکنّ عمرواً جاء" "غاب زیدٌ لکنّ بکراً حاضرٌ"

ویجوز معھا الواو۔ فرماتے ہیں کہ اگر لکنّ کے ساتھ واؤ آجائے تو یہ درست ہے خواہ یہ لکنّ مشدّدہ ہو یا مخففہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے "قام زیدٌ ولکنّ عمرواً قاعدٌ"۔ لکنّ سے قبل واؤ لانے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ اس میں اور "لکنّ" عاطفہ میں فرق وامتیاز مقصود ہے۔ اسلئے کہ لکنّ اگر عاطفہ ہو تو اس پر حرف عطف کا لانا ہی صحیح نہیں۔

وقد تخفف فتلغیٰ۔ فرماتے ہیں کہ "لکنّ" کے مخففہ ہو جانے کی صورت میں اس کا عمل برقرار نہیں رہتا۔ وجہ یہ ہے کہ مخففہ ہونے پر اس کی فعل سے مشابہت کمزور پڑ جاتی ہے اور یہ بلحاظ لفظ اور باعتبار معنی "لکنّ" عاطفہ

سراج النحو

سے مشابہت اختیار کرلیتا ہے۔ مگر لکنَّ عاطفہ میں عامل بننے کی صلاحیت نہیں۔ مخفف ہونے کے بعد عمل نہ کرنے کی مثال "مشیٰ زیدٌ لکن بکرٌ عندنا" اکثر و بیشتر نحاۃ کا مسلک یہی ہے۔ البتہ نحویوں میں یونس و اخفش کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس کا عمل کرنا درست ہے۔

ولیت للتمنی۔ لیت حروفِ مشبہ بفعل میں سے ایک حرف ہے جو تمنی کے واسطے استعمال ہوا کرتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "لیت ہنداً عندنا"۔ فرار نحوی کہتے ہیں کہ بعد لیت آنے والے جملہ کے دونوں اجزاء کو منصوب کرنا درست ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "لیتَ زیداً قائماً" یعنی "اتمنّی" کے معنیٰ میں۔

ولعلَّ للترجی۔ حروف مشبہ بالفعل میں سے لعلَّ برائے ترجی آیا کرتا ہے تمنی اور ترجی کے درمیان فرق یہ کیا گیا کہ تمنا کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو خواہ ناممکن ہو یا ممکن ہر شے کی کرسکتے ہیں اور ترجی محض اس شے کی ہوا کرتی ہے جس کے ہونے کا امکان ہو۔ لہٰذا مثال کے طور پر "لیت الشباب یعود" تو کہنا درست ہوگا مگر "لعل الشباب یعود" کہنا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ شباب کا لوٹ آنا محال ہے۔

وشذ الجر بہا۔ فرماتے ہیں کہ لعلّ کے باعث کہیں جر کا آنا یہ شاذ کے درجہ میں ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "لعلّ زیدٍ قائمٌ"۔ اور شاذ سے استدلال درست نہیں۔

وفی لعل لغات۔ واضح رہے کہ لعلّ کے سلسلہ میں لغات کی کل تعداد دس ہے ان دس میں سے صاحبِ کتاب نے چھ بیان فرمائیں۔ علامہ مبرد کہتے ہیں کہ ان ساری لغات کی اصل "علّ" ہے اس کی ابتداء میں لام کا اضافہ کردیا گیا۔ رہیں باقی لغات تو ان کی حیثیت فرع سے زیادہ نہیں۔ زیادہ فصیح اور زیادہ مشہور عند الجمہور صرف لعل ہے۔

فصل حروفُ العطف عشرة الواو والفاء وثمّ وحتّیٰ واَوْ واِمّا واَمْ ولا وبلْ ولکنْ۔ فالاربعةُ الاُوَلُ للجمع مُطلقًا نحوجاءَنی زیدٌ وعمرٌو وسواءٌ کانَ زیدٌ مقدّمًا فی المجیٔ اوعمرٌو والفاء لِلترتیب بلا مهلةٍ نحو قامَ زیدٌ فعمرٌو اذا کان زیدٌ متقدِّمًا وعمرٌو مُتأخِرًا بلا مهلةٍ وثمّ بمُهلةٍ نحو دَخَلَ زیدٌ ثمّ عمرٌو واذا کانَ زیدٌ متقدمًا وبینهما مُهلةٌ وحتّیٰ کثمَّ فی الترتیب والمهلةِ الا ان مهلتَها اقلُّ من مهلةِ ثمّ ویشترط ان یکونَ معطوفها داخلًا فی المعطوفِ علیه وهی تُفِیدُ قوّةً فی المعطوفِ نحومات الناسُ حتّی الانبیاءُ اوضعفًا نحوقدم الحاجُّ حتّیٰ المشاةُ واَوْ واِمّا واَمْ ثلثتها لثبوتِ الحکم لِاحَدِ الاَمرَین مُبْهمًا لابعینِهٖ نحو مررتُ برجلٍ اوامرأةٍ واِمّا انما تکون حرفَ العطفِ اذا تقدّمَ منها اِما اُخریٰ نحوالعددُ اِمّا زوجٌ واِمّا فردٌ ویجوزان یتقدم اِمّا علیٰ اَوْ نحو زیدٌ اِمّا کاتِبٌ اواُمِّیٌّ واَمْ علیٰ قسمینِ مُتصِلةٌ وهی مایُسالُ بها عن

تَعْيِيْنِ اَحَدِ الامرَيْنِ والسائِلُ بها يعلم ثبوت احدِهما مُبهمًا بخلافِ اَوْ و اِمَّا فانَّ
السَّائِلَ بهما لايعلم ثبوت احدِهما اَصْلاً و تُستَعْمَلُ بثلثةِ شرائِطَ الاولُ اَنْ يَقَعَ
قَبلَها همزةٌ نحوازيدٌ عِنْدَكَ ام عَمْرٌو والثانى اَنْ يليهما لفظٌ مثلُ مايَلِى الهمزةَ
اعنِى ان كانَ بَعدَ الهَمْزةِ اِسْمٌ فكذلِكَ بعدَ اَمْ كما مَرَّ وان كانَ بعدَ الهمزةِ فِعلٌ
فكذلِكَ بعدَها نحو آقامَ زيدٌ ام قَعَدَ فلايُقالُ ارأيتَ زيداً ام عَمْرواً والثالث
اَن يكونَ احَدُ الامرين المستَوِيَيْنِ محققًا وانما يكونُ الاستِفهامُ عن التعيينِ
فلِذٰلكَ يجبُ اَنْ يكونَ جَوابُ اَمْ بالتعيين دُونَ نَعم اولَا فاذا قيلَ ازيدٌ عِندَكَ
اَمْ عَمْرٌو فجوابه بتعيين احدِهما اما اِذا سُئِلَ باَوْ و اِمَّا فجوابُه نَعَمْ اولَا و
منقطعةٌ وهِىَ ما تكونُ بمعنى بل مع الهَمزةِ كما رأيت شَبَحًا من بعيدٍ قلتَ اِنَّها
لَاِبلٌ على سَبيل القَطعِ ثم حَصَلَ لكَ شَكٌّ انها شاةٌ فقُلْتَ ام هى شاةٌ تقصُد
الاِعراضَ عَنِ الاخبارِ الاوّل والاستيناف بسُؤالٍ آخَرَ معناه بَل هِىَ شاةٌ

ترجمہ یہ فصل حروفِ عطف کے بیان میں ہے۔ حروفِ عطف کی کل تعداد دس ہے (۱) واوؔ (۲)
فا (۳)؛ (۴) حتی (۵) اَوْ (۶) اِمّا (۷) اَمْ (۸) لا (۹) بَلْ (۱۰) لٰکِن۔ پہلے ذکر کردہ چار مطلقًا
برائے جمع آتے ہیں مثلاً " جاءنی زیدٌ و عمرٌو " (میرے پاس زید اور عمرو آئے) یکساں ہے کہ زید پہلے
آئے یا عمرو۔ اور فاؔ بلا تاخیر برائے ترتیب ہے۔ مثلاً " قام زید فعمرو " (زید کھڑا ہوا پھر فوراً عمرو) جبکہ
زید پہلے کھڑا ہوا ہو اور عمرو بلا تاخیر بعد میں۔
اور ثمّ۔ برائے ترتیب وقفہ کے ساتھ آتا ہے مثلاً " دخل زیدٌ ثم عمرو " جبکہ زید پہلے کھڑا ہوا ہو اور
زید و عمر کے کھڑے ہونے میں وقفہ ہو۔
اور حتّٰی، ثُمَّ کی طرح ہے از روئے ترتیب اور از روئے وقفہ۔ البتہ حتّٰی میں وقفہ بنسبت ثمّ کے کم ہوتا
ہے۔ اور اس میں یہ شرط ہے کہ اس کا معطوف معطوف علیہ میں داخل ہو۔
اور حتّٰی کا فائدہ معطوف کو تقویت دینا ہے مثلاً " ماتَ الناسُ حتی الانبیاء " (لوگوں کا انتقال ہوا حتّٰی
کہ انبیاء علیہم السلام کا بھی وصال ہوا) یا اس سے ضعف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے مثلاً " قَدِمَ الحاجُّ حتیّ
المشاۃُ " (حاجی آئے یہاں تک کہ پاپیادہ حاجی آئے)۔
اور اَوْ اور اِمّا اور اَمْ تینوں دو امروں میں سے کسی ایک امر کے حکم کو ثابت کرنے کی خاطر آتے ہیں
بشرطیکہ ثبوت میں ابہام ہو اور کسی ایک امر کے واسطے معین نہ ہو مثلاً مررتُ برجلٍ او امرأۃٍ (میں ایک مرد یا
ایک عورت کے ساتھ گذرا) اور اِمّا سے قبل دوسرا اِمّا آنے کی صورت میں وہ صرف حرف عطف ہوتا ہے۔

مثلاً "العدد اِمّا زوجٌ وامّا فردٌ" (عدد یا جفت ہے یا طاق) اور اِمّا کا اَو سے پہلے آنا درست ہے مثلاً "اِمّا کاتبٌ او اُمّیٌ"

اور اَم کی دو قسمیں ہیں (۱) متصلہ۔ متصلہ وہ کہلاتا ہے جس کے ذریعہ دو امروں میں سے ایک امر کے متعین کرنے کا سوال ہو اور سوال کرنے والا دونوں میں سے ایک کے متعلق مبہم طور پر آگاہ ہو۔ بخلاف اَوْ و امّا کے (کہ ان میں اس طرح کا علم نہیں ہوتا) کیونکہ ان دونوں میں سوال کرنے والے کو دونوں امروں میں سے ایک کے ثبوت کا بالکل علم نہیں ہوتا۔

اور اَم متصلہ کا استعمال تین شرائط کے ساتھ ہوتا ہے۔ اول یہ کہ اس سے پہلے ہمزہ آرہا ہو مثلاً "ازیدٌ عندکَ ام عمروٌ" (تیرے پاس زید ہے یا عمرو) دوم یہ کہ اس سے کسی ایسے لفظ کا اتصال ہو جیسے لفظ کا اتصال ہمزہ سے ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ اگر ہمزہ کے بعد اسم آرہا ہو تو اَم کے بعد بھی اسم آئے گا جیسا کہ گذر چکا۔ اور اگر ہمزہ کے بعد فعل آرہا ہو تو اسی طرح اَم کے بعد بھی آئے۔ مثلاً "اَقَامَ زیدٌ اَم قَعَدَ" (کیا زید کھڑا ہوا یا بیٹھ گیا) تو "ارأیت زیدًا ام عمرًا" نہیں کہا جاتا۔ سوم یہ کہ دو یکساں امروں میں سے ایک امر ثابت ہو اور یہ استفہام صرف تعیین سے متعلق ہو۔ اسی واسطے اَم کا جواب تعیین کے ساتھ ہونا لازم ہے۔ نَعَم (ہاں) یا لَا (نہیں) کے ساتھ نہیں تو "ازیدٌ عندک ام عمروٌ" کہنے کی صورت میں اس کا جواب دونوں میں سے ایک کی تعیین کے ساتھ ہوگا لیکن اَمّا یا اَوْ کے ساتھ سوال کی شکل میں اس کا جواب نَعَم یا لَا کے ساتھ ہوگا۔

(۲) ام منقطعہ۔ وہ کہلاتا ہے جو مع الہمزہ بل کے معنی میں ہو۔ جیسے تم دور سے ایک صورت کو دیکھ کر کہو کہ یقیناً اونٹ ہے۔ پھر تمھیں اس پر بکری ہونے کا شک ہو اور کہو یا وہ بکری ہے اور اس سے مقصود پہلی اطلاع سے پہلو تہی ہو۔ اور دوسرے سوال کا آغاز تو اس کے معنی یہ ہونگے "بل ہی شاۃ" (بلکہ وہ بکری ہے (یا اور کوئی چیز)

تشریح حروف العطف الخ صاحب کتاب حروف مشبہ بفعل کے بیان سے فراغت کے بعد حروف عطف بیان فرما رہے ہیں ان میں سے پہلے چار کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا مقصد معطوف اور معطوف علیہ کو بحکم واحد اکٹھا کرنا ہوتا ہے یعنی معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔

فالواو للجمع مطلقاً۔ فرماتے ہیں کہ واؤ کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو مطلقاً برائے جمع آیا کرتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "جاءَنی زیدٌ وعمروٌ" اس سے زید اور عمرو کا آنا تو ضرور معلوم ہوا مگر یہ پتہ نہیں چلا کہ پہلے کون آیا اور بعد میں کون۔

والفاء للترتیب۔ اس کے برعکس فا کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ صرف جمع ہی کے لئے نہیں آتی بلکہ اس سے بلا تاخیر ترتیب کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "قامَ زیدٌ فعمروٌ" (زید کھڑا ہوا تو فوراً عمرو کھڑا ہوا) یہ اس صورت میں کہا جاتا ہے جبکہ زید پہلے کھڑا ہوا اور اس کے بعد بلا تاخیر عمرو کھڑا ہو گیا ہو۔

وثم للترتیب بمہلۃ۔ کہتے ہیں کہ ثم، فا کی طرح ترتیب ظاہر کرتا ہے مگر اس سے اس کی نشاندہی ہوا کرتی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جو ترتیب ہے وہ وقفہ اور ذرا تاخیر کے ساتھ ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "دخل زیدٌ ثم عمروٌ" (زید داخل ہوا اور وقفہ کے ساتھ عمرو)۔

وحتّٰی کثم فی الترتیب۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ترتیب اور وقفہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں حتّٰی ٹھیک ثم کی طرح ہے۔ البتہ ان دونوں کے درمیان فرق وامتیاز کی شکل یہ ہے کہ حتّٰی میں وقفہ بلسبت ثم کے کم ہوا کرتا ہے نیز حتّٰی میں معطوف کے معطوف علیہ میں داخل ہونے کی شرط ہے تاکہ باعتبار قوت وضعف جو حکم برائے معطوف علیہ ہو ٹھیک وہی حکم معطوف کے واسطے بھی ہو۔ معطوف و معطوف علیہ کے قوی ہونے کی صورت میں فائدۂ قوت حاصل ہوگا مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "مات الناس حتّی الانبیاء" اور ضعیف ہونے کی شکل میں فائدۂ ضعف حاصل ہوگا مثلاً کہا جاتا ہے "قدم الحاج حتّی المشاۃ"۔

واَوْ و امّا وام الخ اس جگہ صاحب کتاب وہ حروف عاطفہ ذکر فرما رہے ہیں جن کا آنا دو ایسے مبہم اور متکلم کے علم میں غیر معین امروں میں سے کسی ایک امر کے حکم ثابت کرنے کے لئے آتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں "مررت برجل اوامرأۃ" تو اس میں ایک امر یعنی رجل یا امرأۃ متعین نہیں اور جس طریقہ سے ان تینوں کا استعمال دو امروں میں کسی ایک مبہم امر کے واسطے ہوا کرتا ہے اسی طریقہ سے دو سے زیادہ مبہم امور سے کسی ایک مبہم امر کے واسطے بھی آیا کرتے ہیں۔ صاحب کتاب نے یہاں مبہم امور کے سب سے کم درجہ کو بیان فرما کر اور درجے ترک فرما دئے۔

واما انما تکون حرف العطف الخ۔ یہاں صاحب کتاب جو کچھ فرما رہے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بذریعہ امّا عطف اس صورت میں درست قرار دیا جائے گا جبکہ معطوف علیہ کے شروع میں ایک امّا کا اضافہ کر دیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "العدد امّا زوجٌ وامّا فردٌ" یہ صورت تو امّا لانے کے وجوب کی ہے۔ اور ایک صورت جواز کی یہ ہے کہ امّا، اَوْ کے ساتھ آرہا ہو کہ وہاں زیادہ بہتر امّا لانا ہے اور نہ لانا بھی جائز ہے مثال کے طور پر کہا جائے "اما کاتب او امی" کہ اس طرح بولنا درست ہے مگر زیادہ فصیح امّا کے ساتھ ہے۔

وأم علیٰ قسمین۔ اس جگہ امْ اور امّا اور اَوْ کے درمیان جو فرق ہے اس کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اول فرماتے ہیں کہ امْ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک قسم اس کی متصلہ کہلاتی ہے اور دوسری منقطعہ۔ ام متصلہ کے واسطے سے دو امور میں سے ایک امر کے متعین کرنے کا سوال کرتے ہیں بشرطیکہ سوال کرنے والا اس سے آگاہ ہو کہ ان دو امور میں سے ایک امر ضرور ثابت ہے صرف اس کے ذریعہ ایک کی تعیین مقصود ہے۔ اس کے برعکس اَوْ اور امّا کے ذریعہ بھی کسی ایک مبہم امر کے ثابت ہونے کا سوال ہوتا ہے مگر اس میں سوال کرنے والے کو اس کا علم ہرگز نہیں ہوتا کہ غیر متعین طور پر دونوں امور میں سے کون سا امر ثابت شدہ ہے۔ مثال کے طور پر اگر کہا جائے "ازیدٌ عندک ام خالدٌ" تو اس سے اس کا اظہار کرنا ہوتا ہے کہ یہ تو سوال کرنے والے کو خبر ہے کہ زید اور خالد میں سے کوئی ایک مخاطب کے پاس ہے۔ البتہ بولنے والا یہ تعیین نہیں کر سکتا اور اس کا مقصد مخاطب سے تعیین کرانا ہے۔ اور اس کے برعکس اگر اس

طرح کہا جائے "أزیدٌ عندک أو خالدٌ" یا "اما زید عندک واما خالدٌ" تو منشاء یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ مخاطب کو سرے سے اسکی خبر ہی نہیں کہ ان میں سے کوئی مخاطب کے پاس ہے بھی یا نہیں۔

(تستعمل بثلثۃ شرائط۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اَمْ متصلہ کے استعمال کی تین شرطیں ہیں کہ یہ شرائط پائے جانے کی صورت میں اَم کا استعمال درست قرار دیا جائیگا ورنہ استعمال صحیح نہ ہوگا۔ ان تین شرطوں میں سے شرط اول یہ قرار دی گئی کہ اس سے قبل ہمزہ استفہام آرہا ہو۔ مثال کے طور پر کہا جائے "أزیدٌ عندک ام عمروٌ" ہمزۂ استفہام میں تعمیم ہے خواہ یہ ہمزہ لفظوں میں ہو یا تقدیراً ہو۔ شرط دوم یہ قرار دی گئی کہ اَم کے ساتھ ٹھیک اسی طرح کے لفظ کا اتصال ہو جس طرح کے لفظ کا اتصال ہمزہ کے ساتھ ہو۔ مثلاً اگر ہمزہ کے بعد اسم کا اتصال ہو تو اسی طریقہ سے اَم کے بعد بھی اسم کا اتصال ہو۔ اور بعد ہمزہ فعل آرہا ہو تو اسی طریقہ سے اَم کے بعد بھی فعل آئے مثال کے طور پر کہا جائیگا "اقام زیدٌ اَم قعدَ" اور "ارأیت زیداً ام عمرواً" نہیں کہتے اسلئے کہ اس میں جس طرح کے کلمہ کا اتصال ہمزہ کے ساتھ ہے اسی طرح کا ہمزہ کے اَم کے ساتھ اتصال نہیں۔ شرط سوم یہ کہ بولنے والے کے نزدیک دونوں امور میں سے ایک امر یقین کے ساتھ ثابت ہو اور استفہام سے مقصود محض ان میں سے ایک امر کی تعیین ہو۔ پس ضروری ہے کہ برائے تعیین جواب اَمْ کے ساتھ ہو نعم یا لا کے ساتھ نہ ہو۔ تو جب مثلاً "ازیدٌ عندک اَم عمروٌ" کہا جائے تو اس کا جواب کسی ایک کی تعیین کے ساتھ ہوگا۔ البتہ اَو یا اَمَّا کے ذریعہ سوال کی صورت میں نعم یا لا سے جواب دینا درست ہوگا اس لئے کہ یہاں مقصود تعیین ہے ہی نہیں۔

(منقطعۃ الخ اَمْ کی قسم دوم منقطعہ کہلاتی ہے یہ ہمزہ کے ساتھ بل کے معنی میں ہوا کرتا ہے اور اس سے مقصود کلام اول سے اجتناب اور کلام ثانی میں شک ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی چیز فاصلہ سے دیکھ کر یہ خیال کرکے کہ یہ اونٹ ہے یقین کے ساتھ "انہا لإبلٌ" کہدیا جائے اس کے بعد اس کے اونٹ ہونے میں شک ہو اور یہ خیال ہو جائے کہ یہ شکل اونٹ کی نہیں بکری کی ہے اور شک کی بنیاد پر کلام اول سے اجتناب کرتے ہوئے "ام ہی شاۃٌ" کہدے تو یہاں "ام ہی شاۃٌ" کے معنی دراصل "بل ہی شاۃ" کے ہوں گے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اَمِ المنقطعۃَ لاتُسْتَعْمَلُ اِلَّا فِی الخبرِ کما مَرَّ و فی الاستفہامِ نحو اعندکَ زیدٌ ام عمروٌ سألتَ اولاً عن حصُولِ زیدٍ ثم اَضْرَبْتَ عن السُّؤالِ الاوّلِ واخذتَ فِی السؤالِ عن حصُولِ عمرٍو ولَا وبَلْ ولٰکِنْ جمیعُھا لثُبُوتِ الحُکْمِ لأحدِ الأمرین معیناً امّا لَا فلنفی ما وَجَبَ لِلاولِ عَنِ الثانی نحو جاءَنی زیدٌ لَا عَمرٌو وبَلْ للإضرابِ عنِ الاول والاثباتِ للثانِی نحو جاءَنی زیدٌ بل عمروٌ و مَعناہ بل جاءَنِی عمرٌو وماجاءَ بکرٌ بل خالِدٌ معناہ بَلْ جاءَ خالِدٌ۔ ولٰکن للاِستدراکِ ویلزمُھا النفیُ قبلھا نحو ماجاءَنِی زیدٌ لکن عمرٌو جاءَ اوبَعدَھا نحو

قَامَ بَکْرٌ لٰکِنْ خَالِدٌ لَمْ یَقُمْ

ترجمہ :۔ اور واضح رہے کہ ام منقطعہ صرف خبر میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ گذرا۔ اور استفہام میں مثلاً آعندک زیدٌ ام عمروٌ۔ اول تم نے زید کے موجود ہونے کے متعلق دریافت کیا پھر اس سوال سے اعراض کرتے ہوئے عمرو کی موجودگی کے متعلق پوچھا۔

اور لا اور بل اور لکن یہ سب اس لئے آتے ہیں کہ معین طور پر دو امور میں سے ایک کے واسطے حکم ثابت کریں۔ رہا لا تو وہ دوسرے کی اس سے نفی کرتا ہے جو اول کے لئے ثابت ہو مثلاً "جاءنی زیدٌ لا عمروٌ" (میرے پاس زید آیا عمرو نہیں) اور بل۔ اول سے اعراض اور دوسرے کے لئے اثبات کی خاطر آتا ہے مثلاً "جاءنی زیدٌ بل عمروٌ" (میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو) اور اس کے معنی یہ ہیں بلکہ عمرو میرے پاس آیا اور (مثلاً) "ماجاء بکرٌ بل خالدٌ" اس کے معنی یہ ہیں کہ خالد نہیں آیا۔

اور لکن برائے استدراک آتا ہے اور یہ لازمی طور پر اپنے ماقبل کی نفی کرتا ہے۔ مثلاً ماجاءنی زیدٌ لکن عمروٌ جاء (میرے پاس زید نہیں آیا لیکن عمرو آیا) یا نفی لکن بعد میں ہو۔ مثلاً "قام بکرٌ لکن خالدٌ لم یقم" (بکر کھڑا ہوا لیکن خالد کھڑا نہیں ہوا)

تشریح واعلم ان ام المنقطعۃ الخ صاحب کتاب یہاں یہ فرماتے ہیں کہ ام منقطعہ کے استعمال کئے جانے کی دو شکلیں ہیں۔ بعض اوقات اس کا استعمال خبر کے بعد ہوا کرتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کردہ مثال میں استعمال ہوا اور بعض اوقات یہ استفہام کے بعد آیا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "اعندک زیدٌ ام عمروٌ" اس مثال میں پہلے زید کی موجودگی اور مخاطب کے پاس ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ اس کے بعد سابق سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بجائے زید کے عمرو کی موجودگی کے بارے میں پوچھا گیا۔

ولا وبل ولکن۔ یہ ذکر کردہ تینوں حروف عاطفہ اس طرح کے ہیں کہ ان کے واسطہ سے دو امور میں سے کوئی سا امر معین ہو جانے کے بعد معطوف اور معطوف علیہ میں کسی ایک کی جانب حکم کا انتساب ہوتا ہے البتہ ان تینوں حروف میں سے لا کا حال یہ ہے کہ وہ ثانی سے اس چیز کی نفی کیا کرتا ہے جو اول کے واسطے ثابت ہو رہی ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "جاءنی زیدٌ لا عمروٌ" تو اس مثال میں لا کے ذریعہ اٰتن کی نفی کی گئی جو اول یعنی زید کے واسطے یا یہ کہا جائے کہ معطوف علیہ کے واسطے ثابت ہے۔ اور بل کا جہاں تک تعلق ہے وہ اول سے تو اعراض اور ثانی کے اثبات کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر معطوف علیہ سے اعراض کر کے حکم کا اثبات معطوف کے لئے کرتا ہے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "جاءنی زیدٌ بل عمروٌ" تو اس مثال میں حکم کا اثبات معطوف یعنی عمرو کے واسطے ہے۔

ولکن للاستدراک۔ فرماتے ہیں لکن کا استعمال برائے ازالۂ وہم ہوا کرتا ہے اور لکن کے ساتھ نفی کا ہونا بھی لازم

ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ نفی لکن سے قبل ہو یا لکن کے بعد۔
اور لکن میں دو شکلیں ہیں یعنی اس میں یا تو عطف جملہ علی الجملہ ہوگا۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "ماجاءنی زید لکن عمرو جاء" یا کہا جاتا ہے "قام بکر لکن خالد لم یقم"۔ یا عطف مفرد علی المفرد ہوا کرتا ہے مثلاً "ما جاء زید لکن عمرو" عطف مفرد علی المفرد کی صورت میں نفی محض لکن سے قبل لازم ہوگی۔

فصل حُرُوفُ التنبیہ ثلٰثۃٌ اَلَا وَ اَمَا وَهَا وُضِعَتْ لتنبیہِ المخاطبِ لِئَلَّا یفوتَہٗ شیئٌ من الکلامِ فَاَلَا وَاَمَا لا یدخُلانِ الا علی الجملۃِ اسمیۃً کانتْ نحو قولہٖ تعالیٰ "اَلَا اِنَّھُمْ ھُمُ المفسدُونَ" وقولِ الشاعر **شعر** اَمَا والذِی اَبکیٰ واضحکَ والذی، اَمَاتَ وَاَحْیٰی والذی امرُہٗ الاَمرُ۔ او فعلیۃ نحو اما لا تفعل وَ اَلَا لا تَضرِبُ والثالثُ هَا تدخُلُ علی الجملۃ الاسمیۃ نحو هَا زیدٌ قائمٌ والمفردِ نحو ھٰذا وھٰؤلاء

فصل حُرُوفُ النداءِ خمسۃٌ یَا وَ اَیَا وَھَیَا وَ اَیْ والھمزۃُ المفتوحۃُ فَاَیْ والھمزۃ للقریبِ وایا وھیا للبعیدِ و یَا لھُمَا وللمتوسِّطِ وقد مرَّ اَحکامُ المنادیٰ

ترجمہ:۔ یہ فصل حروف تنبیہ کے بیان میں ہے۔ حروف تنبیہ کی تعداد تین ہے (۱) اَلَا (۲) اَمَا (۳) ہَا۔ ان کی وضع مخاطب کو متنبہ کرنے کی خاطر کی گئی تاکہ (غفلت کے باعث) اس سے کلام کا کوئی حصہ چھوٹنے نہ پائے تو اَلَا اور اَمَا یہ دونوں صرف جملہ اسمیہ پر آتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اَلَا اِنَّھُمْ ھُمُ المُفْسِدُوْنَ" (الآیۃ) اور شاعر کا قول:۔

اما والذی ابکیٰ واضحک والذی ✽ اَمات واحییٰ والذی امرُہٗ الامرُ

(مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے اشکبار کیا اور ہنسایا۔ اور جس نے موت دی اور زندگی بخشی اور اس ذات کی قسم کہ جس کا امر ہی امر ہے)
یا جملہ فعلیہ پر۔ مثلاً "امالا تفعل (خبردار تو نہ کرے) و اَلَا لاتضرب (خبردار تو زدوکوب نہ کرے) اور حرف سوم ھا ہے۔ یہ جملہ اسمیہ پر آتا ہے مثلاً "ہا زیدٌ قائمٌ" (آگاہ ہو۔ زید کھڑا ہونے والا ہے) اور ہا مفرد پر آتا ہے مثلاً "ہٰذا" اور "ہٰؤلاء"
یہ فصل حروف نداء کے بیان میں ہے۔ حروف ندا کی تعداد پانچ ہے (۱) یا (۲) ایا (۳) ہیا (۴) ای (۵) ہمزہ مفتوحہ۔ تو اَیْ اور ہمزہ نزدیک کیلئے اور ایا اور ہیا دور کے لئے آتے ہیں اور یا قریب و بعید اور متوسط کے لئے آتا ہے اور منادیٰ کے احکام گذر چکے۔

تشریح حروف التنبیہ الخ تنبیہ کے معنیٰ ہوشیار و متنبہ کرنے اور غفلت سے چونکانے کے آتے ہیں۔ اس کے واسطے تین حروف وضع کئے گئے ہیں اور انہیں آغاز کلام میں اسلئے لایا جاتا ہے تاکہ مخاطب کلام کی طرف پوری طرح متوجہ رہے اور اس کی غفلت کے باعث کلام کا کوئی حصہ اس سے چھوٹنے نہ پائے۔ ان کے کلام کے آغاز میں آنے کی بنار پر ان کا دوسرا نام "حروفِ استفتاح" بھی ہے۔ ان تین میں سے جہاں تک اَلَا اور اَمَا کا تعلق ہے یہ محض جملہ ہی پر آیا کرتے ہیں اس سے قطع نظر کہ یہ جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ" (الآیۃ) کہ یہاں اَلَا "اِنَّهُمْ" جملہ اسمیہ پر برائے تنبیہ آیا ہے۔ اسی طریقہ سے شاعر کا یہ شعر

اَمَا والذی ابکیٰ واضحکَ والذی ÷ امات واحیا والذی امرہُ الامرُ

کہ شاعر ابو الفتح الہزلی کے اس شعر میں اَمَا حرفِ تنبیہ آیا ہے اور واؤ برائے قسم ہے نیز اضحک، ابکیٰ پر معطوف ہے اور "الذی امات واحیا" اور "الذی امرہُ الامرُ" کا جہاں تک تعلق ہے یہ دونوں پہلے "الذی" پر معطوف ہیں۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ جس طریقے سے یہ دونوں حرف جملہ اسمیہ پر آیا کرتے ہیں اسی طریقہ سے جملہ فعلیہ پر بھی آجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "اما لاتفعل" اور "الا لاتضرب"۔

والثالث ھا۔ ان حروف تنبیہ میں سے حرف سوم ہا ہے۔ یہ صرف جملہ اسمیہ پر اور مفرد پر آیا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "ھازیدٌ قائمٌ"، اور "ھذا وھٰؤلاء"۔

حروف النداء۔ نداء کے لفظی معنیٰ نون کے کسرہ کے ساتھ، آواز دینے کے آتے ہیں۔ اصطلاحاً اس کے جو معنیٰ آتے ہیں وہ پہلے بیان کئے جاچکے۔ اب دہرانے کی احتیاج نہیں۔

فرماتے ہیں کہ تعداد کے اعتبار سے حروف ندا کل پانچ ہیں۔ ان میں سے "ایا" اور "ہیا" کا جہاں تک معاملہ ہے وہ صرف دُور کے لئے استعمال ہوا کرتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ دوری حقیقی ہو یا حکمی۔ اور دو حرف یعنی ای، اور ہمزہ مفتوحہ کہ یہ کسی حرف کے اضافہ اور مد سے خالی ہیں ان کا استعمال نزدیک کے لئے ہوا کرتا ہے۔ رہ گیا ایک حرف یعنی یَا تو وہ قریب کے واسطے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور بعید کے واسطے بھی۔ نیز متوسط کے واسطے بھی، واضح رہے کہ یَا میں جس طریقہ سے معنوی لحاظ سے تعمیم ہے ایسے ہی مواقعِ استعمال کے لحاظ سے بھی تعمیم ہے۔ لہذا حروف ندا میں سے یا ایسا حرف ہے کہ یہ لفظوں میں بھی آتا ہے اور یہ محذوف بھی ہوا کرتا ہے۔ محذوف ہونا یہ اسی حرف کی خصوصیت ہے کیونکہ حروف نداء میں سے اور کوئی حرف حذف نہیں کیا جاتا۔ نیز اللہ کے نام کی ندا یَا کے ساتھ ہوتی ہے اور نُدبہ واستغاثہ کے لئے بھی حروف ندا میں سے یہی حرف استعمال کیا جاتا ہے۔

فصل حُروف الایجاب ستۃٌ نَعَم و بلیٰ و اَجَل و جَیْرِ و اِنَّ و اِیْ۔ اما نعم فلتقریر کلامٍ سابقٍ مثبتًا کانَ او منفیًا نحو اجاء زیدٌ قلتَ نعم و اَمَاجاءَ زیدٌ قلتَ نعم و بلیٰ تختصُّ بایجابِ مَا نُفِیَ استفہامًا کقولہ تعالیٰ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ

فَالُوْا بَلٰی • اوخبرًا کما یقالُ لَمْ یَقُمْ زیدٌ قلتَ بلیٰ ای قد قَامَ و اِیْ للاثبات بَعْدَ الاِسْتِفْهامِ ویلزِمُهَا القَسَمُ کما اِذا قیلَ هَل کان کذا قلتَ اِیْ واللّٰہِ و اَجَلْ او جَیْرِ او اِنَّ لتصدِیْقِ الخبرِ کما اذا قیلَ جَاءَ زیدٌ قلتَ اَجَلْ او جَیْرِ او اِنَّ ای اُصَدِّقُکَ فی هٰذا الخَبَرِ

ترجمہ :- حروف ایجاب کی تعداد چھ ہے (۱) نعم (۲) بلیٰ (۳) اَجَلْ (۴) جَیْرِ (۵) اِنَّ (۶) اِیْ - نعم سابق کلام کے اثبات کے واسطے آتا ہے خواہ وہ کلام مثبت ہو یا منفی مثلاً «اَجاءَ زیدٌ» (کیا زید آیا؟) تو کہو «نعم» اور «اما جاءَ زیدٌ» (کیا زید نہیں آیا؟) تو کہو «نعم» (ہاں) اور بلیٰ خاص طور پر اس چیز کے اثبات کے لئے آتا ہے جس کی باعتبارِ استفہام نفی کی گئی ہو. مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد «الست بربکم» قالوا بلیٰ» (الآیۃ) یا بلحاظ خبر جیسے کہا جاتا ہے «لم یقم زیدٌ» (زید کھڑا نہیں ہوا) تو کہو بلیٰ (ہاں) قد قام. اور اِیْ استفہام کے بعد برائے اثبات آیا کرتا ہے. اور اس کے ساتھ قسم کا لزوم ہوتا ہے. جیسا کہ کہا گیا ہو «ہل کان کذا» (کیا اس طرح ہوا؟) تو کہو «اِیْ واللّٰہ» (ہاں قسم اللہ کی) اور اَجَلْ اور جَیْرِ اور اِنَّ برائے تصدیق خبر آتے ہیں جیسے کہ جب کہا گیا ہو «جاءَ زیدٌ» (زید آیا) تو کہو «اَجَلْ یا جَیْرِ یا اِنَّ. یعنی میں تمہاری اس خبر کی تصدیق کرتا ہوں.

تشریح :- حروف الایجاب الخ. معنیٰ ایجاب دراصل جواب دینے، ثابت کرنے، قبول و تصدیق کرنے کے آتے ہیں. یہ حروف کیونکہ تصدیق و اثبات و جواب دینے کی خاطر آتے ہیں اسلئے انہیں اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے.

اما نعم. صاحب کتاب اس جگہ حروف ایجاب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نعم کا جہاں تک تعلق ہے وہ سابق کلام کے ثابت کرنے کی خاطر آیا کرتا ہے اس سے قطع نظر کر وہ کلام مثبت ہو یا منفی. کلام مثبت ہونے کی صورت میں اس کا اثبات کرے گا اور منفی ہونے کی شکل میں اس کا. مثال کے طور پر کہا جائے «اجاء زید» تو اس کے جواب میں بھی نعم استعمال ہوگا اور اگر جملہ منفی ہو اور مثلاً اس طرح کہیں «اما جاءَ زیدٌ» تو اس کے جواب میں بھی نعم آئے گا.

و بلیٰ تختص الخ صاحب کتاب یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ بلیٰ کی خصوصیت اس کا بجواب کلام منفی آنا قرار دی گئی اور وہ منفی کلام کو مثبت کر دیا کرتا ہے. اس سے قطع نظر کر وہ نفی بطور استفہام ہو مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد «الست بربکم» قالوا بلیٰ» یا نفی بلا استفہام ہو. یا یہ بطور تصدیق خبر بھی آیا کرتا ہے مثال کے طور پر کہا جائے:- «لم یقم زیدٌ» تو اس کے جواب میں کہا جائے «بلیٰ» یعنی مطلب یہ ہے کہ زید کھڑا ہوگیا.

وای للاثبات الخ حروفِ ایجاب میں سے حرفِ سوم "إِیْ" استفہام کے بعد اثبات کے لئے آیا کرتا ہے۔ بعض نحاۃ کے نزدیک یہ برائے تصدیقِ خبر بھی آجاتا ہے اور یہ مع القسم ہی مستعمل ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اس طریقہ سے کہا جائے "ہل کان کذا" تو اس کا جواب "اِیْ واللہ" سے دیا جاتا ہے۔

واَجَلْ وجَیْرِ واِنَّ۔ فرماتے ہیں کہ ان تینوں حروف کا استعمال برائے تصدیقِ خبر ہوا کرتا ہے یعنی ان کے ذریعہ خبر دینے والے کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کا استعمال استفہام کرنے والے کی تصدیق کی خاطر نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کہنے والا اس طرح کہے "جاءَ زیدٌ" اور اس کا جواب دیتے ہوئے اَجَلْ یا جَیْرِ یا اِنَّ کہا گیا ہو تو اس سے مقصود کہنے والے کے خبر کی تصدیق ہوتا ہے۔

بعض نحاۃ کے نزدیک اَجَلْ کا حکم نَعَم کا سا ہے ان بعض نحاۃ کے زمرے میں مشہور نحوی اخفش بھی داخل ہیں۔ رہا جَیْرِ تو بعض کے قول کے مطابق اہل عرب اسے اسم قرار دیتے ہیں۔

فصل۔ حُرُوفُ الزیادۃِ سَبْعَۃٌ اِنْ واَنْ وما ولا ومِنْ والباء واللام۔ فإن تُزادُ مع ما النافیۃِ نحو ما إنْ زیدٌ قائم ومَعَ ما المصدریۃِ نحو انتظِرْ ما إنْ یجلسُ الامیرُ ومع لمّا اِنْ حبستَ حبستُ واَن تُزاد مَعَ لمّا کقولہٖ تعالیٰ فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِیْرُ وبینَ لو والقسمِ المتقدمِ علیہا نحو واللہِ اَنْ لو قمتَ قمتُ وما تُزادُ مَعَ اذا ومتیٰ وایِّ وانّیٰ واینَ واِن شرطیاتٍ کما تقولُ اِذا ما صُمتَ صمتُ وکذا البواقی وبعدَ حُرُوفِ الجرِ نحو قولہ تعالیٰ فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللہِ و عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ومِمَّا خَطِیْٓئٰتِہِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا وزیدٌ صدیقی کما اَنَّ عمرًا اَخی ولا تُزادُ مَعَ الواوِ بعدَ النفیِ نحو ما جاءنی زیدٌ ولا عمرٌو وبعدَ اَنِ المصدریۃِ نحو قولہٖ تعالیٰ مَا مَنَعَکَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ وقبلَ القسمِ کقولہٖ تعالیٰ لَآ اُقْسِمُ بِہٰذَا الْبَلَدِ بمعنی اُقسِمُ واما مِنْ والباء واللامُ فقد مَرَّ ذکرُہا فی حروف الجر فلا نُعیدُہا۔

ترجمہ:۔ یہ فصل حروف زیادت کے بیان میں ہے۔ حروف زیادت کی کل تعداد سات ہے (۱) اِنْ (۲) اَنْ (۳) ما (۴) لا (۵) مِنْ (۶) با (۷) لام۔ اِنْ کا اضافہ مائے نافیہ کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً "ما اِنْ زیدٌ قائمٌ" (زید کھڑا ہونے والا نہیں) اور اِنْ کا اضافہ مائے مصدریہ کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً "انتظِر ما اِنْ یجلس الامیر" (تو امیر کے بیٹھنے تک انتظار کر) اور اِنْ لمّا کے ساتھ آیا کرتا ہے مثلاً لمّا اِنْ حبستَ حبستُ (تو رکے تو میں رکوں) اور اَنْ کا اضافہ لمّا کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ

کا ارشاد "فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ" (پس جب خوشخبری لانے والا آپہنچا) اور اَنْ۔ لَوْ اور متقدم قسم کے بیچ میں آتا ہے مثلاً "واللہ ان لو قمت قمتُ" (واللہ اگر تو کھڑا ہوتا تو میں کھڑا ہوتا) اور مَا کا اضافہ اذا، متیٰ، ای، انیٰ، اَیْنَ اور اِنْ کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ یہ شرطیہ ہوں مثلاً کہو گے "اذا ما صمتَ صمتُ" (جب تو روزہ رکھے گا میں روزہ رکھوں گا) اور اسی طرح باقی حروف۔ اور مَا کا اضافہ بعد حروف جر ہوتا ہے مثلاً "اللہ تعالیٰ کا ارشاد" فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ" وعَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِيْنَ" وَمِمَّا خَطِيْئَاتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا" "وزیدٌ صدیقی کما اَنَّ عمرًا اَخِیْ" (اور زید میرا دوست ہے جس طرح کہ عمر میرا بھائی ہے) اور لَا کا اضافہ مع الواؤ بعد النفی ہوتا ہے۔ مثلاً "ما جاءنی زیدٌ ولا عمرٌو" (نہ میرے پاس زید آیا اور نہ عمرو) اور اَنْ مصدریہ کے بعد لَا کا اضافہ ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ما منعک ان لا تسجد" اور قسم سے قبل لَا کا اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "لا اقسم بھذا البلد" (میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی) یہ اُقسم کے معنی میں ہے اور رہے مِنْ اور بَا اور لَام تو ان کے متعلق حروفِ جر میں بیان کیا جا چکا لہٰذا اس کا اعادہ نہیں کرتے۔

تشریح:- حروف الزیادۃ۔ صاحبِ کتاب حروف ایجاب کے ذکر سے فارغ ہو کر اب حروف زیادۃ ذکر فرما رہے ہیں۔ کتاب میں ذکر کردہ تعداد کے مطابق ان کی کل تعداد سات ہے۔ کلام میں اگر کسی موقعہ پر کوئی زائد حرف لانا ہو تو ان میں سے کوئی سا حرف لے آتے ہیں۔ ان کا حروفِ زیادت نام رکھے جانے کا سبب بھی یہی ہے مقصد یہ بتانا ہے کہ کلام میں اگر یہ مذکور نہ ہوں تب بھی عدم ذکر کے باعث معنیٰ کلام میں کسی طرح کی کمی واقع نہیں ہوتی اور کلام بدستور مکمل رہتا ہے۔ ان کے زائد ہونے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ان کا بیان کرنا بے فائدہ ہوتا ہے بلکہ اندرون کلامِ عرب ان کے فوائد لفظاً اور معناً دونوں طرح عیاں ہیں باعتبار الفاظ ان کا یہ فائدہ سامنے آتا ہے کہ ان کے ذریعہ کلام فصیح ہو جاتا اور سنور جاتا ہے۔ اگر اشعار میں آئیں تو اشعار کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے اور حلاوتِ سماعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ معنوی طور پر ان کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معنیٰ مؤکد ہو جاتے ہیں۔ اگر ان کے لانے میں یہ دونوں فائدے نہ ہوتے تو ان کے لانے کے باعث کلام فصیح ہی نہ رہتا۔

فَاِنْ تزاد مع ما النافیۃ الخ اب اس جگہ صاحب کتاب حروف زیادت کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اِنْ کا جہاں تک تعلق ہے وہ اکثر و بیشتر مائے نافیہ کے ساتھ بحیثیت حرفِ زائد آیا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "ما اِنْ زیدٌ قائمٌ"۔

ومع ما المصدریۃ۔ اور فرماتے ہیں کہ اِنْ مائے مصدریہ کے ساتھ بھی آیا کرتا ہے۔ واضح رہے کہ جیسے ان کا آنا مائے مصدریہ کے ساتھ ہوتا ہے ٹھیک اسی طریقہ سے مع ما الاسمیہ بھی آتا ہے۔ مائے مصدریہ کی مثال "انتظر ما ان یجلس الامیر" اور مائے اسمیہ کی مثال "ولقد مکنّاھم فیما ان مکنّاکم فیہ (الآیۃ)

و مع لما إنْ ۔ فرماتے ہیں کہ حروفِ زیادة میں سے اَنْ اکثر وبیشتر مع لما آیا کرتا ہے۔ رہا إنْ تو اس کا استعمال لَمَّا کے ساتھ بے حد کم ہے ۔ اَنْ کی لمَّا کے ساتھ استعمال کی مثال ،، اَنْ جئستَ جستُ ،، اور اَنْ کے لما کے ساتھ اضافہ کی مثال یہ ارشاد ربانی ہے ،، فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِیْر ۔ آیت مذکورہ میں اَنْ صلۂ لمّا واقع ہوا ہے۔

وبین لَوْ والقسم المتقدم ۔ فرماتے ہیں کہ اَنْ مفتوحہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ لَوْ اور ایسی قسم کے بیچ میں بھی زیادہ ہوا کرتی ہے جو کہ لفظ لَوْ سے قبل ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے ،، واللہ اَنْ لو قمتَ قمتُ ،،

وما تُزاد مع اذا الخ فرماتے ہیں کہ ان ذکر کردہ کلموں کے بعد مَا اس صورت میں زائد قرار دیا جائیگا کہ ان کلمات کا شمار حروف شرطیہ میں ہوتا ہے اور ان کے حروف شرطیہ نہ ہونے کی صورت میں ان کے بعد مَا کا اضافہ بھی نہ ہوگا۔ شرطیہ کی نمونتاً مثال ،، اذا ماصمتَ صمتُ ،، اسی طرح دیگر حروف شرط کی مثالیں ہیں اسی پر ان کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

وبعد حروف الجر ۔ صاحب کتاب کی یہ عبارت ،، مع اذا پر معطوف ہے ۔ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ مَا کا اضافہ بعد حرف جر بھی ہوا کرتا ہے ۔ مثال کے طور پر یہ ارشاد باری تعالیٰ ،، فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ ،، اور ،، عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نَادِمِیْنَ ،، اور ،، مِمَّا خَطِیْئٰتِہِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ،، مگر واضح رہے کہ یہ اضافہ سارے حروف جر کے بعد نہیں ہوا کرتا بلکہ محض بعد ،، با ، عن ، من ، ک ،، یہ اضافہ ہوا کرتا ہے ۔

ولا تزاد مع الواو بعد النفی ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لَا کا جہاں تک تعلق ہے اس کا اضافہ مع الواو بعد النفی ہوا کرتا ہے ۔ اس سے قطع نظر کہ یہ نفی لفظوں میں ہو یا معنوی اعتبار سے ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے ،، ماجاءنی زیدٌ ولا عمرو ،، معنوی نفی کی مثال یہ ارشاد ربانی ،، غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ،، (الآیۃ) آیت مبارکہ ،، غیر ،، بمعنی نفی ہے اور اس کے بعد آنے والا لَا زائد آیا ہے۔

وبعد ان المصدریۃ ۔ فرماتے ہیں کہ إنْ مصدریہ کے بعد بھی لَا زائداً استعمال ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ ،، مامنعک ان لاتسجد ،، اور اسی طریقہ سے قسم سے قبل بھی لَا زائد ہوا کرتا ہے ۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ،، لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ،، کہ یہ بمعنیٰ ،، اقسم ،، ہے ۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حروف مِنْ ، با لام کا جہاں تک معاملہ ہے ان کے بارے میں حروفِ جر کی بحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ۔ اب انھیں دوہرانے اور دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

فصل حَرْفَا التَّفْسِیرِ اَیْ وَاَنْ ۔ فاَیْ کقولہ تعالیٰ وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ ای اھلَ القریۃِ کانّکَ تُفَسِّرُہٗ اھلَ القریۃِ وَاَنْ انما یُفَسَّرُ بھا فعلٌ بمعنیَ القول کقولہٖ تعالیٰ وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰھِیْمُ فَلَا یُقَالُ قلتُ لہٗ اَنِ اکْتُبْ اذ ھو لفظُ القولِ لَا مَعْنَاہُ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل حروف تفسیر کے بیان میں ہے۔ حروفِ تفسیر دو ہیں (۱) اَیْ (۲) اَنْ۔ اَیْ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ" یعنی اہل قریہ سے معلوم کرلو۔ گویا کہ تم نے اس کی تفسیر اہل قریہ سے کی۔ اور اَنْ اس کے ذریعہ ایسے فعل کی تفسیر کی جاتی ہے جو بمعنیٰ قول ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یَّا اِبْرَاہِیْمُ" تو "قُلْتُ لَہٗ اَنِ اکْتُبْ" نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ صریح لفظ قول ہے اس کے معنی نہیں۔

تشریح:۔ حرفا التفسیر یعنی ایسے حروف جن کی وضع اسلئے ہوئی ہو کہ وہ مبہم بات کی تفسیر و تشریح اور وضاحت کرکے اس ابہام کو دور کردیں۔ ابہام کی تفسیر و توضیح میں تعمیم ہے چاہے یہ تفسیر مفرد کی ہو رہی ہو یا کسی جملہ کی۔ حروف تفسیر صرف دو ہیں ایک اَیْ اور دوسرا اَنْ۔
ان حروفِ تفسیر میں سے اَیْ کا جہاں تک تعلق ہے وہ ایسی بات کی تفسیر و توضیح کرتا ہے جس میں ابہام ہو چاہے یہ مبہم مفرد ہو یا جملہ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "واسئل القریۃ، اے اہل القریۃ"۔ رہا اِنْ تو وہ دائمی طور پر ایسے فعل کے مفعول کی تشریح و تفسیر کے لئے آیا کرتا ہے جو قول کے معنی میں ہو مثال کے طور پر ارشاد ربانی "وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یَّا اِبْرَاہِیْمُ" اس میں ندا قول کے معنی میں ہے اور فعل بمعنیٰ قول نہ ہونے کی صورت میں دو شکلیں ہوں گی (۱) قول صریح ہوگا (۲) ایسا فعل ہوگا جو بمعنیٰ قول نہ ہو۔ دونوں شکلوں میں بذریعہ اَنْ ایسے مفعول کی جو لفظاً ہو یا ایسے مفعول کی جو معناً ہو تفسیر درست نہ ہوگی۔ لہٰذا "قلتُ لہ ان اکتب" کہنا درست نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ یہاں صریح لفظ قول ہے اس کے معنی میں نہیں۔

فصل حُرُوفُ المَصْدرِ ثَلٰثَۃٌ مَا وَاَنْ وَ اَنَّ فَالْاُولَیَانِ لِلْجُمْلَۃِ الْفِعْلِیَّۃِ کَقَوْلِہٖ تَعَالیٰ وَضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ای بِرُحْبِھا وقول الشاعر **شعر**

یَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَھَبَ اللَّیَالِیْ ÷ وکَانَ ذَھَابُھُنَّ لَہٗ ذَھَابًا

وَ اَنْ نحو قولِہٖ تعالیٰ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا۔ ای قولھم وَ اَنَّ لِلْجُمْلَۃِ الاسمیّۃِ نحو علمتُ اَنَّکَ قَائِمٌ ای قیامَکَ

ترجمہ: حروفِ مصدر کی کل تعداد تین ہے (۱) ما (۲) اَنْ (۳) اَنَّ۔ ما اور اَنْ جملہ فعلیہ کے لئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ" اے برحبہا۔ (یہانتک کہ جب ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی) اور شاعر کا شعر ہے یَسُرُّ الْمَرْءُ مَا ذَھَبَ اللَّیَالِیْ ÷ وَکَانَ ذَہَابُھُنَّ لَہٗ ذَھَابًا

(آدمی راتوں کے گذرنے سے مسرور ہوتا ہے۔ حالانکہ راتوں کا بیت جانا اس کا گذر جانا ہے) اور اَنْ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد (فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖ اِلَّا اَنْ قَالُوْا۔ اے قَوْلُہم "یعنی ان کا قول۔ اور اَنَّ برائے جملہ اسمیہ آتا ہے مثلاً "عَلِمْتُ اَنَّکَ قَائِمٌ" اے قِیَامَکَ۔ (مجھے معلوم ہوا کہ تو کھڑا ہونے والا ہے)

تشریح: حروف المصدر۔ ان حروف کے ذریعہ جملہ بحکم مصدر ہو جاتا ہے اس واسطے ان حروف کا نام حروف مصدریہ رکھا گیا۔ ان حروف کی کل تعداد تین ہے۔ بعض نحاۃ نے حروف مصدر کے زمرے میں لَوْ کو بھی شامل کیا ہے۔ حروف مصدر میں سے دو یعنی مَا اور اَنْ یہ محض جملہ فعلیہ پر آیا کرتے ہیں اور ان کے جملہ فعلیہ پر آنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بمعنی مصدر ہو جایا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آیتِ مبارکہ "وضاقت علیہم الارض بما رحبت" میں "رَحُبَتْ" رحبہا کے معنی میں ہے۔ البتہ ان دونوں کا آنا محض ایسے جملہ پر ہوا کرتا ہے جس کے اندر ایک تو یہ کہ فعل متصرف ہو رہا ہو دوسرے وہ امر ہو نہ نہی۔ اسلئے کہ اگر برائے امر و نہی صلہ حرف آنے کو صحیح قرار دیا جاتا تو یقینی طور پر مَا اور اَنْ مشددہ کے صلہ کے طور پر بھی ان کے آنے کو صحیح قرار دیا جاتا اور ایسا ہونا متفقہ طور پر درست نہیں۔

وَاَنَّ للجملۃ الاسمیۃ۔ فرماتے ہیں جہاں تک اَنَّ کا تعلق ہے وہ جملہ اسمیہ ہی پر آیا کرتا ہے اور اسے بتاویل مصدر کر دیتا ہے۔ وہ اس طریقہ سے کہ اول خبر کا مصدر نکالا جائے اس کے بعد اسے اس کے اسم کی جانب مضاف کر دیا جائے مثال کے طور پر کہا جاتا ہے "علمت انک قائم" اے قیامک۔ یہ اس کے غیر مشتقات سے ہونے کی صورت میں ہوگا۔ اور اگر مشتقات سے ہو تو پھر خبر بمعنیٰ مصدر کر لیجائے گی۔ بشرطیکہ ایسا ہو سکتا ہو اور ایسا نہ ہو سکے تو اس صورت میں وہاں لفظ "کون" پوشیدہ مانا جائے گا۔ واضح رہے کہ اَنَّ کی محض جملہ اسمیہ پر آنے کی خصوصیت اس کے مثقل رہنے کے وقت تک ہے یعنی وہ مخفف نہ ہوا ہو اور مخفف ہونے پر اس کے ساتھ مَا کافہ نہ لگایا گیا ہو۔ اس واسطے کہ جب یہ مخفف ہو جاتا ہے اور مَا کافہ اس کے ساتھ آجاتا ہے تو پھر اس صورت میں جملہ اسمیہ کے ساتھ اس کی تخصیص برقرار نہیں رہتی اور یہ جملہ اسمیہ پر بھی آتا ہے اور جملہ فعلیہ پر بھی۔

فصل۔ حروفُ التحضیضِ اربعۃٌ هَلَّا و اَلَّا ولَوْلَا و لَوْمَا لہا صَدرُ الکلامِ ومعناہا حَضٌّ علے الفِعلِ اِنْ دخلَتْ علی المضارع نحوُ ھلّا تأکُلُ" ولومٌ ان دخلَتْ علی الماضی نحو ھلّا ضربتَ زیدًا وحینئذٍ لا تکونُ تحضیضًا اِلّا باعتبارِ مافات ولا تدخلُ اِلّا علی الفِعلِ کمامرَّ واِنْ وقعَ بعدَھا اِسمٌ فباضمارِ فعلٍ کما تقولُ لمن ضَرَبَ قومًا ھلّا زیدًا اے ھلّا ضربتَ زیدًا وتجیئُھا مرکبۃٌ جزؤُھا الثانی حرفُ النفی والاولُ حرفُ الشرط اَوِ الاستفہامِ اوحرفُ المصدرِ ولَلَوْلا معنیً اٰخرُ ھُوَ امتناعُ الجملۃِ الثانیۃ لوجُودِ الجملۃِ الاولی نحو لولا علیٌّ لہلکَ عمرُ و حینئذٍ تحتاجُ الی جملتینِ

أُولٰهُمَا إِسْمِيَّةٌ أَبَدًا

ترجمہ:۔ یہ فصل حروف تحضیض کے بیان میں ہے۔ حروف تحضیض کی کل تعداد چار ہے (۱) ہلاَّ (۲) اَلاَّ (۳) لولا (۴) لوما۔ یہ کلام کے شروع میں آتے ہیں۔ یہ مضارع پر آئیں تو فعل پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ مثلاً " ہلاَّ تاکُلُ " (تو کیوں نہیں کھاتا) اور ماضی پر آئیں تو معنیٰ ملامت پیدا کرتے ہیں بمثلاً " ہلا ضربت زیداً " (تو نے زید کو زدوکوب کیوں نہیں کیا اور اس وقت برائے تحضیض نہ ہونگے البتہ فوت شدہ شے کے لحاظ سے۔ اور یہ محض فعل ہی پر آتے ہیں، جیسا کہ گذر چکا اور اگر ان کے بعد اسم آرہا ہو تو فعل مقدر ولپوشیدہ ہوگا جیسے کہوگے لِمَنْ ضربَ قوماً ہلاَّ زیداً " اے ہلاَّ ضرب زیداً (یعنی تو نے زید کو زدوکوب کیوں نہیں کیا) اور یہ سارے حروف مرکب ہیں۔ ان کا جزء حرفِ نفی اور اول حرفِ شرط یا استفہام یا حرفِ مصدر ہوتا ہے اور لَولاَ کے ایک اور معنیٰ ہیں اور وہ ہیں جملۂ اولیٰ کے پائے جانے کے باعث جملۂ ثانیہ کا امتناع مثلاً " لَولاَ علیٌ لَہلکَ عمرؓ (اگر حضرت علی رضؓ نہ ہوتے تو حضرت عمر رضؓ ہلاک ہوجاتے) اور اسوقت اسے دو جملوں کی احتیاج ہوتی ہے اور ان میں جملۂ اول دائمی طور پر اسمیہ ہوتا ہے)

تشریح حروف التحضیض۔الخ۔ ازروئے لغت " تحضیض " کے معنی برانگیختہ کرنے اور تیار کرنے کے آتے ہیں کیونکہ ان حروف کا کام فعل پر ابھارنا اور تیار کرنا ہوتا ہے اس بنا پر ان کا یہ نام رکھا گیا۔ چاروں حرف تحضیض کلام کے آغاز میں آیا کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ اقسام کلام میں سے ایک قسم کی نشاندہی کرتے ہیں اس واسطے ان کا آغاز کلام میں آنا لازم ہے تاکہ اول وہلہ میں کلام کی قسم کا پتہ چل جائے۔ ان حروف کے آنے کا جہاں تک معاملہ ہے تو یہ فعل مضارع پر بھی آیا کرتے ہیں اور فعل ماضی پر بھی آتے ہیں۔ فعل مضارع پر آنے کی صورت میں ان کے معنیٰ فعل برانگیختہ کرنے اور ابھارنے کے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " ہلاَّ تاکُلُ " کہ اس میں کھانے پر ابھارا اور آمادہ کیا جارہا ہے اور ان کے ماضی پر آنے کی صورت میں یہ بمعنیٰ ملامت ہوجاتے ہیں اور ان سے کسی کام کے نہ کرنے پر ملامت کا کام لیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے " ہلاَّ ضربْتَ زیداً " مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ حروف محض فعل پر آیا کرتے ہیں اسلئے کہ ابھارنے اور آمادہ کرنے کا تعلق فعل ہی سے ہوتا بھی ہے۔ البتہ اس کے اندر یہ تعمیم ہے کہ چاہے فعل لفظاً ہو جیسا کہ ذکر کردہ مثالوں میں موجود ہے اور چاہے تقدیراً ہو۔ جیسے کہ صاحب کتاب " وان وقع بعدہا اسمٌ " کے بعد فعل کے مضمر و پوشیدہ ہونے کی مثال بیان فرمارہے ہیں۔ یعنی " ہلاَّ زیداً " اے ہلاَّ ضربتَ زیداً "

وللَولاَ معنیً آخر۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ لَولاَ کے معنیٰ ابھارنے اور آمادہ کرنے کے تو آتے ہی ہیں مگر اس کے علاوہ بھی اس کے ایک معنیٰ ہیں وہ یہ کہ دوسرے جملہ کا امتناع پہلے جملہ کے پائے جانے کے باعث ہو۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " لَولاَ علیٌ رضؓ لَہلکَ عمر رضؓ " یہ جملہ درحقیقت اس طرح تھا " لولا علیٌ موجود لہلک عمرؓ " برائے تحضیض

آنے والے لَوْلَا اور اس لَوْلَا میں بنیادی فرق یوں ہے کہ جہاں تک لَوْلَا برائے تحضیض کا تعلق ہے وہاں ایک ہی جملہ میں کلام کی تکمیل ہوجاتی ہے اور اس میں محض ایک جملہ میں کلام مکمل نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ اس کے جواب کا الحاق بھی ناگزیر ہوتا ہے مثال کے طور پر اس جگہ جسوقت تک "لہلک عمرو" کا الحاق نہ ہو محض "لَوْلَا علیّ" کہنے سے کلام مکمل نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ لَوْلَا کے تحضیض کے علاوہ دوسرے معنی ہوں تو اسے اس صورت میں دو جملوں کی احتیاج ہوتی ہے اور ان دو جملوں میں جملۂ اولیٰ دائمی طور پر اسمیہ ہوگا۔ رہا دوسرا جملہ تو وہ اسمیہ بھی ہوسکتا ہے اور فعلیہ بھی۔

فصل۔ حَرْفُ التَّوَقُّعِ قَدْ وهِیَ فی الماضِی لتقرِیب الماضِی الی الحالِ نحو قد رکبَ الاَمِیْرُ ای قُبَیْلَ هٰذا ولاجْلِ ذٰلِكَ سُمِّیَتْ حرفَ التقریب ایضًا ولهٰذا تَلْزَمُ الماضِیَ لیصلحَ اَنْ یَقَعَ حالًا وقَدْ تجئُ للتاکیدِ اذا کان جوابًا لمن یَسْأَلُ هَلْ قامَ زیدٌ تقولُ قد قامَ زیدٌ و فی المضارع للتقلیل نحو اِنَّ الکذوبَ قد یصدُقُ واِنَّ الجوادَ قد یبْخلُ وقد تجئُ للتحقیق کقولہٖ تعالیٰ "قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ" ویجوزُ الفصلُ بینها وبین الفِعْلِ بالقسمِ نحو قَدْ واللّٰہِ اَحْسَنْتَ وقد یُحذفُ الفِعْلُ بعد قَدْ عند القرینۃِ کقول الشاعر **شعر**

اَفِدَ التَّرَحُّلُ غَیْرَ اَنَّ رِکَابَنَا ÷ لَمَّا تَزُلْ بِرِحَالِنَا وَکَاَنْ قَدِنْ

ای وکاَنْ قد زالتْ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل حرفِ توقع کے بیان میں ہے۔ حرفِ توقع قَدْ قرار دیا گیا ہے۔ یہ ماضی میں اسے حال سے قریب کرنے کی خاطر استعمال ہوتا ہے مثلاً "قد رکب الامیر" اے قُبَیل ہذا" (یعنی کچھ دیر قبل ہی امیر سوار ہوا) اسی وجہ سے اسے حرفِ تقریب بھی کہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ لازمًا ماضی پر آتا ہے تاکہ وہ اسے حال کے قابل بنا سکے۔ اور یہ اس صورت میں برائے تاکید آتا ہے جبکہ یہ اس شخص کے سوال کے جواب میں آیا ہو جو دریافت کرے "ہَلْ قَامَ زَیْدٌ" (کیا زید کھڑا ہوا) تو اس کے جواب میں کہے گا:۔ "قد قام زیدٌ" (زید کھڑا ہوا) اور یہ مضارع میں برائے تقلیل آتا ہے مثلاً "ان الکذوب قد یصدُقُ وانّ الجواد قد یبخَلُ" (جھوٹا شخص بعض اوقات سچ بول دیتا ہے اور فیاض شخص بعض اوقات کنجوسی کرتا ہے) اور بعض وقت یہ برائے تحقیق آتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "قد یعلم اللہ المعوقین" (اللہ تعالیٰ رکاوٹ ڈالنے والوں سے آگاہ ہے) اور قسم کے ذریعہ قد اور اس کے فعل کے درمیان فصل کرنا درست ہے مثلاً "قد واللہ احسنتَ" (تحقیق واللہ تو نے اچھا کیا) اور بعض اوقات قرینہ کی موجودگی کے باعث قد کے بعد فعل حذف کردیا جاتا ہے۔ مثلاً شاعر کا شعر ؎

أَفِدَ التَّرَحُّلُ غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا ٭ لَمَّا تَزُلْ بِرِحَالِنَا وَكَأَنْ قَدِنْ

(روانگی کا وقت قریب آگیا اور کجاوے کے قریب سے ہماری سواری ہٹی نہیں۔ اور گویا اس کی شان اس کا ہٹ جانا ہے)

تشریح حرف التوقع۔ آرزو۔ امید لگانا۔ صاحب امید۔ قد کا نام حرف توقع رکھے جانے کا سبب یہ ہے کہ متوقع خبر کی اطلاع اس کے ذریعہ سے دیجاتی ہے۔ یہ حرف تقریب کے نام سے بھی موسوم ہے۔ حرف تقریب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ماضی پر آکر اسے زمانۂ حال سے قریب کر دیتا ہے۔ اسی لئے ایسی ماضی پر قد کا آنا لازمی شمار کیا گیا۔ اس سے قطع نظر کہ قد لفظوں میں آیا ہو یا تقدیراً۔ تاکہ اس ماضی میں حال بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

وقد تجیٔ للتاکید۔ فرماتے ہیں کہ کبھی قد کے آنے کا مقصد فقط تاکید ہوا کرتا ہے اور اس میں قریب کرنے کے معنی نہیں ہوتے۔ یہ ایسی ماضی پر قد کے آنے کی صورت میں ہوتا ہے جو کہ کسی سوال کے جواب میں آئے مثال کے طور پر کوئی شخص دریافت کرے " ہل قام زیدٌ " اور اس کے جواب میں " قد قام زیدٌ " کہا جائے۔

وفی المضارع للتقلیل۔ یہ " فی الماضی " پر معطوف ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات قد مضارع پر آتا ہے اور فعل کے گاہے گاہے ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے " ان الکذوب قد یصدق " یعنی اتفاقاً کبھی جھوٹا شخص سچ بھی بولدیتا ہے اور اس سے عام عادت کے برعکس خلاف توقع سچ کا اظہار ہوجاتا ہے۔ " وان الجواد قد یبخل " اور اسی طرح توقع کے خلاف بعض وقت سخی شخص سے کنجوسی کا اظہار ہوتا ہے۔ دونوں مثالوں میں قد برائے تقلیل ہے۔

وقد تجیٔ للتحقیق۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات قد مضارع پر آتا ہے اور بجائے تقلیل کے تحقیق کے معنی دیتا ہے مثلاً آیتِ کریمہ " قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ " میں قد برائے تحقیق ہے۔ قد کے مضارع پر آنے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ اس پر کوئی ناصب اور جازم حرف نہ ہو یعنی نہ اس پر سوف آیا ہو اور نہ سین۔ سین یا سوف مضارع پر ہونے کی صورت میں اس پر قد نہ آئے گا۔

ویجوز الفصل بینہما الخ۔ فرماتے ہیں کہ قد اور اس کے فعل کے درمیان اگر فاصل لفظ قسم آجائے۔ تو یہ ضابطہ کے اعتبار سے درست ہے۔ مثال کے طور پر " قد واللّٰہ احسنتَ " کہنا درست ہے۔

وقد یحذف الفعل۔ فرماتے ہیں کہ اگر قد کے بعد فعل کے حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو تو اس صورت میں یہ درست ہے کہ فعل حذف کر دیا جائے۔ مثال کے طور پر اس شعر میں قد کے بعد فعل قیام قرینہ یعنی روانگی کے پختہ عزم کے باعث حذف کر دیا گیا یعنی زالت حذف کر دیا گیا۔

فصل حرفا الاستفہام الہمزۃ وہل۔ لہما صدر الکلام وتدخلان علی الجملۃ

اسمیۃً کانتْ نحو اَزَیدٌ قائمٌ اوفعلیۃً نحو ھَل قامَ زَیدٌ ودُخُولھُما علی الفعلیۃِ اکثرُ اِذِ الاستفھامُ بالفعل اولیٰ وقد تدخُلُ الھمزۃ فی مَوَاضِع لایجوزُ دُخُولُ ھَل فیھا نحو اَزَیدًا ضَرَبْتَ و اَتَضْرِبُ زیدًا وھو اَخُوکَ وازیدٌ عندکَ اَمْ عَمْرٌو وَ اَوَ مَنْ کانَ وافَمَنْ کانَ و اثُمَّ اِذَا مَاوَقَعَ ولا تُسْتَعْمَلُ ھَل فی ھٰذِہِ المواضِع و ھٰھُنا بحثٌ

ترجمہ ۔ یہ فصل حروفِ استفہام کے بیان میں ہے۔ استفہام کے دو حرف آتے ہیں (۱) ہمزہ (۲) ہَلْ۔ یہ دونوں کلام کے شروع میں آتے اور جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ مثلاً "ازیدٌ قائمٌ"۔ یا فعلیہ پر آتے ہیں مثلاً "ہل قام زید"۔ یہ دونوں اکثر و بیشتر جملہ فعلیہ پر آیا کرتے ہیں کیونکہ استفہام فعل کے ساتھ اولیٰ ہوتا ہے اور بعض اوقات ہمزہ ان مواقع میں آتا ہے جہاں "ہل" کا آنا درست نہیں ہوتا۔ مثلاً "ازیدًا ضربتَ" اور "اَتَضربُ زیدًا وہواخوک وازیدٌ عندک ام عمرٌو" اور "اَوَمن کان" اور "اَفَمَنْ کانَ" اور فمن کان اور "اثُمَّ اذا ما وقع" اور ان جگہوں میں "ہل" نہیں آتا۔ اور اس جگہ بحث ہے۔

تشریح لہا صدر الکلام۔ فرماتے ہیں کہ حروفِ استفہام کا آغازِ کلام میں اسلئے آنا ناگزیر ہے کہ اول وہلہ میں ہی اس کا پتہ چل جائے کہ اس کلام کا تعلق فلاں قسم سے ہے۔ یہی سبب ہے کہ نہ حرفِ استفہام کا ماقبل ان کے مابعد میں عمل کرتا ہے اور نہ ہی مابعد کا عمل ماقبل میں ہوا کرتا ہے۔

وتدخلان علی الجملۃ اسمیۃ الخ۔ صاحب کتاب یہ فرماتے ہیں کہ حروفِ استفہام کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ جملہ اسمیہ پر بھی آتے ہیں اور جملہ فعلیہ پر بھی۔ جملہ اسمیہ پر آنے کی مثال "ازیدٌ قائمٌ"۔ لیکن اکثر و بیشتر یہ جملہ فعلیہ پر آیا کرتے ہیں اور اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ استفہام بالفعل کو اولیٰ اور بہتر قرار دیا جاتا ہے۔

وقد تدخل الہمزۃ الخ۔ اس جگہ صاحبِ کتاب ہَلْ اور ہمزہ کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ کلام میں کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں صرف ہمزہ لانا درست ہوا کرتا ہے اور وہاں "ہل" کا لانا درست نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر "ازیدًا ضربتَ" کہنا درست ہوگا۔ اور اس کے بجائے اگر "ہل زیدًا ضربتَ" کہا جائے تو درست نہ ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ "ہل" درحقیقت بمعنیٰ "قد" ہوتا ہے۔ اور قد کا آنا فعل کے ساتھ خاص ہے۔

اتضرب زیدًا وہواخوک، یہ موقعۂ دوم ہے کہ جہاں ہل کا استعمال درست نہیں۔ یعنی یہاں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس کلام کے ذریعہ مقصود استفہام انکاری ہو وہاں صرف ہمزہ استعمال کیا جائے گا "ہل" استعمال نہ ہوگا۔ اسلئے کہ ایسے موقعہ پر دراصل مستفہم عنہ لفظوں میں مذکور ہونے کے بجائے محذوف ہوا کرتا ہے۔ جیسے "اتضرب زیدًا وہواخوک" حقیقتًا اس طرح ہے "اترضی بضربک وہواخوک"۔ پھر ہمزۂ استفہام کا جہاں تک تعلق ہے

اس کی حیثیت اصل کی ہے اور " ہل " کی حیثیت فرع کی ہے ۔ اس بنا پر بعد ہمزہ تو محذوف کرنا درست قرار دیا جائیگا اور بعد ہل محذوف کرنا درست شمار نہ ہوگا۔ پس " ہل تضرب زیدًا وہو اخوک " کہنا صحیح نہ ہوگا۔

ازیدٌ عندک ام عمرو ۔ یہ موقعۂ سوم ہے کہ اس میں ہمزہ استعمال کرنا صحیح اور ہل کا استعمال غلط ہے ۔ اس مثال سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ام متصلہ کے مقابل ہمزہ کا آنا درست ہے اور " ہل " کا آنا درست نہیں۔ سبب یہ ہے کہ ایسی شکل میں بذریعہ استفہام دو امور میں سے ایک مراد ہوا کرتا ہے پس اس کے اندر مستفہم عنہ میں تعدد ہوگیا اور ہمزہ کا جہاں تک معاملہ ہے وہ زیادہ قوی ہے اور اس کی حیثیت اصل کی ہے اسلئے ام متصلہ کے بالمقابل اس کا استعمال زیادہ لائق اور زیادہ مناسب ہے ۔ اس کے برعکس ہل کا ام متصلہ کے بالمقابل اس کا استعمال موزوں نہیں۔

و اَوَمَنْ کان و اَفَمَنْ کان ۔ فرماتے ہیں یہ مقام چہارم ہے کہ جہاں ہمزہ استعمال کرنا درست ہے اور ہل کا استعمال درست نہیں۔ مقصود یہاں یہ بتانا ہے کہ حروفِ عطف پر اگر ہمزہ لایا جائے تو مضائقہ نہیں مگر ہل کا لانا درست نہیں۔ اسلئے کہ استفہام کے اندر ہمزہ کی حیثیت اصل کی ہے پس یہاں ہمزہ ہی کا استعمال موزوں ہوگا۔

وہہنا بحث ۔ صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ یہاں کچھ کلام ہے ۔ وہ یہ کہ بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں صرف ہل لانا درست ہے ہمزہ کا استعمال وہاں درست نہیں ۔ وہ مقامات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہل سے قبل حروفِ عطف کا لانا درست ہے ۔ ہمزہ سے قبل درست نہیں مثلاً " فہل انتم شاکرون "

(۲) اَم کے بعد ہل کا استعمال درست ہے ہمزہ کا درست نہیں۔

(۳) اثبات کے اندر برائے نفی ہل استعمال ہوتا ہے ہمزہ استعمال نہیں ہوتا ۔ مثلاً ارشاد ربانی " ہل ثُوِّبَ الکُفّارُ " یعنی لم یثوب ۔

(۴) با برائے تاکید نفی اس کی خبر پر آیا کرتی ہے جس کی مبتدا پر ہل آیا ہو۔

فصل حُرُوفُ الشرطِ اِنْ ولَوْ واَمَّا لها صَدرُ الكلامِ ويَدخُلُ كل واحد منها على الجُملتين اسميّتَيْنِ كانتا او فعليتين او مختلفتين فَاِن للاستقبالِ وان دخلتْ على الماضِي نحو اِنْ زُرتَنِي اَكرمتُكَ و لَو للمَاضِي و ان دَخلتْ على المضارِع نحو لو تزورُني اكرمتكَ ويلزمهما الفِعلُ لفظًا كما مَرَّ او تقديرًا نحو ان اَنتَ زائري فانا اُكرمُكَ **واعلم** اَنَّ اِنْ لا تُستعملُ اِلّا فى الامور المشكوكة فلا يقالُ اٰتِيكَ اِن طَلَعَتِ الشمسُ بل يقالُ اٰتِيكَ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمسُ ولو تدُلُّ على نفي الجملة الثانيةِ بِسَبَبِ نفي الجملة الاُولىٰ كقوله تعالى لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا واذا وقع القَسَمُ فى اول الكلامِ وتَقَدَّمَ على الشرط يجبُ اَنْ يَكُونَ الفعلُ الذِى تدخل عليه حرفُ الشرط ماضيًا لفظًا نحو والله اِن اَتَيتَنِي لَاَكرمتُكَ

او معنًی نحو واللهِ اِن لم تأتِنِی لأهجرنّك وحینئذٍ تکون الجملةُ الثانیة فی اللفظ جوابًا للقسم لاجزاءً للشرط فلذلك وجب فیها ما وجب فی جواب القسم من اللام ونحوها کما رایتَ فی المثالین اما اِن وقع القسمُ فی وسطِ الکلامِ جاز ان یُعتبرَ القسمُ بان یکونَ الجوابُ له نحو اِن اتیتنی واللهِ لاٰتینّك وجاز اَن یلغٰی نحو اِن تأتِنِی واللهِ اٰتِك واَمّا لتفصیل ماذکر مجملاً نحو النّاسُ سعیدٌ وّ شقیٌّ اَمّا الّذین سُعِدوا ففی الجنّة واَمّا الّذین شقوا ففی النّار ویجب فی جوابها الفاءُ واَن یکونَ الاوّلُ سببًا للثانی واَن یُحذفَ فعلُها مع اَنّ الشرطَ لابدّ له من فعلٍ وذلك لیکونَ تنبیهًا علی اَنّ المقصود بها حکم الاسم الواقع بعدَها نحو اَمّا زیدٌ فمنطلقٌ تقدیرُهٗ مهما یکن من شیءٍ فزیدٌ منطلقٌ فحُذِف الفعلُ والجارُّ والمجرورُ واُقیمَ اَما مقامَ مهما حتی بقی اَمّا فزیدٌ منطلقٌ ولمّا لم یناسب دخولُ حرفِ الشرط علی فاءِ الجزاءِ نقلوا الفاءَ اِلی الجزءِ الثانی ووضعوا الجزءَ الاوّلَ بین اما والفاء عوضًا عن الفعلِ المحذوف ثمّ ذلك الجزءُ الاوّل ان کان صالحًا للابتداءِ فهو مبتدأٌ کما مرّ والّا فعامله ما یکونُ بعدَ الفاءِ کاَمّا یومَ الجمعةِ فزیدٌ منطلقٌ فمنطلقٌ عاملٌ فی یومِ الجمعةِ علی الظرفیّةِ

ترجمہ :- یہ فصل حروف شرط کے بیان میں ہے۔ حروف شرط یہ ہیں (۱) اِنْ (۲) لَوْ (۳) اَمّا یہ کلام کی ابتدار میں آتے ہیں اوران میں سے ہرایک دو جملوں پر آتا ہے۔ خواہ یہ دونوں جملے اسمیہ ہوں یا فعلیہ یا مختلف۔ تو اِنْ برائے مستقبل آیا ہے خواہ وہ ماضی پر ہی کیوں نہ آئے مثلاً، اِن زرتنی اکرمتک (اگر تو مجھ سے ملے گا تو میں تیرا اکرام کروں گا۔) اور لو برائے ماضی آتا ہے خواہ وہ مضارع ہی پر کیوں نہ آیا ہو مثلاً، لو تزورنی اکرمتک (اگر تو مجھ سے ملتا تو میں تیرا اکرام کرتا) ان دونوں کے لئے فعل لازم ہے خواہ لفظاً ہو جیسا کہ گذر چکا یا تقدیراً ہو مثلاً، ان انت زائری فانا اکرمک ، (اگر تو مجھ سے ملاقات کرنے والا ہوگا تو میں تیرا اکرام کروں گا) اور واضح رہے کہ اِنْ امور مشکوکہ میں استعمال کیا جاتا ہے تو ،، آتیک ان طلعت الشمس ،، نہیں کہا جاتا بلکہ ،، آتیک اذا طلعت الشمس ،، بولا جاتا ہے۔ اور لو پہلے جملے کی نفی کے باعث جملۂ ثانیہ کی نفی کی نشاندہی کرتاہے مثلاً، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ،، لوکان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا ،، اور جب کلام کی ابتدار میں قسم آئے اور وہ شرط سے پہلے ہو تو ضروری ہے کہ وہ فعل جس پر کہ حرف شرط آرہا ہے ماضی ہو۔ لفظاً۔ مثلاً ،، واللہ ان اتیتنی لاکرمتک ،، یا معناً۔ مثلاً ،، واللہ ان لم تاتنی لاہجرتک ،، اوراسوقت جملۂ ثانیہ لفظاً شرط کی جزار نہیں بلکہ قسم کا جواب ہوگا۔ اسی بنار پر اس میں لام اور لام کے مانند لانا جواب قسم کی

طرح لازم ہے جیسا کہ تم نے دو مثالوں میں مشاہدہ کیا۔ لیکن اگر قسم کلام کے بیچ میں آئے تو قسم کا بایں طور معتبر قرار دینا درست ہوگا، کہ وہ جواب قسم ہو۔ مثلاً "ان اتیتنی واللہ لآتینک" اور یہ بھی درست ہے کہ قسم لغو قرار دیجائے مثلاً "ان اتیتنی واللہ اٰتک" اور اَمّا اس کی تفصیل کے واسطے آتا ہے جو اجمالاً ذکر کیا گیا ہو مثلاً "الناس سعیدٌ وشقیٌ" (لوگ نیک بخت ہیں اور بدبخت) "اما الذین سُعِدُوا ففی الجنۃ فاما الذین شقوا ففی النار" (رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہونگے۔ سو جو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ہونگے) اور اما کے جواب میں فا لانا ضروری ہے۔ اور یہ کہ اول ثانی کے لئے سبب ہو اور یہ کہ اس کا فعل حذف کیا جائے۔ اس کے باوجود کہ شرط میں اس کے فعل کا ہونا ضروری ہے۔ یہ حذفِ فعل اس تنبیہ کی خاطر ہوگا کہ اس سے اس اسم کے حکم کا ارادہ کیا گیا ہے جو کہ اس کے بعد آنے والا ہے مثلاً "اما زید فمنطلق" تو یہ اصل میں ہے "مہما یکن من شئی فزید منطلق" تو فعل اور جار مجرور حذف کر کے مہما کی جگہ "اما" لایا گیا۔ حتیٰ کہ "اما زیدٌ فمنطلق" باقی رہ گیا۔ اور جزاء کی فاء پر حرفِ شرط کا آنا مناسب نہ ہونے کے باعث فا کو جزء ثانی کی جانب منتقل کر کے جزء اول اما اور فا کے درمیان محذوف فعل کے عوض رکھ دیا گیا۔ پھر اگر اس جزء اول میں مبتدا بننے کی صلاحیت ہو تو وہ مبتدا ہوگا جیسا کہ گذر چکا۔ ورنہ اس کا عامل وہ ہوگا جو فا کے بعد ہو مثلاً "اما یوم الجمعۃ فزید منطلق" تو یوم الجمعۃ میں ظرفیت کی بنیاد پر منطلق عامل ہے۔

تشریح حروف الشرط الخ۔ یہاں صاحبِ کتاب یہ فرمارہے ہیں کہ حروفِ شرط مقررہ ضابطہ کے مطابق دو جملوں پر آیا کرتے ہیں اس سے قطع نظر کہ وہ دونوں جملے اسمیہ واقع ہوں یا وہ فعلیہ ہوں یا ان دونوں میں سے کوئی سا ایک اسمیہ ہو اور دوسرا فعلیہ۔

ایک اشکال کا جواب اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ ذکر کردہ تعریف سے یہ بات واضح ہوئی کہ اِنْ اور لَوْ دونوں کی شرط اگر جملہ اسمیہ ہو تو درست ہے جبکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ اِنْ اور لَوْ دائمی طور سے جملہ فعلیہ پر آیا کرتے ہیں۔

بعض حضرات نے اس اشکال کا یہ جواب دیا کہ اس جگہ جملہ اسمیہ سے مقصود تعمیم ہے یعنی چاہے وہ حقیقی اعتبار سے جملہ اسمیہ واقع ہو رہا ہو یا محض ظاہری لحاظ سے جملہ اسمیہ ہو اور وہ اصل میں فعلیہ ہو۔ بس محض ظاہری طور پر جملہ اسمیہ ہو تو کوئی اشکال نہ ہوگا۔

فان للاستقبال الخ فرماتے ہیں کہ اِنْ خواہ ماضی ہی پر کیوں نہ آرہا ہو مگر وہ برائے استقبال ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ "ان زرتنی اکرمتک" کے معنی استقبال کے کرتے ہوئے اس طرح ہونگے "اگر تو مجھ سے ملاقات کرے گا تو میں تیرا اکرام کروں گا۔"

ولو للماضی الخ فرماتے ہیں کہ لَوْ کا معاملہ یہ ہے کہ خواہ وہ مضارع ہی کیوں نہ آرہا ہو مگر معنی اس کے ماضی ہی ہونگے۔

ویلزمہا الفعل۔ فرماتے ہیں کہ خواہ اِنْ ہو اور خواہ لَوْ دونوں کے لئے فعل کا ہونا لازم ہے اس سے قطع نظر کہ فعل لفظوں میں آیا ہو جیسا مذکورہ بالا مثالوں میں گذرا۔ یا لفظوں میں نہ ہو بلکہ تقدیر ہو مثلاً " ان کنت زائری فانا اکرمک " کہ اس میں " فلما " محذوف ہے۔

واعلم انّ اِنْ لاتستعمل الخ یعنی اِنْ کا جہاں تک تعلق ہے وہ محض ایسے امر میں استعمال کیا جاتا ہے کہ جس کے ہونے اور نہ ہونے میں شک واقع ہو۔ یہی سبب ہے کہ " آتیک ان طلعت الشمس " کہنا درست نہیں اسلئے کہ طلوع شمس ان امور میں سے ہے جو یقینی ہیں۔ اس کے برعکس اِذا کا استعمال یقینی امور میں ہوا کرتا ہے اسی بنار پر آتیک اذا طلعت الشمس " کہنا درست ہے۔

ولو تدل علی نفی الجملۃ الثانیۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ لَوْ کا معاملہ یہ ہے کہ جملۂ اولیٰ کی نفی کے باعث جملۂ ثانیہ کی نفی کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد " لَوکانَ فیہما آلہۃٌ الاالله لفسدتا " کہ آیتِ کریمہ میں تعدد الٰہ کی نفی کے باعث انتفائے فساد کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ تو ذکر کردہ معنی میں بکثرت مستعمل ہے۔

واذا وقع القسم فی اول الکلام۔ فرماتے ہیں کہ اگر قسم کلام کے آغاز میں شرط سے قبل آرہی ہو تو اس صورت میں یہ لازم ہوگا کہ شرط ماضی لائی جائے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ لفظوں میں ہو مثلاً کہا جائے " واللہ ان اتیتنی لاکرمتک " یا لفظاً نہ ہو معناً ہو۔ مثلاً کہا جائے " واللہ ان لم تاتنی لاہجرنک "

وحینئذ تکون الجملۃ الثانیۃ الخ۔ یعنی اس وقت لفظاً جملۂ ثانیہ یہ قسم کا جواب قرار دیا جائے گا، شرط کی جزار نہیں اور اسی بنار پر اس میں لام یا اس کی مانند لائیں گے جو کہ قسم کے جواب میں لازمی طور پر لایا کرتے ہیں۔

اما ان وقع القسم الخ۔ فرماتے ہیں اگر ایسا ہو کہ قسم کلام کے شروع میں آنے کے بجائے وسط میں ہو تو اس وقت دونوں صورتیں درست ہوں گی۔ یعنی یہ بھی درست ہوگا کہ شرط کو معتبر قرار دیتے ہوئے جواب جزار شمار ہو یا یہ کہ قسم کو معتبر قرار دیتے ہوئے اس جواب کو قسم کا جواب قرار دیں اور درمیان میں ہونے پر پھر اس کی دو حالتیں ہیں یا تو شرط قسم سے پہلے ہوگی یا بعد میں ہوگی۔ پہلے ہونے کی صورت میں شرط کو معتبر قرار دینا لازم ہے اور رہی قسم تو اس میں یہ بھی درست ہے کہ اسے معتبر قرار دیا جائے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ لغو و کالعدم قرار دیں۔

واَمّا لتفصیل ما ذکر مجملاً الخ یعنی اَمّا اس چیز کی تفصیل کے لئے آیا کرتا ہے جسے بولنے والا پہلے اجمال کے ساتھ بیان کرچکا ہو۔ مجملاً کے اندر تعمیم ہے چاہے یہ اجمال باعتبار الفاظ ہو یا تقدیری و معنوی اعتبار سے ہو۔ بعض اوقات اَمّا برائے استیناف آیا کرتا ہے اس سے قطع نظر کہ اس سے قبل اجمال ہو یا نہ ہو۔ مثال کے طور پر وہ اَمّا جو خطبوں میں آتا ہے۔

ویجب فی جوابہا الفاء الخ۔ اَمّا کے جواب میں دو امور کا لحاظ ضروری ہے ایک تو جواب پر فا کا آنا۔ دوم یہ کہ اول ثانی کے لئے سبب ہو۔ ان دونوں امور کا لحاظ اس لئے ضروری ہے کہ یہ اس کے کلمۂ شرط ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔

وان یحذف فعلہا مع ان الشرط الخ یہ الفاء پر معطوف ہے۔ یعنی جس فعل کے اوپر اَمّا آتا ہے لازم ہے کہ اسے حذف

کر دیا جائے۔ اس حذف کے لازم ہونے کے دو سبب ہیں ایک سبب باعتبار الفاظ ثقالت اور دوسرا معنوی سبب۔ لفظا ثقالت تو اس طرح ہے کہ اَمَّا درحقیقت برائے تفصیل وضع کیا گیا ہے۔ اور تفصیل کا تقاضا مکرر لانا ہے اور تکرار بجائے خود سبب ثقالت ہے۔ پس تخفیف حاصل کرنے کی خاطر اور استعمال کی زیادتی کے باعث یہ لازم ہوا کہ فعل حذف کر دیا جائے۔ رہا معنوی سبب تو وہ یہ ہے کہ نحویوں کا مقصود حذفِ فعل سے اس شے کا لانا ہوتا ہے جس کا بولنے والا حقیقتاً ارادہ کر رہا ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً "امازید فمنطلق" یہ درحقیقت "مہما یکن من شیٔ فزید منطلق" ہے تو اندرونِ کلام ومہما یکن من شیٔ کی حیثیت شرط ملزوم کی ہے، ارادہ متکلم کی نہیں تو اسے حذف کر کے جزوِ انطلاق یعنی زید اس کی جگہ لے آئے اور فا مبتدا سے بجانب خبر منتقل کر دی گئی۔

فحذف الفعل والجار۔ یعنی یہاں اول تو فعل حذف کیا گیا اور اس کے بعد جار اور مجرور حذف کئے گئے اور مہما کے بجائے اَمّا لے آئے۔

ثم ذلک الجزء الاول الخ۔ فرماتے ہیں کہ جزء اول میں مبتدا بننے کی اہلیت موجود ہونے پر اسے مبتدا بنالیں گے ورنہ فا کے بعد آنے والے کو اس کا عامل قرار دیں گے

فصل حرفُ الرَّدع کلَّا وُضِعَتْ لزجرِ المتکلّمِ ورَدْعِہٖ عمَّا یتکلّمُ بہٖ کقولہٖ تعالیٰ وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰہُ فَقَدَرَ عَلَیْہِ رِزْقَہٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَھَانَنِ کَلَّا۔ ای لا یتکلّمُ ھٰذا فانّہٗ لیسَ کذٰلکَ ھٰذَا بَعْدَ الخبر وقد تجیٔ بعدَ الامرِ ایضًا کما اذا قیل لکَ اِضْرِبْ زَیْدًا فقلتَ کلَّا ای لَا افعلُ ھذا قطُّ وقد تجیٔ بمعنی حقًّا کقولہٖ تعالیٰ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ وحینئذٍ تکونُ اسمًا مبنیًّا لکونہٖ مشابھًا لِکَلَّا حرفًا وقیل تکونُ حرفًا ایضًا بمعنٰی اِنَّ لتحقیق الجملۃِ نحو "کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی" بمعنی اِنَّ

ترجمہ:- یہ فصل حرف ردع کے بیان میں ہے۔ حرفِ ردع کلّا بولنے والے کو اس کلام پر زجر اور اسے جھڑکنے کی خاطر وضع کیا گیا مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "واما اذا ما ابتلٰہ فقدر علیہ رزقہٗ فیقول ربی اَہانن کلّا" (اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ (شکایتاً) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی۔ ہرگز ایسا نہیں) یعنی اس طرح کی بات نہ کرے اسلئے کہ امر اس طرح نہیں۔ یہ تو خبر کے بعد کلّا کا آنا ہے اور بعض اوقات امر کے بعد بھی آیا کرتا ہے۔ جیسے کہ جب تجھ سے کہا گیا ہو" زید کو زدوکوب کر" اور تو کہے کلّا یعنی میں ہرگز کبھی اس کا ارتکاب نہ کروں گا۔ اور بعض اوقات بمعنی حق آتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "کلّا سوف تعلمون" اور اس وقت کلّا کی مشابہت بالحرف کے باعث وہ مبنی اسم شمار ہوتا ہے اور کہا گیا کہ جملہ کی تحقیق کی خاطر وہ بمعنی اِنَّ

حرف بھی ہوتا ہے مثلاً ,, کلا ان الانسان لیطغیٰ ,, بمعنیٰ اِنَّ۔

تشریح حرف الردع الخ ردع کے معنی جھڑکنے اور منع کرنے کے آتے ہیں۔ کلاّ کی وضع کیونکہ اس معنی کے اظہار کی خاطر ہوئی ہے اس لئے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔ نحویوں کی رائیں اس کے مرکب یا بسیط ہونے کے بارے میں الگ الگ ہیں۔ جمہور نحاۃ تو اسے بسیط قرار دیتے ہیں اور ابن یعیش نحوی کے نزدیک یہ لآ اور کاف تشبیہ سے بنا ہے اور اسے تشبیہ سے الگ قرار دینے کی خاطر اس پر تشدید لے آئے۔

وضعت لزجر الخ۔ یہاں فرماتے ہیں کہ کلاّ کے معنی زجر اور جھڑکنے کے اس صورت میں ہونگے جبکہ یہ بعد خبر آیا ہو البتہ بعض اوقات اسی زجر کے معنی میں بعد امر بھی آیا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے ,, اضرب زیداً ،، تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے ,,کلاّ ،، یعنی میں ہرگز نہیں ماروں گا۔ اور بعض اوقات کلاّ حقا کے معنیٰ میں بھی آجاتا ہے۔

وحینئذ تکون اسما۔ نحویوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کلاّ بمعنی حقاً ہونے کی صورت میں اسم قرار دیا جائے گا یا حرف شمار ہوگا۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ اس صورت میں اسم ہوگا۔ اور اسم کے اندر اصل حیثیت اعراب کی ہے تو یہ معرب قرار دیا جائے گا۔ مگر یہاں صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ معرب نہ ہوگا اور یہ مبنی رہے گا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دراصل اس کلاّ سے مشابہت رکھتا ہے جو کہ حرف ہے اور مشابہ حرف از روئے قاعدہ مبنی ہوا کرتا ہے۔ کسائی نحوی اور ان کے متبعین کے نزدیک کلاّ حقا کے معنی میں بھی اسم نہ ہوگا بلکہ حرف ہی رہے گا اس لئے کہ یہ اس وقت بمعنی انّ ہوگا جو تحقیق جملہ کے واسطے آیا کرتا ہے پس یہ حرف ہونے کی بنار پر مبنی ہی قرار دیا جائیگا

فصل - تَاءُ التانیثِ السَّاکنۃُ تلحق الماضِیَ لِتَدُلَّ علی تَانیثِ ما اُسْنِدَ الیہِ الفِعلُ نحو ضُرِبَتْ ھِنْدٌ وقد عَرفتَ مواضِعَ وُجُوبِ الحاقِہا واِذَا لقیہا سَاکِنٌ بَعْدَھا وَجَبَ تحریکُھا بالکسرِ لِاَنَّ السَّاکِنَ اِذَا حُرِّکَ حُرِّکَ بالکسْرِ نحو قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃُ وحرکتُہا لاتوجب ردَّ ماحُذِفَ لِاجلِ سکونہا فلا یقالُ رمَاتِ المرأۃُ لِاَنَّ حرکتَہا عارِضِیۃٌ و اقعۃٌ لرفع التقاءِ السَّاکِنَیْنِ فقولہُمُ المرأتان رماتا ضعیفٌ واما الحاقُ علَامۃ التثنیۃِ وجمع المذکرِ وجمع المؤنث فضعیفٌ فلا یقال قاما الزیدانِ و قاموا الزیدونَ وقُمن النساءُ وبتقدِیرِ الالحاقِ لا تکونَ الضمائِرَ لِئَلَّا یلزَمَ الاِضمارُ قبل الذِّکر بل علاماتٍ دالۃٍ علیٰ احوال الفاعِلِ کتاءِ التانیثِ۔

ترجمہ - یہ فصل تائے تانیث کے بیان میں ہے۔ تائے تانیث ساکنہ ماضی پر آتی ہے تاکہ وہ اس کے مؤنث ہونے کی نشاندہی کرے جس کی جانب فعل کی اسناد کی گئی ہو۔ مثلاً ,, ضَرَبَتْ ہندٌ ،، اور اس کے آنے کے

مواقع تم جان چکے۔ اور اس کے بعد اگر ساکن آئے تو اسے متحرک بالکسرہ کرنا لازم ہے کیونکہ ساکن جب متحرک ہوگا تو اسے کسرہ دیا جائے گا مثلاً "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ" اور اس کے متحرک ہونے کی وجہ سے اس کا لوٹنا واجب نہ ہوگا جیسے اس کے ساکن ہونے کے وقت حذف کر دیا گیا ہو تو "رمَاۃِ المرأۃ" نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس کی حرکت کی حیثیت عارضی کی ہے اور التقائے ساکنین ختم کرنے کی بنا پر آئی ہے۔ تو ان کا قول "المرأتان رماتا" ضعیف قرار دیا جائے گا تو "قاما الزیدان" اور "قاموا الزیدون" اور "قمن النساء" نہیں کہا جائے گا اور الحاق کی تقدیر پر یہ علامات ضمیر میں نہ ہوں گی تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے بلکہ یہ علامات ہیں فاعل کے احوال کی نشاندہی کرتی ہیں۔ مثلاً تائے تانیث۔

تشریح:- تاء التانیث الساکنۃ۔ صاحب کتاب یہاں ایک ضابطہ بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ تائے تانیث ساکنہ کا آنا فعل ماضی کے اخیر میں ہوا کرتا ہے اور یہ اس وجہ سے تاکہ اس کے ذریعہ اس چیز کی تانیث کی نشاندہی ہو سکے جس کی جانب اسناد فعل ہو رہی ہو یعنی اس کے ذریعہ فاعل کے مؤنث ہونے کی نشاندہی ہو جائے۔ ساکنہ کی قید لگانے کا سبب تائے متحرکہ سے احتراز ہے اسلئے کہ تائے متحرکہ کا آنا اسم کے ساتھ خاص ہے۔ سکون سے مقصود یہ ہے کہ وہ اصل کے اعتبار سے ساکن ہی ہو خواہ کسی عارض کے باعث کسی وقت متحرک ہی کیوں نہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر "قالتا" کہ اس میں دو ساکنوں کے اجتماع کے باعث تاء پر حرکت آگئی۔

ما اُسند الیہ الفعل۔ یعنی اس کے ذریعہ مسند الیہ کے مؤنث ہونے کی نشاندہی ہو رہی ہو چاہے تحقیقاً ہو مثلاً "ضربت" کے اندر۔

وقد عرفت مواضع الخ یعنی تانیث کی تاء کا فعل ماضی میں کس کس جگہ الحاق ہوتا ہے یہ مواقع تم بخوبی پہچان چکے ہو۔

واذا لقیہا ساکن بعدہا الخ یعنی اگر کہیں تائے تانیث ساکنہ کے بعد کوئی ساکن آ رہا ہو تو دو ساکن اکٹھے ہو جائیں گے اور اس بنا پر اسے حرکت کسرہ دینا لازم ہوگا اسلئے کہ ساکن کو متحرک کرنے میں کسرہ کی حیثیت اصل کی ہے اسلئے کہ کسرہ قلت کے باعث مشابہ بالسکون ہوتا ہے۔

وحرکتہا لاتوجب رد ما حذف الخ یہاں دراصل ایک پوشیدہ اشکال کا جواب مقصود ہے۔ اشکال یہ کیا گیا کہ اجتماع ساکنین کے باعث ایک ساکن محذوف ہو جائے تو پھر باقی ماندہ ساکن پر حرکت آنے کے بعد اسے لوٹ آنا چاہئے اسلئے کہ اصل سبب یعنی اجتماع ساکنین باقی نہ رہا تو مثلاً "رمات المرأۃ" کہنا درست ہونا چاہئے۔ تو اب محذوف نہ لوٹنے کا سبب کیا ہے۔؟

صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حرکت کے بعد محذوف لوٹایا نہیں جائے گا اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس حرکت کی حیثیت عارضی کی ہے جو کہ دو ساکنوں کے ملنے کے ازالہ کی خاطر لائی گئی۔

اما الحاق علامۃ التثنیۃ الخ اس جملۂ مستانفہ کا لانا ایک وہم کے ازالہ کی خاطر ہے۔ وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہاں تک

تثنیہ اور جمع کی حالتوں کا تعلق ہے دیکھا جائے تو یہ تائے تانیث کی طرح ہیں تو جیسے مسندالیہ کی معرفت کی خاطر فعل پر تائے تانیث کا اضافہ کیا جاتا ہے ٹھیک اسی طریقہ سے مسندالیہ کے اسم ظاہر ہونے کی صورت میں اس کے تثنیہ اور جمع کی نشاندہی کی خاطر مع الفعل علاماتِ تثنیہ و جمع کا اضافہ کر دینا چاہئے، جبکہ یہ اضافہ نہیں کیا جاتا۔

صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مع الفعل ان کا الحاق اس واسطے نہیں ہوا کرتا کہ تثنیہ اور جمع کو ان علامات کی احتیاج نہیں۔ اور مسندالیہ کے تثنیہ اور جمع ہونے سے ان کے تثنیہ اور جمع کا علم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس تانیث کا حال یہ ہے کہ وہ بعض اوقات معنوی ہوا کرتی ہے اور اس مسندالیہ کے ذریعہ سے بھی اس کے مؤنث ہونے کا علم نہیں ہوتا اس بنا پر مع الفعل علامتِ تانیث کے الحاق کو لازم قرار دیا گیا۔

اور فاعل کے تثنیہ اور جمع ہونے کی صورت میں ذکر کردہ دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ مع الفعل علامتِ تثنیہ اور علامتِ جمع کا اضافہ نہ ہو۔ اس بنا پر فعل کے ساتھ ان کے الحاق میں ضعف آگیا اور "قاما الزیدان اور قاموا الزیدون" اور "قمن النساء" کہنا ضعیف قرار دیا گیا۔ علاوہ ازیں اس الحاق کی شکل میں اضمار قبل الذکر کا لزوم ہوتا ہے۔ اس بنا پر از روئے قاعدہ ان کا الحاق ضعیف نہیں بلکہ ممنوع ہونا چاہئے۔ تو صاحب کتاب اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب ان علامات کا الحاق ہوگا تو اس وقت یہ سرے سے ضمیریں نہ ہوں گی بلکہ علامات ہونگی کہ اضمار قبل الذکر لازم آئے

فصل التنوین نونٌ ساکنةٌ تَتْبَعُ حرکةَ اٰخِرِ الکَلِمَةِ لَا لتاکیدِ الفعلِ وھی خَمْسَةُ اقسامٍ الاول للتمکنِ وھو مایدُلُّ علی ان الاسم متمکنٌ فی مقتضے الاسمیۃِ ای انّہٗ منصرِفٌ نحو زَیْدٌ ورجلٌ والثانی للتنکیرِ وھُوَ مَا یدلُّ علےٰ انَّ الاسمَ نکرۃٌ نحو صہٍ ای اسکُتْ سکوتًا ما فی وقتٍ مّا و اَمّا صَہْ بالسکونِ فمعْناہُ اُسکتِ السکوتَ الاٰنَ۔ و الثالثُ للعِوَضِ وھو مایکون عِوَضًا عَنِ المضافِ الیہِ نحو حینئذٍ وساعتئذٍ ویومئذٍ ای حِیْنَ اذا کانَ کذٰا والرّابعُ للمقابلۃِ وھو التنوین الذی فی جمع المؤنّث السالِمِ نحو مُسْلِماتٍ وھٰذِہٖ الاربعۃُ تختصُّ بالاسمِ والخامِسُ للترنّمِ وھو الذی یَلْحقُ اٰخِرَ الابیاتِ والمصارِیع کقولِ الشاعِرِ **شعر**

اَقِلِّیْ اللَّوْمَ عَاذِلُ والعِتَابَنْ ۔ وقُوْلِی اِنْ اَصَبْتُ لَقَدْ اَصَابَنْ

وکقولہٖ ع یا اَبَتَا عَلَّکَ اَوْعَسَاکَنْ۔ وقد یُحذَفُ مِنَ العَلَمِ اذا کانَ موصُوفًا بابن او ابنۃٍ مُضافًا الی عَلَمٍ اٰخَرَ نحو جَاءَنِی زیدُ بْنُ عَمْرٍو وھِنْدُ ابْنَۃُ بَکْرٍ۔

ترجمہ:۔ یہ فصل تنوین کے بیان میں ہے۔ تنوین وہ نون ساکن ہے جو آخر کلمہ کی حرکت کے تابع

ہوا کرتا ہے۔ یہ برائے تاکید فعل نہیں آتا۔ یہ پانچ قسموں پر مشتمل ہے۔
اوّل برائے تمکین۔ تنوین تمکین مقتضائے اسمیت یعنی اس کے منصرف ہونے کی نشاندہی کرتی ہے مثلاً زیدٌ اور رجلٌ
ثانی برائے تنکیر۔ تنوین تنکیر وہ کہلاتی ہے جس سے اسم کے نکرہ ہونے کی نشاندہی ہوتی ہو مثلاً صَہٍ
یعنی کسی وقت خاموش رہو۔ اور صَہْ سکون کے ساتھ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب خاموش رہو۔
ثالث۔ برائے عوض۔ یہ وہ تنوین کہلاتی ہے جو مضاف الیہ سے عوض ہو۔ مثلاً حینئذٍ اور ساعتئذٍ
اور یومئذٍ۔ یعنی جس وقت ایسا واقع ہو۔
رابع برائے مقابلہ۔ تنوین مقابلہ وہ کہلاتی ہے جو جمع مؤنث سالم میں آرہی ہو۔ مثلاً "مسلماتٍ"۔ تنوین
کی یہ چار اقسام اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ اور پانچویں برائے ترنم ہے۔ تنوین ترنم وہ کہلاتی ہے جو اشعار
اور مصرعوں کے اخیر میں آیا کرتی ہے۔ مثلاً شاعر کا شعر ؎

اقلّی اللوم عاذل والعتابن ؞ وقولی ان اصبت لقد اصابن

(اے ملامت کرنے والی تو ملامت و عتاب میں کمی کر۔ اور اگر میں کوئی کام ٹھیک کروں تو کہدے
ٹھیک کیا) اور مثلاً شاعر کا یہ مصرعہ یا ابتا علّک او عساکن۔ (اے باپ شاید کہ تو یا
توقع کر تو) اور بعض اوقات تنوین حذف کردیجاتی ہے جبکہ وہ ابن یا ابنۃ کے ساتھ موصوف
ہو اور اس کی اضافت دوسرے علم کی جانب ہو مثلاً "جاءنی زید بن عمرو وہند ابنۃ بکر"

تشریح:- التنوین۔ صاحبِ کتاب فرماتے ہیں اصطلاحی اعتبار سے تنوین ایسے نون ساکن کا نام ہے جس کا مقصد
فعل کی تاکید ہرگز نہ ہو بلکہ وہ کلمہ کی اخیر حرکت کے تابع بن کر آئے۔ واضح رہے کہ تنوین از روئے
تلفظ نون ساکن کا نام ہے اور اندرون کتابت نون کی جگہ محض دو زبر، دو زیر یا دو پیش لگا دئے جاتے ہیں۔
حرکۃ آخر الکلمہ۔ اس جگہ ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے "تتبع آخر الکلمہ" نہ کہنے اور یہاں
لفظ حرکت لانے کا کیا سبب ہے۔
اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ تنوین کا جہاں تک تعلق ہے وہ بحالتِ وقف
حرکت کے گرا دینے کے وقت گر جایا کرتی ہے۔ اگر صاحب کتاب لفظ حرکت نہ لاتے تو یہ بات ثابت ہوتی کہ تنوین
بحالتِ وقف نہ گرے۔
لا لتاکید الفعل۔ اس قید کے ذریعہ تنوین کی تعریف سے نون خفیفہ نکل گیا اسلئے کہ وہ اخیر حرف کی حرکت
کے تابع اور ساکن ہوتے ہوئے برائے تاکید فعل آتا ہے۔
وہو ما یدل الخ یعنی اسم متمکن اسے کہتے ہیں جس کا اسم پر آنا اس اسم کے منصرف ہونے کی علامت ہو۔ یہ تنوین سارے
معرب اسماء پر آتی ہے۔ اس تنوین کا دوسرا نام تنوین الصرف ہے۔

والثانی للتنکیر الخ یعنی تنوین کی قسم دوم تنکیر ہے۔ یہ وہ تنوین کہلاتی ہے جو اس کو بتائے کہ جس اسم پر وہ آرہی ہے معرفہ نہیں بلکہ نکرہ ہے۔ تنوینِ تنکیر مبنی اسمار پر آیا کرتی ہے۔

والثالث للعوض۔ تنوین کی قسم سوم عوض ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو ایسی تنوین جو بعوض جملہ آیا کرتی ہے۔ یہ ایسے جملہ کے بعد آتی ہے جو بعد اذ آیا کرتا ہے اور اس کو حذف کرنے کے بعد یہ تنوین لاتے ہیں اور یہ جملہ اذ کا مضاف الیہ قرار پاتا ہے۔ مثال کے طور پر حینئذٍ، ساعتئذٍ،

اور قسم دوم وہ جو بعوض اسم آتی ہے۔ یہ تنوین بعوض مضاف الیہ کل کے آخر میں لاتے ہیں اور مضاف الیہ محذوف ہوتا ہے۔

اور قسم سوم وہ کہلاتی ہے جسے حرکت یا حرف کے بدل لاتے ہیں۔

والرابع للمقابلۃ۔ تنوین کی قسم چہارم مقابلہ کہلاتی ہے۔ یہ تنوین جمع مؤنث سالم پر آیا کرتی ہے مثلاً "مسلماتٌ"۔ اس کے اندر آنے والی تنوین مسلمون یا مسلمین کے نون کے مقابلہ میں آرہی ہے اور مسلمات کے الف تار کو جمع کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

وہٰذہ الاربعۃ تختص الخ فرماتے ہیں کہ تنوین کی ذکر کردہ چاروں اقسام اسم کے ساتھ خاص ہیں اور صرف اسم ہی پر آیا کرتی ہیں۔ صاحب کتاب اس سے اس بات کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ تنوین کی قسم پنجم جسے تنوین ترنم کہا جاتا ہے وہ اسم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ فعل پر بھی آجاتی ہے۔

والخامس للترنم۔ تنوین کی قسم پنجم جو تنوین ترنم کے ساتھ موسوم ہے وہ اشعار اور مصرعوں کے اخیر میں آیا کرتی ہے اور اس سے مقصود اشعار اور اشعار خوانی کی تزئین وتحسین ہوتا ہے۔

وقد یحذف من العلم الخ فرماتے ہیں کہ علم کے موصوف ہونے کی صورت میں اور اس کی صفت ابن یا ابنۃ ہونے کی شکل میں اور اس کے دوسرے علم کی جانب مضاف ہونے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ تنوین حذف کردی جائے۔ مثال کے طور پر "جاءنی زید بن عمرو وہند ابنۃ بکر" کہ اس مثال میں زید اور ہند کی حیثیت موصوف کی ہے اور ان کی صفت ابن وابنۃ آرہی ہے اور اس کی اضافت عمرو اور بکر کی جانب ہے تو قاعدہ کے مطابق یہاں زید اور ہند سے حذفِ تنوین لازم ہے۔ علم سے حذفِ تنوین بقصدِ تخفیف ہوا کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں اندرونِ لفظ طوالت پیدا ہو جاتی ہے اور علم میں ثقالت ہے اور اس طریقہ سے استعمال کثرت کے ساتھ ہوتا ہے پس تخفیف وسہولت کی خاطر حذف تنوین ناگزیر ہوا۔

فصل۔ نونُ التاکیدِ وھِیَ وُضِعَتْ لتاکیدِ الاَمْرِ والمُضَارِعِ اذا کانَ فیہِ طلبٌ بازاءِ قد لتاکیدِ الماضِی وھی علیٰ ضَرْبَیْنِ خَفِیْفَۃٌ ای سَاکِنۃٌ ابدًا نحو اِضْرِبَنْ وثَقِیلۃٌ ای مُشدَّدۃٌ مفتوحۃٌ ابدًا ان لم یکنْ قبلَھَا الفٌ نحو اضرِبَنَّ ومکسورۃٌ

إن كَانَ قبلَهَا الفٌ نحو اضرِبَانِّ واضرِبْنَانِّ وتدخُل فى الامر والنهى والاستفهام والتمنى والعرضِ جوازًا لِأنَّ فى كُلٍّ مِّنْهَا طلبًا نحو اضربن و لا تضربن وهل تضربن وليتك تضربن والا تنزلن بنا فتصيبَ خيرًا وقد تدخل فى القَسمِ وجوبًا لوقوعِهِ على ما يكُونُ مطلوبًا للمُتكلِّمِ غالبًا فارادوا انْ لايكونَ اٰخر القَسمِ خاليًا عَنْ مَعنى التّاكيد كما لا يخلُوا اوّلهُ منهُ نحو والله لافعلنَّ كذا **واعلمْ انَّهُ يجبُ ضَمُّ** مَا قبلها فى جَمْعِ المذكر نحو اضربُنَّ لِيدُلَّ عَلى الواوِ المحذوفةِ وكسرُ مَاقبلها فى المخاطبةِ نحو اضرِبِنَّ لِيدُلَّ على الياءِ المَحذوفةِ وفتحُ ماقبلها فِي مَاعدَا هُمَا اما فى المفردِ فلانهُ لو ضُمَّ لَالتبسَ بجمعِ المذكر ولو كُسِرَ لالتبس بالمخاطبةِ واما فِي المثنّٰى وجَمْعِ المؤنّثِ فلانَّ ماقبلَها الفٌ نحو اضرِبانِّ واضرِبْنَانِّ وزِيدَتْ الفٌ قبلَ النونِ فى جمعِ المؤنثِ لِكراهَةِ اجتِمَاعِ ثلٰث نوناتٍ نُونُ الضّميرِ وَ نُونَا التاكِيد ونونُ الخفيفة لاتدخُلُ فى التثنيةِ اَصْلًا ولا فِي جَمْعِ المؤنّثِ لانَّهُ لوحرّكت النونَ لم تبقَ خَفيفةً فلم تكن على الاَصْلِ وان ابقيتَها ساكنةً يلزم التِقاءُ الساكنَيْنِ على غير حَدِّهٖ وهُوَ غيرُ حَسَنٍ۔

ترجمہ: یہ فصل نون تاکید کے بیان میں ہے۔ نونِ تاکید وہ کہلاتا ہے جس کی وضع امر اور مضارع کی تاکید کی خاطر ہوئی ہو۔ بشرطیکہ اس میں بمقابلِ قد طلب تاکید ماضی کے لئے ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) خفیفہ۔ یعنی دائمی طور پر ساکن مثلاً "اضربَنْ" (۲) ثقیلہ۔ یعنی دائمی طور پر مفتوح مشدد بشرطیکہ اس کے قبل الف نہ ہو مثلاً "اضربَنَّ" اور مکسورہ اگر اس سے قبل الف موجود ہو مثلاً "اضربانِّ واضربْنانِّ" اور اس کا امر، نہی، استفہام، تمنی، عرض پر آنا جائز ہے اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک میں معنیٰ طلب موجود ہیں مثلاً "اضربن، لاتضربن، ہل تضربین، لیتک تضربن، الاتنزل بنا فتصیبَ خیرًا۔" اور بعض اوقات قسم پر اس کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس پر آتا ہے جو اکثر و بیشتر متکلم کا مطلوب ہوتی ہے تو انہوں نے اس کا قصد کیا کہ قسم آخر تاکید کے معنی سے خالی نہ رہے جیسا کہ قسم کا اول معنیٰ تاکید سے خالی نہیں ہوتا مثلاً "واللہ لافعلنّ کذا" (واللہ میں ضرور ایسا کروں گا) اور واضح رہے کہ اس سے قبل جمع مذکر پر ضمہ آنا ضروری ہے مثلاً "اضربُنَّ" تاکہ اس سے واؤ کے حذف ہونے کی نشاندہی ہو اور مخاطب کے صیغہ میں اس سے قبل کسرہ لانا ضروری ہے مثلاً "اضربِنَّ" تاکہ یا کے حذف ہونے کو بتائے اور ان دونوں کے علاوہ صیغوں میں اس کے ماقبل فتحہ لانا ضروری ہے۔ مفرد میں تو اس واسطے کہ ضمہ دینے کی صورت میں اس کے جمع نہ کرنے سے التباس ہوگا اور کسرہ دینے پر واحد مونث حاضر سے التباس لازم آئے گا۔ اور تثنیہ اور جمع مؤنث میں

اس بنار پر کہ اس سے پہلے الف آرہا ہے مثلاً ، اضربانّ و اضربنانِّ اور تین نونوں، نون ضمیر اور دو نونِ تاکید کا اجتماع ناپسندیدہ ہونے کے باعث جمع مؤنث میں نون سے قبل الف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اور نون خفیفہ بالکل نہ تثنیہ میں آتا ہے اور نہ جمع مؤنث میں کیونکہ نون کو حرکت دینے کی صورت میں وہ خفیفہ برقرار نہ رہے گا اور وہ اپنی اصل پر نہ رہے گا اور ساکن باقی رکھنے کی شکل میں حدجواز سے ہٹ کر التقائے ساکنین لازم آئے گا اور یہ غیر مستحسن ہے ۔

تشریح نون التاکید ۔ اصطلاحاً نونِ تاکید کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ جس کی وضع امر اور مضارع میں معنیٰ تاکید پیدا کرنے کی خاطر ہوئی ہو مگر شرط یہ ہے کہ مضارع میں طلب کے معنی موجود ہوں اسواسطے کہ تاکید مطلوب شئے ہی کی ہوا کرتی ہے ۔ یہ نون از روئے تاکید قد کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہے یعنی جس طریقہ سے قد ماضی میں معنیٰ تاکید کے لئے وضع کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح نون کا مضارع میں حال ہے ۔

وہی علیٰ ضربین ۔ نون تاکید کی دو قسمیں ہیں ایک ثقیلہ دوسری خفیفہ ۔ نون خفیفہ ساکن نون کا نام ہے اور یہ نون اپنی اصل پر باقی ہے ۔ اندرونِ مبنی کیونکہ سکون کی حیثیت اصل کی ہے اسی بنار پر اسے ثقیلہ سے پہلے لائے اور دوسرا سبب خفیفہ کو پہلے لانے کا یہ ہے کہ نون خفیفہ کی حیثیت نون ثقیلہ کے جزء کی ہے اور ضابطہ کے مطابق جزء کل سے پہلے ہوا کرتا ہے ۔

وتدخل فی الامر ۔ فرماتے ہیں کہ نون اس سے قطع نظر کہ وہ خفیفہ ہو یا ثقیلہ ایک تو وہ امر پر آیا کرتا ہے چاہے یہ امر معروف ہو یا مجہول اور چاہے وہ حاضر ہو یا غائب ۔

لان فی کل منہا ۔ فرماتے ہیں کہ نون تاکید کے امر، نہی، استفہام، تمنی اور عرض میں آنے کا سبب یہ ہے کہ ان میں سے ہر اک کے اندر معنیٰ طلب پائے جاتے ہیں پس ان میں سے ہر ایک کی تاکید کرنا موزوں ہے لہٰذا برائے طلب تاکید ان پر نون تاکید آیا کرتا ہے ۔ امر، نہی اور استفہام کا جہاں تک تعلق ہے ان پر تو طلب کا پایا جانا بالکل عیاں ہے مگر تمنی اور عرض میں طلب کا وجود اس حیثیت سے ہے کہ ان دونوں کا درجہ امر کا سا ہے ۔ ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ ماضی اور حال کے معنیٰ طلب سے خالی ہونے کے باعث نہ نونِ تاکید ماضی پر آئیگا اور نہ حال پر ۔

وقد تدخل فی القسم وجوباً الخ ۔ صاحب کتاب کی اس عبارت سے جواب قسم مقصود ہے اسلئے کہ نونِ تاکید کا جہاں تک تعلق ہے وہ نفسِ قسم پر نہیں آتا ۔ خلاصہ یہ کہ قسم کے جواب پر نون تاکید آنا ضروری ہے بشرطیکہ قسم کا جواب منفی نہیں مثبت ہو ۔ نونِ تاکید اس پر آنے کا سبب یہ ہے کہ اکثر و بیشتر بولنے والا قسم ایسی شئے پر کھایا کرتا ہے جو اسے مطلوب و مقصود ہوا کرتی ہے تو نحاۃ نے یہ خیال کیا کہ قسم کے اول کی طرح اس کے آخر میں بھی معنیٰ تاکید آجائیں اور اس کا آخر بھی معنیٰ تاکید سے خالی نہ رہے ۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے ،، واللہ لافعلنَّ کذا ،، ۔

واعلم انہ یجب الخ ۔ صاحب کتاب اس جگہ نون تاکید کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نون تاکید چاہے ثقیلہ ہو

یا خفیفہ جمع مذکر میں یہ ضروری ہے کہ اس کے ماقبل پر ضمہ آئے تاکہ اس کے ذریعہ واؤ کے محذوف ہونے کی نشاندہی ہوسکے۔

وکسر ماقبلہا۔ فرماتے ہیں اسی طرح واحد مؤنث حاضر کے صیغہ میں نون تاکید سے پہلے کسرہ لانا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ یہاں یا حذف ہوئی ہے اور جمع مذکر مخاطب کے صیغوں کے علاوہ میں نون تاکید سے پہلے یہ ضروری ہے کہ فتحہ لایا جائے مفرد میں تو اس مصلحت سے کہ اس پر ضمہ لانے کی صورت میں جمع مذکر سے التباس لازم آتا ہے اور کسرہ کی صورت میں مخاطب کے صیغہ سے اور ساکن برقرار رکھنے پر دو ساکنوں کا یکجا ہونا لازم آئے گا جو درست نہیں۔ پس اس صورت میں فتحہ ہی آئے گا۔

واما فی المثنی و جمع المؤنث الخ۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جہاں تک تثنیہ اور جمع مؤنث میں فتحہ کے نون تاکید کے پہلے لانے کو ضروری قرار دینے کا تعلق ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں نون تاکید سے قبل الف ہوا کرتا ہے اور الف بحکم فتحہ ہوتا ہے۔

والنون الخفیفۃ لاتدخل الخ عام طور پر جس جگہ نون ثقیلہ کا آنا درست ہوتا ہے وہاں نون خفیفہ بھی آسکتا ہے لیکن دو جگہیں ایسی ہیں کہ وہاں نون خفیفہ نہیں آسکتا۔ اس واسطے صاحب کتاب نے ان دو جگہوں کی نشاندہی فرمادی۔ فرماتے ہیں کہ نونِ خفیفہ اندرونِ تثنیہ قطعاً نہیں آتا۔ اور اسی طریقہ سے جمع مؤنث میں بھی نہیں آیا کرتا۔

تمت بالخیر

درسِ حُسامی

شرح اردو

مُنتخب الحسامی

مؤلف مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلی
استاذ دار العلوم دیوبند

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی